مغل دربار

ڈاکٹر مُبارک علی
صدر شعبہ تاریخ جامعہ سندھ

نگارشات
۴۔ بیگم روڈ، لاہور

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

کتاب	مغل دربار
مصنف	ڈاکٹر مبارک علی
ناشر	مصطفٰے وحید
ادارہ	نگارشات ۲۴ بیگم روڈ لاہور
مطبع	ایچ۔ وائی پرنٹرز لاہور
کتابت وتزئین	الشہیر ایڈورٹائزرز ۱۔رائل پارک لاہور
باراول	۱۹۸۹ء
قیمت	۴۷/- روپے

انتساب

اپنے والد مسعود علی خاں مرحوم
اور اپنی والدہ بتول بیگم کے نام

فہرست

پیش لفظ ۷
پہلا باب۔ نظریہ بادشاہت، دربار اور رسومات ۹
نظریۂ بادشاہت کا تاریخی پس منظر ۹
اسلام اور نظریۂ بادشاہت ۱۹
مغل نظریۂ بادشاہت ۲۵
دوسرا باب۔ شاہی علامات ۲۸
تخت ۲۹
تخت نشینی ۳۴
خطبہ ۳۸
سکہ ۴۲
شاہی مہریں ۴۳
شاہی جھنڈے ۴۵
شاہی امتیازات ۴۶
تیسرا باب۔ مغل دربار ۴۹
دربار ۵۰
رسومات ۵۳
دربار میں سفیروں کا استقبال ۶۰
بادشاہ کے روزمرہ کے معمولات ۶۳
چوتھا باب۔ تقریبات، تہوار، تفریحات اور شاہی جلوس ۷۰
جشن نوروز ۷۲
جشن وزن ۷۵
شاہی تفریحات ۷۷
ہاتھیوں کی لڑائی ۸۰
چوگان ۸۱

دُوسری تفریحات	۸۱
شاہی جلوس	۸۲
پانچواں باب:۔ خطابات	۸۶
خطابات کا تاریخی پس منظر	۸۶
مغل بادشاہوں کے خطابات	۸۹
شہزادے و شہزادیوں کے خطابات	۹۲
بیگمات کے خطابات	۹۲
امراء کے خطابات	۹۲
خوشنویسوں کے خطابات	۹۸
موسیقاروں کے خطابات	۹۸
دوسرے خطابات	۹۸
چھٹا باب:۔ شاہی انعامات و خیرات	۱۰۰
انعامات	۱۰۰
خیرات	۱۰۳
ساتواں باب:۔ مغل امراء	۱۰۸
منصب دار اور امراء کی تقسیم	۱۱۱
نووارد اور دربار	۱۱۲
خانہ زاد اُمراء	۱۱۴
امراء اور رعیت	۱۱۵
امراء اور بادشاہ	۱۱۹
خانہ نشینی	۱۲۳
ضبطی	۱۲۴
طرزِ معاشرت	۱۲۶
آٹھواں باب:۔ مغل معاشرہ اور عوام	۱۳۶
حوالہ جات	۱۴۴
کتابیات	۱۹۵
اشاریہ	

پیش لفظ

مغل عہد کی تہذیب و ثقافت کی چھاپ ہندوستانی معاشرے پر بہت گہری ہے، اس ثقافت و کلچر کا مرکز مغل دربار تھا اس کی رسومات تقریبات تہوار اور آداب نے معاشرے کے ہر طبقہ کی ساخت بنانے میں مدد دی، دربار کی شان و شوکت اور دولت کی فراوانی کے پس منظر میں عوام کی غربت و افلاس جاگیردارانہ معاشرے کی ذہنیت، و روایات کے ارتقا کو سمجھنے میں مدد دیگی۔ اس کتاب کی تیاری میں میں اپنے اساتذہ کا ممنون و مشکور ہوں خصوصیت سے پروفیسر احمد بشیر، سابق صدر شعبہ تاریخ سندھ یونیورسٹی، اور پروفیسر ایچ۔ بوسے، ڈین، و صدر شعبہ مشرقی علوم، کیل۔ یونیورسٹی جرمنی شکریہ کے مستحق ہیں جنھوں نے اپنے مشوروں سے نوازا" اور کتاب کے مسودے کو دیکھا۔

بنیادی طور پر یہ مقالہ پی ایچ۔ ڈی کیلیئے لکھا گیا تھا۔ اس کا اردو ترجمہ ترمیم و اضافے کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

میں نگارشات کے جناب مصطفیٰ وحید کا مشکور ہوں کہ انہوں نے اس کی اشاعت کا اہتمام کیا۔

مُبارک علی

پروفیسر و صدر شعبہ تاریخ

سندھ یونیورسٹی جام شورو

پہلا باب

نظریۂ بادشاہت دربار اور رسومات

"دربار اس کے اداروں، اور رسومات کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ نظریۂ بادشاہت اور اس کے ارتقاء پر نظر ڈالی جائے کیوں کہ اس پر ہی دربار کی بنیاد اور اساس تھی۔ بادشاہت کا نظریہ جو تاریخی مراحل سے گذر کر ہم تک پہونچا ہے، اس میں بادشاہ کی ذات کو اعلیٰ، ارفع، اور افضل تسلیم کیا جاتا ہے۔ جو روحانی اور دنیاوی خصوصیت کا مظہر ہوتی ہے اس حیثیت سے بادشاہ ایک مافوق الفطرت شخصیت کی شکل میں ابھر کر آتا ہے بادشاہ کی الوہی ذات کا تصور کیسے پیدا ہوا؟ اور یہ کن کن تاریخی مراحل سے گذرا؟ اور کیسے انسانی تہذیب وتمدن کے ساتھ اس کا ارتقا ہوا؟ اس کا جائزہ یہاں اختصار کے ساتھ لیا جائے گا؛ تاکہ دربار کی رسومات کی ابتداء اور ان کی اہمیت کا اندازہ ہوسکے"(1)

نظریۂ بادشاہت کا تاریخی پس منظر

جیمس فریزر (JAMES FRAZER) نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "شاخِ زرّیں" میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے کہ بادشاہ کی شخصیت کس طرح انسانی معاشرے میں انتہائی اہم، ممتاز اور طاقت ور بن کر اُبھری اس کے دلائل کے مطابق بادشاہ کی اوّلین حیثیت انسانی معاشرے میں ایک ساحر یا جادوگر کی تھی۔ جو معاشرے کا سب سے زیادہ اہم فرد سمجھا

جانا تھا۔ کیوں کہ بحیثیت ساحر کے یہ فطرت اور اس کی قوتوں پر قابو پالیتا تھا اور معاشرے کے افراد کو ارضی وسماوی آفات سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ اس تصور نے کہ وہ الٰہی اور روحانی قوتوں کا مالک ہے اس کی ذات کو مقدس اور الوہی بنا دیا اور اس کا درجہ دیوتا، یا دیوتا کے نمائندہ کا ہوگیا وہ خود بھی اپنے آپ کو چاند یا سورج کا بیٹا سمجھتا تھا جو اس وقت فطرت کی پراسرار قوتیں تھیں۔[۲]

چنانچہ سلطنت پیرو کے بادشاہ کو سورج کا بیٹا سمجھا جاتا تھا۔ جبکہ میکسیکو کے بادشاہ مونٹیزیوما کو اس کی رعایا دیوتا کی طرح پوجتی تھی بابل کے سلاطین میں سارگن اوّل (۳ ہزار ق م) سے لے کر "اُر" کی چوتھی سلطنت تک سب خُدائی کا دعویٰ کرتے تھے۔ ساسانی بادشاہ (یہ سلطنت ۲۲۵ ق م میں قائم ہوئی) مہر و ماہ کے بھائی کہلاتے تھے۔ مصر کے بادشاہ کو بھی خدا سمجھا جاتا تھا۔ اور اس کے سامنے قربانی کی جاتی تھی۔ یہ خود کو تمام اقوام اور ممالک جو مشرق سے مغرب تک پھیلے ہوئے تھے۔ ان کا فرماں روا سمجھتے تھے اور ان کے القاب سورج دیوتا سے ماخوذ تھے وسط ہند میں ہندوؤں کا ایک فرقہ یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ ان کا مہاراجہ کرشن کا نمائندہ یا خود کرشن ہے اس عقیدہ کی وجہ سے اس فرقہ کا ہر مرد اور عورت اپنی ذات اور مال کو بادشاہ کی ذات کیلئے قربان کرنے کو تیار رہتے تھے۔[۳] ہندوستان میں متوسط تاسترین میں بادشاہ کو دیوتا سمجھا جاتا تھا۔[۴]

فرے (FRYE) نے قدیم میسوپوٹامیہ میں بادشاہ کے ارتقاء کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابتداء میں بادشاہ کے فرائض میں یہ شامل تھا کہ وہ اپنے لوگوں کیلئے غذا کی فراہمی کا بندوبست کرے۔ لیکن جب کاشتکاری میں ترقی ہوئی اور غذا کو ذخیرہ کرنے کے طریقے دریافت ہو گئے تو پھر بادشاہ کے فرائض میں یہ شامل ہوا کہ وہ کس طرح اپنے لوگوں کو دشمنوں سے اور ارضی وسماوی آفتوں اور بلاؤں سے محفوظ رکھے اس حیثیت میں بادشاہ کی شخصیت کاشتکاری معاشرے کے سربراہ کی نہیں رہی بلکہ اب وہ دیوی دیوتاؤں اور عوام کے درمیان ان کا

نمائیندہ ہو گیا[۵]" اور اس کی ذات الوہیت کی شکل اختیار کر گئی اور اس کے گرد تقدس پاکیزگی، احترام اور عقیدت کا ایک ہالہ بن گیا جس نے اس کی شخصیت کو معاشرے کی سب سے اعلیٰ اور ارفع شخصیت بنا دیا اب اس کی ذات سے معاشرہ کی خوشحالی یا بدحالی کو منسوب کیا جانے لگا۔ اس نظریہ نے جہاں بادشاہ کو ممتاز خصوصیات کا حامل بنایا اور اس کیلئے بہترین مراعات رکھیں، وہاں اس کی ذات پابندیوں کا شکار بھی ہوئی تاکہ بادشاہ کی شخصیت کو ہر بلا، مصیبت، جادو اور برائی سے بچایا جا سکے۔ مثلاً مزدوی ہوا کہ کوئی بادشاہ کو کھاتے پیتے نہیں دیکھے اس کے چہرے پر ہمیشہ نقاب پڑی رہتی تھی تاکہ لوگ اسے نظرِ بد سے نہیں دیکھ سکیں[۶]"

ایران میں یہ دستور تھا کہ جب لوگ بادشاہ کے حضور میں جاتے تھے تو اپنی آنکھوں کو ہاتھوں سے ڈھانک لیتے تھے اور کہتے تھے "میسوزم" (میں جل رہا ہوں)[۷]" بادشاہ کے دن رات کے معمولات مقرر تھے جن پر اسے سختی سے کاربند ہونا پڑتا تھا[۸]"

ابتداء میں ان روایات کا مقصد یہ تھا کہ بادشاہ کو ارواحِ بد اور سحر جادو سے محفوظ رکھا جائے لیکن بعد میں ان روایات نے بادشاہ کو مافوق الفطرت ہستی بنانے میں مدد دی۔

اسی وجہ سے یہ روائیت قائم ہوئی کہ بادشاہ کا خون گرانا اور اسے مٹی میں ملانا تباہی کا باعث ہوتا ہے اس لئے اگر بادشاہ کو قتل کیا جاتا تھا تو اس طرح سے کہ اس کا خون زمین پر نہ گرنے پائے اسی روائیت کی وجہ سے منگولوں میں یہ رواج تھا کہ بادشاہ کو قالین میں لپیٹ کر مارتے تھے اسی طرح بادشاہ اپنے جسم سے کسی چیز کو جدا نہیں کرتا تھا۔ کیوں کہ یہ عقیدہ تھا کہ جو چیز جسم سے جُدا ہوگی اس کی مدد سے اس پر جادو ہو سکتا ہے۔ چنانچہ فرنیک بادشاہ حجامت نہیں بنواتے تھے۔ منگولوں میں بھی یہ رواج تھا کہ "خان" ہمیشہ لمبے بال رکھتا تھا۔ لمبے بال رکھنا بھی ایک شاہی علامت بن گیا تھا۔

بادشاہ الوہی ہونے کی وجہ سے زمین پر قدم نہیں رکھ سکتا تھا، جب وہ

باہر جاتا تو سواری میں جاتا تھا محل میں وہ ہمیشہ قالینوں پر چلتا تھا بادشاہ کے نام کے سلسلہ میں بھی یہ عقیدہ تھا کہ اصل نام کسی پر ظاہر نہ ہو کیوں کہ اس عقیدہ کے تحت نام انسان کی روح اور جسم کا حصہ ہے اس لیئے بادشاہ کو اصل کی بجائے دوسرے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اس کا نام لینا رعایا کیلئے جرم تھا اس روایت نے بعد میں شاھی القاب اور خطابات کو پیدا کیا (۹)

نظریہ الوہیت شاھی نے عوام میں اس عقیدہ کو پیدا کیا کہ بادشاہ کی صحت کے ساتھ ساتھ ملک کی خوشحالی قائم رہتی ہے اس لیئے اگر وہ جسمانی طور پر ناقص ہوگیا تو اس کا اثر ملک کی آبادی اور خوشحالی پر پڑے گا۔ ابتدائی زمانہ میں جب بادشاہ میں کوئی جسمانی خامی یا خرابی پیدا ہو جاتی تھی یا وہ ضعیف ہو جاتا تھا تو اسے مار دیا جاتا تھا لیکن بعد میں یہ تبدیلی آئی کہ ایسے شخص کو تخت و تاج سے محروم کر دیا جاتا تھا۔ قدیم ہندوستان کی تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔

دھرت راشٹر اس وجہ سے تخت پر نہیں بیٹھا کہ وہ اندھا تھا دیوپی جو پرتپ کا لڑکا تھا تخت نشین نہیں ہو سکا کیوں کہ وہ کوڑھ کا مریض تھا، رانا سانگا جو مختلف جنگوں میں زخمی ہو کر اپنے مختلف اعضاء کھو چکا تھا اگر چہ بادشاہ تو رہا مگر وہ تخت پر نہیں بیٹھتا تھا (۱۰)

اس نظریے نے اس عقیدہ کو پیدا کیا کہ بادشاہ سحری اور مافوق الفطرت قوتوں کے حامل ہوتے ہیں اور ان میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ زمین کو سرسبز رکھ سکیں اور اپنی رعایا کو نعمتیں فراہم کر سکیں۔ منو شاستر میں ایک اچھے بادشاہ کی جو خصوصیات بتائی گئی ہیں۔ ان میں اس کا عدل و انصاف خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ ایک عادل بادشاہ کی حکومت میں لوگ صحیح سلامت پیدا ہوتے ہیں۔ اور زیادہ عمر پاتے ہیں ہومر کے یونان میں بھی یہ عقیدہ تھا کہ بادشاہ اور اس کی ہر چیز با برکت اور مقدس ہوتی ہے اور ایک اچھے بادشاہ کے دور میں برکتیں ہوتی ہیں (۱۱)

سینٹ پیٹرک (ST. PATRICK) نے ایک اچھے بادشاہ کی جو خصوصیات بتائی ہیں وہ یہ ہیں:-

"کہ اس کے دورِ حکومت میں موسم عمدہ ہوتا ہے۔ سمندر خاموش رہتا ہے فصلیں خوب پھولتی ہیں۔ اور درخت پھلوں سے لدے ہوتے ہیں۔ اگر بادشاہ ظالم ہو تو ملک میں قحط، خشکی، پھلوں کی کمی اور اناج کی قلت ہو جاتی ہے۔"(۱۲)

بادشاہت کے اِرتقاء کے اس پس منظر میں جو عوامل تھے انہوں نے اس کی شخصیت کو رُوحانی اور دنیاوی دونوں لحاظ سے اعلیٰ و افضل بنا دیا اس کی ذات ایک دیوتا کی طرح ہو گئی۔ جس کے اعزاز میں مندر بنائے جاتے تھے اس کی پوجا کی جاتی تھی دیوتا سے خوش کرنے کے لئے اس کے نام پر قربانی کی جاتی تھی۔"(۱۳)

عقیدت کے اظہار کے طور پر اسے نذر، نیاز اور نذرانے پیش کئے جاتے تھے بادشاہ کی ذات کو اس قدر مقدس اور پاکیزہ خیال کیا جاتا تھا کہ اس کے خلاف سوچنا اور بغاوت کا خیال کرنا تک جرم سمجھا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی خواب میں بادشاہ کیخلاف بغاوت کر دے یا بادشاہ کو بُرا بھلا کہہ دے تو یہ بھی ایک بڑا جرم ہوتا تھا۔ مثلاً ایرانِ قدیم میں بہمن بادشاہ کے جنرل گِل شاسپ نے خود کو خواب میں بادشاہ کے خلاف بغاوت کرتے دیکھا۔ جب اس کے سپاہیوں کو اس خواب کا علم ہوا تو انہوں نے اسے قتل کر ڈالا ایک دوسرا واقعہ ہے کہ آئینِ موبد نے ایک بار خواب میں دیکھا کہ اس نے اردشیر بادشاہ کو برا بھلا کہا ہے تو اس نے اس جرم میں اپنی زبان خود کاٹ لی۔(۱۴)

بادشاہ کے اس الوہی نظریہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے جب ہم دربار کا تصوّر کرتے ہیں تو وہ ہمارے سامنے وہ تصویر پیش کرتا ہے جو کبھی دیوتا کی عبادت گاہ کی ہوتی ہے ایک وسیع و عریض ایوان جس کے آخری حصّہ میں نمایاں جگہ تخت پر بادشاہ جلوہ افروز ہوتا ہے ایسے جیسے کسی دیوی یا دیوتا کا بت کسی اونچے چبوترے پر رکھا ہوتا ہے۔ ایوان کی خاموشی، صفائی و پاکیزگی عود و لوبان کی خوش بُو ایک تقدس کی فضا کو پیدا کرتے ہیں درباری بادشاہ کی موجودگی میں خاموشی سے سینہ پر ہاتھ

رکھے کھڑے ہوتے ہیں جس کا مطلب اطاعت و فرماں برداری ہوا کرتا تھا۔ ایک اچھے عبادت گذار کی طرح یہ درباری اپنے بہتر لباس میں آتے تھے اور بادشاہ کے سامنے جھک کر، سجدہ کر کے یا اس کے ہاتھ پاؤں چوم کر اپنی عقیدت کا اظہار کرتے تھے

بادشاہ کے لیئے جو آداب مقرر تھے ان سے بھی بادشاہ کی الوہی حیثیت جھلکتی تھی مثلاً ہاتھ پاؤں اور اس کے جوتے کو چومنا، گھٹنوں کے بل جھکنا، سجدہ کرنا، اور اس کی موجودگی میں ہاتھ باندھ کر خاموشی سے کھڑے ہونا وغیرہ۔ قدیم ایران میں کسی کو یہ اختیار نہیں تھا کہ وہ بغیر اجازت کے بادشاہ کے قدم چومے کسی کو صرف جوتے چومنے کی اجازت ملتی تھی کسی کو شاہی لبادے کی آستین، جب کسی کو پاؤں یا تخت چومنے کی اجازت ملتی تو یہ بہت بڑے اعزاز کی بات ہوا کرتی تھی[۱۵]۔

ایران میں ساسانیوں کے عہد میں ان کا دربار عام طاقِ کسریٰ کے ایوان میں ہوتا تھا فرش پر نرم و دبیز قالین بچھے ہوتے تھے۔ دیواروں کے بعض حصوں پر بھی قالین لٹکائے جاتے تھے۔ باقی حصوں پر تصویریں ہوتی تھیں شاہی تخت ایوان کے آخر میں پردے کے پیچھے ہوتا تھا درباری مقررہ جگہ پر کھڑے ہوتے تھے امراء اور ممتاز لوگوں کے درمیان ایک جنگلہ حائل رہتا تھا۔ پھر اچانک پردہ اٹھتا تھا اور بادشاہ تخت پر دیبا کے تکیئے کے سہارے زرلبفت کا بیش بہا لباس پہنے جلوہ گر ہوتا تھا۔ ایوان کی چھت میں ۱۰ روشن دان تھے ان سے روشنی چھن چھن کر آتی تھی جس کے اثر سے درباری ہیبت زدہ ہو جاتے تھے۔

درباری دربار میں داخل ہوتے وقت اپنی آستین سے سفید رومال نکال کر منہ کے آگے باندھ لیتا تھا۔ تاکہ اس سے مقدس چیزیں ناپاک نہ ہوں یہ بادشاہ کے جلال کی وجہ سے بھی ہوتا تھا تخت کے قریب آکر وہ زمین پر گر پڑتا اور جب تک بادشاہ اٹھنے کی اجازت نہیں دیتا وہ اسی حالت میں پڑا رہتا تھا اٹھنے کے بعد انتہائی تعظیم سے سلام کرتا بات کرنے سے پہلے وہ ہمیشہ بادشاہ کیلئے دعائیہ جملے کہتا جیسے سدا سلامت رہو وغیرہ۔

دربار میں تین جماعتیں ہوتی تھیں :۔ اسوار اور شہزادے، یہ جماعت

پردے سے جو بادشاہ اور اس کے درباریوں کے درمیان حائل ہوتا تھا دس ہاتھ کے فاصلے پر کھڑی ہوتی تھی، اس سے دس ہاتھ اور پیچھے دوسری جماعت ہوتی تھی جس میں ندماء اور مصاحب ہوتے تھے اس سے دس ہاتھ پیچھے تیسری جماعت ہوتی تھی جس میں مسخرے، بھانڈ اور بازی گر ہوتے تھے دربار میں کسی نچلی ذات اور کم اصل مثلاً جولاہے یا حجام کے بیٹے کو داخل نہیں ہونے دیا جاتا تھا۔ خواہ وہ اپنے فن میں باکمال ہی کیوں نہ ہو اس کے علاوہ لولا لنگڑا اور معذور بھی دربار میں نہیں آسکتا تھا۔[16]

دربار میں بادشاہ کو سلام کرنے کے مختلف طریقے تھے مثلاً سیدھے ہاتھ کو پھیلا کر اور انگلیاں سیدھی کر کے آداب کرتے تھے (نازی سیلوٹ کی طرح)[17] ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ بادشاہ کے سامنے ہاتھ کی ہتھیلیوں کو بغل میں چھپا لیا جاتا تھا۔ یہ طریقہ "دست کش" کہلاتا تھا۔ اس سے یہ مقصد بھی تھا کہ بادشاہ پر کسی حملہ کا خطرہ نہ ہو[18] ایک اور طریقہ میں ہاتھ کی ہتھیلی کو منہ تک لے جاتے تھے یہ شائد خوف اور تعجب کے اظہار کی علامت تھا۔[19]

دربار کی یہ تمام رسومات اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ بادشاہ کی ذات کو مقدس سمجھا جاتا تھا۔ اور ان کے ذریعے درباریوں اور رعیت میں بادشاہ اپنی عزت و احترام اور عقیدت کے جذبات پیدا کرتا تھا تاکہ نفسیاتی طور پر عوام خود کو کمتر اور بادشاہ کو برتر سمجھیں اور اس سے وفاداری کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا مقصد جانیں۔

بادشاہ کی شخصیت کا تقدس ان رسومات کے ساتھ ان علامات سے بھی بڑھ جاتا تھا جو خاص طور پر بادشاہ کیلئے مخصوص تھیں ان میں سے سب سے اہم تخت تھا۔ دربار میں اونچی بلند اور ممتاز نشست بادشاہ کو دوسروں سے علیحدہ کرتی تھی اس پر بیٹھنے کا حق صرف بادشاہ کو ہوتا تھا اسی وجہ سے تخت بھی ایک مقدس علامت ہو گیا تھا جب بادشاہ تخت پر بیٹھتا تھا تو درباریوں کو اس کی موجودگی میں بیٹھنے کا حق نہیں ہوتا تھا وہ خاموشی سے آداب بجا لا کر اپنی مخصوص جگہوں پر کھڑے ہو جاتے تھے قدیم ہندوستان میں بادشاہ کی نشست کو سنگھاسن کہتے تھے جس کے معنی ہیں "شیر کی نشست"۔ کیونکہ ہندوستانی حکمران اپنے گدے پر شیر یا چیتے کی کھال بچھایا کرتے تھے، اس لیئے ان کی مخصوص نشست اس نام سے پکاری جانے لگی۔

دنیا کے مختلف ممالک میں بادشاہوں نے ہمیشہ اس بات کی کوشش کی کہ اپنے لیئے خوبصورت ہیرے جواہرات سے مزین سونے چاندی یا ہاتھی دانت کے تخت بنوائیں ۔ تاکہ ان کی شخصیت مزید پر رعب ہو۔

بادشاہ کی دوسری اہم علامت تاج کی تھی۔ جس کی ابتداء ایران سے ہوئی[٢٠] اور ان سے دوسری اقوام نے لیا قدیم فارسی میں تاج کیلئے کئی الفاظ استعمال ہوتے تھے جیسے " افسر" اف معنی اونچائی کے اور سر بمعنی سر کے چنانچہ " افسرور" تاجور کو کہتے تھے۔

" دیہیم" (DIADEM) اور تیار (TIARA) بھی تاج کیلئے استعمال ہوتے تھے ۔ ایران کے بادشاہوں نے اپنے لیئے خاص طور پر ایک تاج بنوایا تھا۔ جو ایک بڑے برتن کی مانند تھا جس میں یاقوت موتی اور عقیق سونے اور چاندی کیساتھ جڑے ہوئے تھے ۔ یہ تاج اسقدر بھاری تھا کہ بادشاہ کی گردن اس کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتی تھی اس لیئے یہ ترکیب نکالی گئی تھی کہ اسے سونے کی بہت باریک زنجیر کیساتھ چھت میں معلق کر دیا گیا تھا بادشاہ جب تخت پر بیٹھتا تو اپنا سر اس تاج میں ڈالتا جب اس کا سر اس میں داخل ہو جاتا تو پھر پردہ اٹھتا اور درباری اسے دیکھ کر خوف و احترام سے سجدے میں گر جاتے تھے[٢١] تاج کی اس اہمیت کے پیش نظر کہ اس سے ان کی شخصیت میں اضافہ ہوتا تھا ہر بادشاہ اپنے لیئے خوبصورت سے خوبصورت نئی طرز کے تاج بنواتے تھے جن میں ہیرے جواہرات اور قیمتی پتھر جڑے ہوتے تھے تخت و تاج کا تقدس عوام میں اسقدر سرایت کر چکا تھا کہ وہ عام طور پر اس کی قسم کھایا کرتے تھے ۔

شاہی قوت و طاقت کی تیسری علامت " عصا" تھا یہ اس پہلو کو ظاہر کرتا تھا کہ بادشاہ برائی فساد اور بغاوت کو دور کرنے کیلئے طاقت استعمال کر سکتا ہے ۔ رومیوں میں " لکڑی کا بنڈل" طاقت اور سزا کو ظاہر کرتا تھا قدیم ہندوستان میں حکومت اور انتظام حکمرانی کو چلانے کے اصول کو " ڈنڈ متی" کہتے تھے اس کے پس منظر میں یہ تصور تھا کہ انسان چونکہ فطرتاً خود غرض اور لڑائی جھگڑا کرنے والا ہے اس لیئے ضروری ہے کہ اسے طاقت اور سزا کے ذریعے قابو میں رکھا جائے تاکہ ملک میں امن و امان رہے ۔ مہابھارت میں اندرا دیوتا بادشاہ کو ڈنڈا دیتا ہے تاکہ وہ ایمانداری اور صلح پسندی کیساتھ حکومت کرے برطانیہ میں آج بھی

تاجپوشی کے موقع پر بادشاہ کو عصا دیا جاتا ہے۔ جو اس کی طاقت کو ظاہر کرتا ہے موجودہ دور میں فیلڈ مارشل کی چھڑی (BATON) بھی اس روایت کی غمازی کرتی ہے۔

بادشاہت کی چوتھی علامت انگوٹھی تھی جیسا کہ فرے (FRYE) نے خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ خدا اور بادشاہ کے درمیان معاہدہ کی ایک علامت تھی ہخا منشی اور ساسانی معبد کی دیواری تصاویر میں کئی جگہ دیوتا بادشاہ کو انگوٹھی دیتے دکھائی دیتے ہیں ایک تصویر میں اہرمزد کے ہاتھ میں انگوٹھی دکھائی گئی ہے۔ جو وہ بادشاہ کو دینے والا ہے[۳۲] انگوٹھی بادشاہ کی قوت اور اعتماد کو ظاہر کرتی تھی کیونکہ یہ دستخط کی بجائے استعمال ہوتی تھی اس لیئے بادشاہ جب اپنی انگوٹھی اپنے کسی وزیر یا عہدے دار کو دیتا تھا تو اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ اس نے اپنی طاقت اور خود مختاری کو اس کے حوالے کر دیا۔

ان علامات کے علاوہ، دوسرے ذرائع سے بھی بادشاہ اپنی شخصیت کو ابھارتا اور عوام میں اپنی ہیبت و عظمت قائم کرنے کی کوشش کرتا۔ ان ہی میں ایک علامت سکہ کی بھی تھی جو ہر بادشاہ اپنی تخت نشینی کے بعد جاری کرتا تھا جس پر اس کا نام، خطاب، سال جلوس اور کوئی مذہبی علامت درج ہوتی تھی۔ شروع ساسانی سکوں میں بادشاہ کے بالائی حصّے کی تصویر ہوتی تھی اور بادشاہ کا نام مع القاب کے درج ہوتا تھا پشت پر آتش گاہ ہوتی تھی اس وقت تک سکہ پر طغرا یا کوئی اور علامت نہیں ہوتی تھی[۳۳]

خطابات اختیار کرتے وقت اس بات کا خیال رکھا جاتا تھا کہ ایسے خطابات پسند کیئے جائیں جن سے بادشاہ کی مذہب سے محبت ظاہر ہو اور وہ خود کو مذہب کا حامی و امین ثابت کر سکے دوسری قسم میں وہ خطابات آتے تھے جن سے بادشاہ کا جلال طاقت و قوت اس کی سلطنت کی عظمت و وسعت اور ذاتی خوبیاں ظاہر ہوتی تھیں مثلاً ساسانی بادشاہوں کے خطابات تھے۔ وہرتر۔ ہزار رفت (ہزار خوبیوں والا) ہزار بندگ (ہزار غلاموں والا) اور تہم یزدگرد (قوی یزدگرد) وغیرہ[۳۴]

عام طور سے بادشاہ عوام کے سامنے بہت کم آتا تھا لیکن جب وہ رعیت کے سامنے آتا تھا تو ایسے موقعوں پر خاص اہتمام کیا جاتا تھا اس کا لباس انتہائی بیش قیمت

ہوتا تھا، اس کے اردگرد محافظ دستہ، اُمراء وزراء اور درباری ہوتے تھے اور اس کا جلوس بڑی شان وشوکت سے ساتھ نکلتا تھا تاکہ لوگوں میں اس کی طاقت اور قوت کا رعب بیٹھ جائے۔ بادشاہ کے خلاف بغاوت کرنے یا سازش کرنے والوں کے خلاف سخت سزاؤں کا رواج تھا تاکہ لوگ ان سزاؤں کو دیکھ کر یا سن کر عبرت حاصل کریں۔ یہ سزائیں عوام کے سامنے دی جاتی تھیں اور ان میں ہاتھ پیر کاٹنا، پھانسی پر لٹکانا، جانوروں کے آگے مجرموں اور باغیوں کو ڈالنا شامل تھا بعض اوقات لاشوں کو شہر کے چوراہوں پر لٹکا دیا جاتا اور بعض مقدمات میں مجرموں اور باغیوں کی تشہیر کرا کے انہیں سزا دی جاتی تھی۔ خاص بات یہ ہے کہ سخت سزائیں سیاسی باغیوں اور مجرموں کو دی جاتی تھیں تاکہ لوگوں میں سے بغاوت کے آثار بالکل ختم ہو جائیں

ہر بادشاہ اپنی رہائش کیلئے علیحدہ محل تعمیر کراتا تھا وہ قدیم محل میں رہنا پسند نہیں کرتا تھا۔ اس وجہ پرانا محل بغیر مرمّت اور دیکھ بھال کے چھوڑ دیا جاتا تھا۔ جس کی وجہ سے بوسیدہ اور ٹوٹی شاہی عمارتوں میں اضافہ ہوتا رہتا تھا ہر بادشاہ نیا محل اس لیئے تعمیر کراتا تھا کہ تاکہ اس کی حکومت کی ابتداء ہر نئی چیز سے ہو اور کسی پرانی چیز کا اس میں دخل نہ ہو۔

چونکہ روایت تھی کہ دربار میں ہر درباری بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتے وقت اسے نذر پیش کرے اور بادشاہ اس کے عوض اسے کوئی قیمتی تحفہ یا خلعت دے اس لیئے بادشاہ کیلئے ضروری تھا کہ اس کا خزانہ بھرا ہونا چاہیے تاکہ وہ درباریوں، سفیروں، عالموں اور شاعروں کو تحفے تحائف دیتا رہے اور وقتاً فوقتاً عوام میں اپنی سخاوت وفیاضی کا اظہار کرتے ہوئے غریبوں، اپاہجوں، یتیموں اور بیواؤں کو پیسے تقسیم کرتا رہے اس لیئے اس کے خزانے کو پر کرنے کیلئے جو ذرائع آمدنی تھے وہ ٹیکس، مالیہ، لگان، خراج، اور مالِ غنیمت و لوٹ مار کا مال ہوا کرتے تھے اس لیئے جسقدر اخراجات بڑھتے تھے اسی قدر ان ذرائع کو استعمال کیا جاتا اور ان کو مزید بڑھایا جاتا۔ بادشاہ کی شخصیت اس کی دیکھ بھال، اس کے محلات حرم، محافظ دستہ، مشغولیات، تقریبات، معمولات، اور اس کے کھیلوں پر زرِ کثیر خرچ

ہوتا تھا، جو شاہی خزانہ سے پورا کیا جاتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ بادشاہ کی شان و شوکت جاہ و جلال، عظمت و ہیبت اور دولت و طاقت میں اضافہ ہوتا رہتا تھا اور عوام و رعیت اسی قدر مفلس اور غریب ہوتی جاتی تھی، اور اسی قدر مظلوم و مجبور اور بے حس و لاچار بنتی جاتی تھی۔

اسلام اور نظریۂ بادشاہت

اسلام میں بادشاہت کے تصورات و نظریات شام و عراق اور ایران کی فتوحات کے بعد بازنطینی و ایرانی اثرات سے آئے۔ امیہ خلفاء نے اگرچہ اسلامی روایات اور جمہوری روح کو زندہ رکھا لیکن انہوں نے عملی طور پر حکومت چلانے کیلئے بہت سی بازنطینی روایات کو انتظامی اداروں اور درباری رسومات میں اختیار کیا۔[۲۵] بادشاہت کے نظریہ میں انقلابی تبدیلی "عباسی انقلاب" کے بعد آئی جو ایرانیوں کی مدد سے کامیاب ہوا تھا خاص طور پر مامون کے دور حکومت میں (۸۱۳ - ۸۳۳) جس کی ماں ایرانی النسل تھی اور جسکا وزیر ۸۱۸ء تک فضل بن سہل رہا جو ایرانی تھا اور مسلمان ہونے سے پہلے زرتشتی مذہب سے تعلق رکھتا تھا اس وجہ سے ایرانی اثرات عباسی دربار میں پھیلے اور ایرانی امراء کی وجہ سے بہت جلد مستحکم ہو گئے۔[۲۶] عباسی خلفاء نے اپنے دربار اور اس سے متعلقہ اداروں کی ترتیب و تنظیم، قدیم ایرانی روایات اور طرز پر کی۔[۲۷] اس کے رد عمل کے طور پر عباسی خلافت کے دوران دو جماعتوں میں نظریاتی جنگ ہوئی، جن میں سے ایک دستوری جماعت تھی، جس میں مذہبی علماء شامل تھے اور دوسری مطلق العنان جماعت تھی جس میں سرکاری افسر اور عہدے دار تھے۔ ان دونوں جماعتوں کے اراکین نے اس بات کی پوری پوری کوشش کی کہ خلافت و بادشاہت کے اداروں کو اپنے اپنے نظریات میں ڈھال لیں دستوری جماعت کی کوشش تھی کہ بادشاہ کی لامحدود طاقت کو کم کیا جائے اور اسے مجبور کیا جائے کہ وہ شریعت کی بالا دستی کو قبول کرے جبکہ مطلق العنان جماعت کی کوشش تھی کہ خلیفہ کو لامحدود طاقت اور اختیارات دیکر اسے مطلق حکمران بنا دیا جائے۔[۲۸] اس جدوجہد میں دونوں جماعتوں کو اپنی اپنی جگہ کامیابی ہوئی۔ ایک طرف تو اس اصول کو تسلیم کر لیا گیا کہ حکمران شریعت میں کسی بھی قسم کی تبدیلی کا مجاز نہیں لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کر لیا گیا کہ وہ انتظامی مسائل میں اپنی لامحدود طاقت کو استعمال کر سکتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان حکمران اگرچہ اپنی رعیت مطمئن کرنے کیلئے بار بار اسکا اعلان

کرتے رہے کہ وہ شریعت کی بالادستی کو قائم کریں گے اور اس سے روگردانی نہیں کریں گے
لیکن عملی طور پر یہ حکمران اپنی شخصیت اور حکومت کے استحکام اور انتظام سلطنت کو جہ دیتے
میں بالکل خود مختار رہے اور اس میں شریعت کے احکام کی قطعی پرواہ نہیں کی۔ عباسی خلافت
کے زوال کے دنوں میں جب خلافت کے مشرقی حصہ کے صوبائی عاملوں نے خود مختار حکومتیں
قائم کیں تو ان کے درباروں میں ایرانی روایات اور اداروں کا احیاء ہوا خاص طور سے سامانی زیاری
اور بویہ حکمران خاندانوں کے درباروں میں۔ یہ حکمران خاندان خود کو قدیم ایرانی شاھی خاندان سے
منسوب کرتے تھے"[29] خود کو ایرانی شاہی خاندان سے منسوب کرنا اور ایرانی نظریات و افکار کو زندہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان
کے لوگوں میں یہ قدیم اثرات کس قدر مضبوطی کے ساتھ قائم تھے اور وہ یہ عقیدہ رکھتے
تھے کہ یہ ایرانی شاھی خاندان کے افراد میں " شاھی نور" (فر) ہوتا ہے جو دوسرے
افراد کے مقابلہ میں بلند کر دیتا ہے[30] اس لیئے جب ایک بار سیاسی طاقت وقوت
ان کے پاس آئی تو انہوں نے شدت سے اس بات کی کوشش کی کہ ایرانی تصور بادشاہت
و ایرانی انتظامی ادارے اور ایرانی درباری رسومات کو دوبارہ سے ان خود مختار بادشاہوں
کے درباروں میں رواج دیا جائے اسی وجہ سے شاھی خطابات، آداب کی رسومات، جلوس،
انعامات دینے کا دستور، صدقہ و خیرات کی روایات بادشاہوں کی تعریف میں طویل نظمیں
(قصیدے) اور ان کے مرنے کے بعد یادگار کے طور پر عالیشان مقبروں کی تعمیر کی روایات
قائم ہوگئیں تاکہ ان بادشاہوں کی ہیبت وشان و شوکت لوگوں کے دل و دماغ پر چھا جائے"
یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسلام کی جمہوری اقدار میں اتنی قوت نہیں تھی کہ وہ ان
نظریات و افکار کی روک تھام کر سکتی؟ دراصل حکمران طبقہ جن بنیادوں پر ایک
مطلق العنانیت اور لا محدود طاقت کو برقرار و قائم رکھ سکتا تھا۔ اور جن ذرائع سے وہ
عوام پر حکومت کر سکتا تھا وہ ایرانی روایات و نظریات ہی ہو سکتے تھے کیونکہ
اسلام میں انہیں وہ افکار نہیں مل سکتے تھے جو ان کی ذاتی شخصیت اور ان کی ذاتی حکومت
کو مستحکم کرتے۔ اس لیئے ایک مطلق العنان بادشاہت، اس کے اقتدار اور اختیارات کیلئے
بہترین نمونہ ساسانی طرز حکومت تھا اور اسی لئے اسے اختیار کیا گیا۔ اگرچہ مسلمان فقہا میں اس

بات پر اختلاف رہا کہ ایرانی بادشاہت کس حد تک اسلامی ہے اور ملوکیت و بادشاہت کہاں تک اسلام سے قریب ہے؟ لیکن ایک مرتبہ جب مطلق العنان بادشاہت کا ادارہ مستحکم ہو گیا تو پھر ان فقہاء کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں تھی کہ وہ اس کا جواز تلاش کر کے اسے اسلامی بنائیں۔ چنانچہ سلجوقی وزیر نظام الملک نے "سیاست نامہ" میں بادشاہت کے جس نظریہ کو پیش کیا ہے اس کے تحت خدا ہر زمانہ میں کسی شخص کو منتخب کر کے اسے شاہانہ خصوصیات سے نوازتا ہے تاکہ وہ دنیا میں بندوں کی آسائش کا انتظام کرے۔ خدا اس کے ذریعے سے مصیبت و آفت کے دروازے بند کر کے اس کا رعب و دبدبہ قائم کرتا ہے تاکہ لوگ اس کے زیرِ سایہ عدل و انصاف کی زندگی بسر کر سکیں[۳۱]

ابن خلدون نے بھی بادشاہت کے ادارے کو اس وجہ سے جائز قرار دیا کہ چوں کہ انسان کی طبیعت میں ظلم و تعدّی کا مادہ ہے اس لیے وہ دوسروں کی حق تلفی کرتا ہے اس لیے لوگوں کو کشت و خون و قتل و غارت گری سے بچانے کیلئے بادشاہ کا ہونا ضروری ہے[۳۲]۔ یہ بادشاہ اپنی خود مختاری کی سند براہِ راست خدا سے لیتے تھے۔ اور خود کو اس دنیا میں خدا کا نائب اور "ظلِ اللہ" سمجھتے تھے بادشاہ کی اس اعلیٰ و ارفع حیثیت نے اس کی مطلق العنانیت کو صحیح و جائز قرار دیا۔ اور اس کے خلاف ہونے والی ہر بغاوت و مخالفت غیر قانونی قرار پائی اس نظریہ نے مساوات اور عوامی حقوق کے نظریہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیا اور معاشرے میں بادشاہ کی سیادت و سربراہی اور برتری قائم کر دی۔

ایک مرتبہ جب بادشاہ کی الوہیت کا تصور جڑ پکڑ گیا اور عوام کے ذہنوں میں یہ خیال راسخ ہو گیا کہ بادشاہ ظلِ الٰہی اور خدا کا نائب ہے تو پھر وہ تمام رسومات جائز قرار پائیں جن کے ذریعے سے بادشاہ کی حیثیت کو ارفع و اعلیٰ بنایا جاتا تھا اور عوام کو ذلیل کر کے ان میں احساس کمتری کو پیدا کیا جاتا تھا اس لیے بادشاہ کے سامنے سجدہ کرنا، گھٹنوں کے بل جھکنا اور اس کے ہاتھ پیر کو چومنا مسلمان حکمرانوں کے درباروں میں عام ہو گیا۔ دربار کی ان رسومات، طریقوں اور دستوروں کا یہ مقصد تھا کہ درباریوں اور رعیت میں اس بات کا احساس ہو کہ بادشاہ

مرتبہ، عہدے اور حیثیت میں سب سے عظیم اور بلند و بالا شخصیت ہے اس لئے اس کے سامنے جھکنا، سجدہ کرنا، زمین بوسی کرنا اس کی موجودگی میں خاموش کھڑے ہونا وہ نفسیاتی طریقے تھے جن کے ذریعہ سے درباریوں کی عزت خودداری اور انا کو کچلا جاتا تھا۔

ہلال الصابی نے عباسی دربار کا جو نقشہ کھینچا ہے اس سے دربار پر ایرانی رسومات اور ان کی گہرائی کا اندازہ ہوتا ہے جو عباسی حکمرانوں نے اختیار کی تھیں خلیفہ تخت پر جلوہ افروز ہوتا تھا۔ جب وہ دربار میں آتا تو درباری اظہارِ عقیدت اور احترام کے طور پر اس کا ہاتھ جوتے جو کپڑے سے ڈھکا ہوا ہوتا تھا۔ درباریوں کو اس بات کی اجازت نہیں ہوتی تھی کہ وہ بغیر اجازت کے کسی سے مخاطب ہوں یا گفتگو کریں۔ اگر خلیفہ کسی درباری سے کوئی سوال کرتا تو درباری کا یہ فرض تھا کہ وہ انتہائی آہستگی سے اس کا جواب دے کہ صرف خلیفہ اس کا جواب سن سکے۔ اگر کوئی اس کی خلاف ورزی کرتا اور زور سے بولتا تو اسے دربار سے باہر نکال دیا جاتا تھا۔ گفتگو کے دوران اس بات کا خیال رکھا جاتا تھا کہ دربار کے اپنے جسم کو حرکت نہ دیں۔ اور وقار کے ساتھ گفتگو کریں خلیفہ کی موجودگی میں درباریوں سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ خاموشی سے کھڑے رہیں اور اپنے ارد گرد نہیں دیکھیں ان کو اس بات کی بھی اجازت نہیں تھی کہ وہ اپنی مخصوص نشستوں سے کسی قسم کا اشارہ یا حرکت کریں۔ دربار کو چھوڑتے وقت ضروری تھا کہ وہ اپنی پشت خلیفہ کی طرف نہیں کرے دربار میں ہنسنا، کھانسنا، اور چھینکنا آداب کے خلاف تھا۔

عباسی خلیفہ کے دربار کی شان و شوکت کا مظاہرہ سنہ ۹۸۰ء میں فاطمی خلیفہ عزیز باللہ کے سفیر کی آمد کے موقع پر ہوا تمام درباری خاموشی سے ایوان میں صف بستہ تھے خلیفہ پردوں کے پیچھے روپوش تھا اس کے بعد پردے اٹھے تو درباریوں اور سفیر نے دیکھا کہ خلیفہ ایک اونچے بلند تخت پر ہزاروں حفاظتی دستہ کے سپاہیوں کے درمیان بیٹھا ہوا ہے اس کے سامنے صحیفہ عثمانؓ رکھا تھا۔ وہ رسول اللہؐ کا عبادہ اوڑھے تھا۔ اور اس کے ہاتھ میں رسول اللہؐ کا عصا تھا۔ رسول اللہؐ کی شمشیر کمر کے گرد باندھے ہوئے تھا خلیفہ کو اس حیثیت میں دیکھ کر مصری سفیر حیرانی و تعجب سے پکار اٹھا کہ یہ کیا ہے؟ کیا یہ

خدا ہے؟ (۳۴)

ایرانی درباری رسومات، تہواروں اور تقریبوں نے مسلمان حکمرانوں کے درباروں میں رنگینی چمک دمک اور زندگی پیدا کردی غیر اسلامی ایرانی تہوار جیسے نوروز (بہار کا تہوار) اور مہرجان (خزاں کا تہوار) بڑی شان و شوکت اور اہتمام سے منائے جانے لگے ایرانی بادشاہوں کی تقلید میں مسلمان حکمران بھی لمبے چوڑے اور پر وقار خطابات اختیار کرنے لگے حرم میں خوبصورت عورتیں جمع کرنے لگے جن کی حفاظت کیلئے خواجہ سرا حاصل کیئے جاتے تھے اپنے رہنے کیلئے عالیشان عمارات محلات اور قصور تعمیر کرائے مرنے کے بعد بھی ان کیلئے خوبصورت مقبرے بنے زندگی کی تمام آسائشیں حاصل کر کے ان سے لطف اندوز ہونے کا رجحان بڑھا ہے نوشی کی محفلیں، موسیقی و رقص، مصوری و شاعری اور علم نجوم کی سرپرستی کیگئی۔ درباریوں اور رعایا کے افراد کو انعام میں خلعت دیئے گئے بادشاہ اور اس کے درباری ریشمی اور سلک کا لباس استعمال کرنے لگے۔ جو سونے اور چاندی کے تاروں سے کڑھے ہوتے تھے اور جن میں قیمتی ہیرے جواہرات جڑے ہوتے تھے۔ سونے و چاندی کے برتنوں میں کھانا کھایا جانے لگا اسی طرح کھیلوں میں چوگان اور شطرنج مقبول ہوگئی اور ان تمام غیر اسلامی روایات اور طریقوں کو مسلمان حکمرانوں نے بڑے فخر کیساتھ اختیار کیا۔

ایرانی شاہی علامات، تخت، چتر، انگوٹھی، عصا اور نوبت بھی مسلمان حکمرانوں نے شاہی علامات کے طور پر اختیار کرلیں مسلمان حکمرانوں نے دربار کے ادارے کو اپنی شخصیت کو ابھارنے اور بڑھانے میں استعمال کیا دربار نے بادشاہ کو ایک مافوق الفطرت ہستی بنانے اور اسے ایک الوہی ذات میں تبدیل کرنے میں مدد کی یہ بھی ایک قدیم ایرانی روائیت تھی کہ بادشاہ وقتاً فوقتاً دربار منعقد کرتے رہتے تھے تاکہ لوگوں کی ان تک پہنچ ہو سکے اور وہ اپنی شکایات براہ راست بادشاہ کو بتا کر اس سے انصاف طلب کر سکیں (۳۵)

دربار کا لفظ 'در' و 'بار' سے نکلا ہے جس کا مطلب دروازہ پر حاضر ہونا

اسے بادشاہ کی زیارت کرنا ہے۔ بادشاہ کے محل کے دروازے کی بڑی اہمیت ہوتی تھی۔ کیوں کہ اس کا محل یا اس کی قیام گاہ سلطنت کے معاملات کا مرکز ہوتی تھی جہاں تمام فیصلے ہوا کرتے تھے اس لئے محل کا دروازہ شاہی علامت بن گیا تھا۔ عثمانی ترکوں میں "باب عالی" بادشاہ کی طاقت اور انتظامیہ کی علامت تھا۔ اور اس کی حفاظت کرنا باعثِ عزت تھا اس لئے بادشاہ کے مسلح دستے کا حفاظتی دستہ خاص خاص امراء کے خاندانوں سے لیا جاتا تھا دربار کے علاوہ دوسرا لفظ "درگاہ" کا بھی تھا جو بعد میں ہندوستان میں مزار کیلئے استعمال ہونے لگا۔ ترکوں میں "خان" کا دربار ایک بڑے خیمے میں ہوا کرتا تھا۔ جو "بارگاہ" کہلاتا تھا۔

نظام الملک نے سیاست نامہ میں دربار کی شان و شوکت سے جو آئین و قوانین مقرر کئے ہیں ان میں ایرانی اثرات کی گہری چھاپ نظر آتی ہے وہ بادشاہ کو مشورہ دیتا ہے کہ دربار کی ترتیب و تنظیم اور وقار کے لئے ضروری ہے کہ اس کے دربار میں دوسو ایسے افراد ہوں جو خوبرو اور خوش قد ہوں اور بہترین اسلحہ سے مزین ہوں۔ ان کے علاوہ چار ہزار پیادے ہوں دربار کی زیب و زینت کیلئے بہترین اسلحہ ہو بیس غلام اعلیٰ لباس پہن اور اسلحہ سے لیس ہو کر تخت کے ارد گرد کھڑے ہوں بادشاہ کے حضور میں آداب کیلئے سب سے پہلے اس کے رشتہ دار آئیں اس کے بعد امرا اور معززین سب سے آخر میں عام لوگ۔ کیونکہ اگر تمام لوگ ایک جگہ اکھٹے ہو گئے تو ان میں اعلیٰ اور ادنیٰ کی تمیز باقی نہیں رہے گی۔ باریابی کی علامت پردہ ہونا چاہیئے پردہ اٹھنے کا مطلب یہ ہے کہ بادشاہ کے ہاں باریابی ہو سکتی ہے۔ ورنہ نہیں بادشاہ امرا کو باریابی کا موقع ضرور دے ورنہ ان میں مایوسی پھیلے گی۔(۳۶)

ایرانی نظریہ بادشاہت شاہی علامت اور رسومات کو اختیار کرنے کے بعد اس کی حمایت میں جو دلائل دیئے گئے ہیں، ان میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ آئینِ جہاں بانی و جہاں داری ایک علیحدہ چیز ہے اور شریعت علیحدہ کیونکہ ایک مطلق العنان حکمران کیلئے یہ مشکل تھا کہ وہ شریعت کے مطابق حکومت کر سکے۔ اس مسئلہ پر عہدِ تغلق کے مشہور مؤرخ ضیاء الدین برنی نے جو روشنی ڈالی ہے اس سے اس عہد کے ذہن کی پوری پوری عکاسی ہوتی ہے برنی ایرانی روایات کو زمانہ کی ضرورت کے تحت جائز قرار دیتا

ہے تخت و تاج ، فخر و تکبر تعبہ کی بغیر مساوات ، درباری آداب ، عالیشان محل بادشاہ کو سجدہ کرنا خزانہ کا بھرنا مال و دولت کا غلط استعمال سونے کے زیورات پہننا جواہرات وریشمی کپڑوں کا استعمال مصلحتِ ریاست کی بناپر سزائے موت دینا حرم رکھنا اور فضول خرچی کرنا یہ سب مجبوراً جائز ہیں کیوں کہ جب خدا کسی کو بادشاہ بناتا ہے۔ تو اسے دوسرے افراد سے مقابلہ میں زیادہ اکرم اور طاقت دیتا ہے ۔ اس لیئے اخراجات کے معاملہ میں بادشاہ کی ناالضافی جائز ہے ۔ وہ اپنے اور اپنے درباریوں کیلئے جو دولت لیتا ہے وہ مزدوری ہے کیوں کہ بادشاہت اس وقت تک قائم نہیں رہ سکتی جب تک بادشاہ اور اس کے عہدے دار شان و شوکت سے نہیں رہتے ہوں ۔ اور اسی شان و شوکت کو اختیار کرکے مسلمان حکمران قرآن کی عظمت، اسلام کی برتری ، اور دینی احکام کا نفاذ کرتے ہیں (۳۴)

اسلام میں نظریہ بادشاہت کی بنیاد ایرانی بادشاہت کی روایات وافکار پرتھی انہی بنیادوں پر مسلمان حکمرانوں نے اپنی مطلق العنان بادشاہتوں کو قائم کیا اگرچہ انہوں نے خود کو شریعت سے برتر سمجھنے کا اعلان تو نہیں کیا ، لیکن عملی طور پر وہ حکومت و سلطنت کے تمام معاملات میں آزاد و خود مختار تھے اور جہاں ان کے ذاتی اقتدار میں شریعت آڑے آئی تو انہوں نے اسے پامال کرنے میں کبھی تامل نہیں کیا ۔

مغل نظریۂ بادشاہت

نظریاتی طور پر مغل بادشاہت کی بنیاد اس تصور پر تھی کہ بادشاہ شریعت سے بالاتر ہستی نہیں اس لیئے ایسے خطابات اختیار کرنا جن سے اظہار ہوتا تھا کہ وہ اسلام کا محافظ اس کا دفاع کرنے والا اور اسے قوت پہنچانے والا ہے لیکن سلطنت کے انتظامی معاملات اور آئین جہاں بانی و جہاں داری میں یہ بادشاہ لامحدود طاقت رکھتے تھے اور ان معاملات میں وہ شریعت کے قطعی پابند نہیں تھے۔ مغل بادشاہ خود کو ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کا محافظ سمجھتے تھے ۔

ابوالفضل (وفات ۱۶۰۲) نے مغل بادشاہت کے نظریہ کو فلسفیانہ

بنیادیں فراہم کیں اور بادشاہ کی ہستی کو مقدس اور محترم بنا کر پیش کیا۔ وہ لکھتا ہے کہ خدا کے نزدیک مرتبہ شاہی سے زیادہ بلند اور کوئی مقام نہیں ۔یا . سرکشوں کو زیر کرنا اور انسانوں کو صراطِ مستقیم پر چلانا صرف اسی کا کام ہے اگر شاہی جاہ و جلال کا وجود نہ ہوتا تو نہ تو دنیا فتنہ و فساد سے نجات حاصل کر سکتی تھی اور نہ ہی اس عالم سے خود غرضی و نفس پرستی کا قلع قمع ہو سکتا تھا۔ ابوالفضل بادشاہت کو خدا کا درخشاں نور قرار دیتا ہے اور اسے ایرانی نظریہ بادشاہت کی روشنی میں "فرِ ایزدی" یا "الوہیت کی روشنی" کہتا ہے۔ قدیم زمانہ میں اس مبارک روشنی کو "کیہان خدیو" کے نام سے یاد کرتے تھے مرتبہ شاہی بلا واسطہ خدا کی طرف سے کسی برگزیدہ شخصیت کو عطا ہوتا ہے اور اس پر اسی اعلیٰ مرتبہ کا . رکھا جاتا ہے جس کو دیکھ کر تمام بنی نوع انسان اس کے سامنے اپنا سرِ اطاعت جھکا دیتے ہیں۔

ابوالفضل بادشاہوں کو دو قسموں میں تقسیم کرتا ہے حقیقی و خود غرض حکمران اگرچہ ان دو قسم کے بادشاہوں میں فرق کرنا بڑا مشکل ہے کیونکہ دونوں حکمران بادشاہت کے ادارے اور شان و شوکت رکھتے ہیں، خزانہ، سپاہ، ملازمین، اور رعیت دونوں کے پاس یکساں طریقہ سے ہوتی ہے لیکن صاحبانِ بصیرت ان دونوں میں بخوبی فرق کر سکتے ہیں حقیقی حکمران ان نشانات عظمت کا فریفتہ نہیں ہوتا اور ان کو ظلم و ستم کے مٹانے اور جذبہ خیر پیدا کرنے میں استعمال کرتا ہے جس کی وجہ سے امن و امان، انصاف، پرہیزگاری و وفا شعاری کا بول بالا ہوتا ہے اور خدا کی برکات بنی نوع انسان پر بارش کی طرح برستی ہیں۔ برخلاف اس کے خود غرض اور مطلب پرست حکمران اسبابِ جاہ و جلال پر نازاں ہوتا ہے اپنی . ہری شان و شوکت پر فخر کر کے تکبر و غرور، خوشامد و چاپلوسی اور خود پرستی و خود غرضی کا شکار ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے بے اطمینانی، بے آرامی، فتنہ و فساد ظلم و ستم بے وفائی اور قزاقی کے دروازے کھل جاتے ہیں اس لیے ابوالفضل اس نتیجہ پر پہونچتا ہے کہ حقیقی حکمرانوں کے اعمال خدا کی جانب سے ہیں۔ لہٰذا رعایا پر فرض ہے کہ وہ ایسے حکمران کی اطاعت کرے اور اس کے احکام کی تعمیل و فرمانبرداری کرے۔ (۳۸)

ہندوستان میں ایرانی دربار کی رسومات اور انتظامی روایات غزنویوں کے ذریعے سے آئیں، جنہوں نے ان کو سامانیوں سے ورثہ میں پایا تھا سامانیوں نے دربار کا ڈھانچہ اور اس کے آئین و قواعد عباسیوں سے لیئے تھے عباسیوں نے اپنے دربار کو ساسانی نمونہ پر تشکیل دیا تھا؟(۳۹) مغل بادشاہوں نے ہندوستان میں ان روایات اور رسومات کو سلاطین دہلی سے وراثت میں پایا لیکن انہوں نے اس میں وسطِ ایشیا سے لائے ہوئے چنگیزی قوانین کو بھی شامل کر لیا۔ تورۂ چنگیزی پر مغل حکمرانوں کو ہمیشہ فخر رہا۔ معاصر ایرانی اثرات کو مغل دربار میں لانے والے ایرانی امرا تھے جو صفوی دورِ حکومت میں مغل دربار میں آئے جب راجپوت امرا مغل حکومت میں شامل ہوئے تو ان کے اثرات سے ثقافتی تبدیلیاں آئیں خصوصیت سے لباس اور تقریبوں میں ہندوستانی رسموں کا رواج ہوا۔ مغل دربار کی جن رسومات پر علماء و فقہاء نے اعتراض کیا ان میں سجدہ، زمین بوسی اور پابوسی تھیں۔ جب اکبر نے دربار میں سجدہ کی رسم شروع کی تو اس وقت علماء نے اسے غیر اسلامی کہہ کر اس پر احتجاج کیا کیونکہ اسلام کے عقیدے کے مُطابق مسلمان صرف خدا کے سامنے جھک سکتا ہے کسی انسان کے آگے نہیں۔ لیکن دربار کے کچھ علماء نے اسے صحیح قرار دیتے ہوئے یہ دلیل دی کہ یہ غیر اسلامی نہیں کیونکہ سجدہ صرف ادب و احترام کی علامت ہے ابوالفضل نے سجدہ کی رسم کی وضاحت کرتے ہوئے دلیل دی کہ اگرچہ ایک شخص ظاہر میں تو بادشاہ کو سجدہ کرتا ہے مگر درحقیقت یہ سجدہ بادشاہ کیلئے نہیں بلکہ خدا کیلئے ہوتا ہے۔(۴۰)

عالمگیر نے اپنی تخت نشینی کے بعد بہت سی ایرانی و ہندوستانی رسومات کو غیر اسلامی سمجھ کر دربار سے ختم کر دیا تھا۔(۴۱)

دوسرا باب

شاہی علامات

تخت، خطبہ میں بادشاہ کا نام پڑھا جانا، شاہانہ خطابات اختیار کرنا، نئے سکے جاری کرنا، شاہی مہر پر بادشاہ کا نام اور خطابات کندہ کروانا یہ ہندوستان میں مغل حکمرانوں کی شاہی علامات تھیں۔ ہر نیا بادشاہ بادشاہت کے اعلان کے بعد تخت پر جلوہ افروز ہوتا تھا۔ شان و شوکت والے خطابات اختیار کرتا تھا۔ اپنا نام خطبہ میں درج کراتا تھا۔ اپنے دورِ حکومت کے نئے سکے مضروب کراتا تھا شاہی مہر پر اپنا نام مع خطابات کے کندہ کراتا تھا۔ اور ایک فرمان جاری کرتا تھا جس میں اس کی بادشاہت کا اعلان ہوتا تھا۔ اگر تخت کے دعویدار ایک سے زیادہ ہوتے تھے تو سارے امیدواران شرائط کو پورا کر کے خود کو قانونی حکمران ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس صورت میں طاقت اور سیاسی جوڑ توڑ و سازشوں کے ذریعے کسی ایک امیدوار کے حق میں فیصلہ ہوتا تھا مغل تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

شاہجہاں (۱۶۲۸ – ۱۶۵۸) کی تخت نشینی میں آصف خان[۱] (وفات ۱۶۴۱) کے سیاسی تدبر کو دخل تھا۔ جس نے نامساعد حالات میں سیاسی جوڑ توڑ کر کے تخت و تاج کو شاہجہاں کیلئے حاصل کیا اس کے برعکس عالمگیر (۱۶۵۸-۱۷۰۷) نے تخت و تاج کو خانہ جنگی کے بعد اپنی فوجی طاقت کے بل بوتے پر دارا شکوہ (وفات ۱۶۵۹)[۲] کو شکست دیکر حاصل کیا۔

یہ دستور تھا کہ مملکت میں کوئی بھی شخص ان شاہی علامات کو نہ تو اختیار کر سکتا تھا اور نہ ان کا استعمال کر سکتا تھا، تخت پر بیٹھنا خصوصیت کے ساتھ شاہی استحقاق تھا۔ شہزادے صوبے کے گورنر کی حیثیت سے بعض اوقات تخت پر بیٹھ سکتے تھے لیکن ضروری تھا کہ ان کے تخت کی بلندی تین فٹ سے زیادہ نہ ہو لیکن خطبے میں صرف بادشاہ کا نام پڑھا جاتا تھا اسی طرح نیا سکہ جاری کرنا بھی صرف بادشاہ کا امتیاز تھا۔ اگر کوئی ان امتیازات میں دخل اندازی کرتا یا انہیں حاصل کرنے کی کوشش کرتا تو اس کا یہ اقدام بغاوت تصور کیا جاتا تھا۔ بادشاہ کی جانب سے علم اور جھنڈے شہزادوں اور امراء کو ان کی خدمات کے صلہ میں عطا کئے جاتے تھے مہر دار انگوٹھی یا شاہی مہر یا تو بادشاہ کے قبضہ میں رہتی تھی یا بادشاہ اسے حرم میں اپنی کسی معتمد بیگم کو دے دیتا اور بعض اوقات کسی خاص امیر کو بھی یہ خدمت دی جاتی تھی کہ وہ مہر کو اپنے پاس رکھے ان علامات کے علاوہ دوسرے شاہی امتیازات بھی تھے جن کو بادشاہ کے علاوہ اور کوئی اختیار نہیں کر سکتا تھا۔

تخت^(۴)

اسلامی تاریخ کے ابتدائی زمانہ میں مسجد کا ممبر حکومت کی علامت اور نشان ہوا کرتا تھا جس پر صرف خلیفہ کھڑا ہو سکتا تھا قدیم عرب میں ممبر قاضی کی نشست ہوا کرتا تھا جو عصاء ہاتھ میں لیکر ممبر پر چڑھتا تھا اور چڑھتے اور بیٹھتے وقت عصاء سیڑھیوں کو مارتا تھا (یہ رسم اب تک باقی ہے) رسول اللہؐ جب مدینہ ہجرت کر کے آئے تو آپؐ نے قاضی و خطیب کی حیثیت سے "ممبر اور عصاء" کو اپنایا۔ اس کے بعد تقریباً ۸ ہجری میں آپؐ نے دو سیڑھیوں کا ایک ممبر بنوایا خلفائے راشدین کے زمانے میں یہ ممبر حکمرانی کی نشانی تھا اس وقت تک دوسری مسجدوں میں ممبر نہیں ہوا کرتا تھا اور امام مصلّے پر سے خطبہ دیا کرتا تھا، جب عمرو بن العاصؓ نے مصر کی جامع مسجد میں ممبر بنوایا تو حضرت عمرؓ نے اسے تڑوا دیا اور سختی سے انہیں لکھا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم اوپر کھڑے ہو اور دوسرے مسلمان نیچے بیٹھے رہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت تک ممبر صرف مسلمان حکمران کیلئے مخصوص تھا اسی

لیئے حضرت معاویہؓ نے خلیفہ بننے کے بعد اس بات کی کوشش کی کہ رسول اللہؐ کے عصا کے ساتھ ساتھ آپؐ کا ممبر بھی مدینے سے دمشق لے آئیں حضرت معاویہؓ پہلے مسلمان حکمران تھے جنہوں نے تخت پر بیٹھنا شروع کیا اس کے بعد آہستہ آہستہ ممبر کی حیثیت ختم ہو گئی اور اس کی جگہ تخت نے لے لی۔ تخت ایک انتہائی اہم شاہی علامت بن گیا۔ اس پر بیٹھنے کا مطلب بادشاہت کا اعلان تھا۔ تخت کا مالک لوگوں کی نگاہوں میں جائز اور قانونی بادشاہ تسلیم کیا جاتا تھا کیونکہ تخت ایک بلند اور اعلیٰ نشست تھی جس پر کوئی اعلیٰ حیثیت کا فرد ہی بیٹھ سکتا تھا۔ یہ دستور تھا کہ نیا بادشاہ تخت نشیں ہوتے کے فوراً بعد اپنی بادشاہت کے اعلان کیلئے رسم تاجپوشی یا تخت نشینی بڑے اہتمام اور شان و شوکت سے مناتا تھا نیا بادشاہ اپنے موروثی حق کی بنا پر تخت نشین ہوا کرتا تھا۔ موروثی حق نہ ہونے کی صورت میں کوئی جواز تلاش کر لیا جاتا تھا۔ مسلمانوں میں یہ دستور تھا کہ تخت نشینی میں مذہبی جماعت کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا تھا جیساکہ عیسائیوں میں تھا۔ جہاں یہ رسم گرجا میں، مذہبی رہنما کی موجودگی میں ادا کی جاتی تھی۔

مغل تخت کی بلندی زمین سے تین فٹ ہوا کرتی تھی(۵) اس کے اوپر ایک سائبان ہوتا تھا جسے چار ستونوں سے سہارا دیا جاتا تھا۔(۶) جب بادشاہ تخت پر بیٹھتا تھا تو اس وقت سونے کے تاروں سے کڑھی ہوئی زربفت یا کم خواب کی چادر ڈال دی جاتی تھی۔ بادشاہ تخت پر یا تو آلتی پالتی مار کر بیٹھتا تھا یا پھر دوزانو(۷) شاہی اسلحہ جس میں تلوار، تیر اور تیر کمان ہوا کرتے تھے تخت سے ایک جانب رکھے ہوتے تھے(۸) مغل بادشاہوں کی تخت نشینی کیلئے کسی خاص قسم کے تخت نہیں ہوا کرتے تھے۔ سب سے عظیم مغل فرمانروا اکبر کی تخت نشینی اینٹوں سے بنے ہوئے ایک چبوترے پر ہوئی جو ۱۸ فٹ لمبا اور تین فٹ اونچا تھا۔

بادشاہ تمام تقریبات کے موقع پر خصوصی طور پر تخت پر جلوہ افروز ہوتا تھا۔ ہر روز یہ ایک خاص تخت دربار میں لایا جاتا تھا اسے اس کی مخصوص جگہ پر رکھا جاتا تھا نوروز، عیدین، جشنِ وزن اور ایسے دوسرے موقعوں پر علیحدہ سے تخت تیار کرائے جاتے تھے تاکہ ان تقریبات کی شان و شوکت میں اضافہ ہو۔

یہ بھی دستور تھا کہ ہر بادشاہ اپنی پسند اور مرضی کے مطابق اپنے دورِ حکومت میں مختلف تخت بنوایا کرتا تھا ان میں کچھ خالص سونے کے بنے ہوتے تھے جن میں قیمتی ہیرے وجواہرات جڑے ہوتے تھے جو اس کی خوبصورتی اور خوش نمائی میں اضافہ کرتے تھے۔ ان تختوں کی شکل اور ڈیزائن مختلف ہوا کرتے تھے۔ ابوالفضل لکھتا ہے کہ اورنگ یا تخت کئی قسم سے بنائے جاتے تھے بعض مرصع ہوتے تھے بعض سونے یا چاندی کے ان کے علاوہ مختلف قسم کے اور بھی تخت تیار ہوتے تھے [9] جب بادشاہ باہر نکلتا یا لمبے سفر پر جاتا تھا تو اس کیساتھ مختلف قسم کے شاہی تخت بھی ہوتے تھے [10]

بہت سے غیر ملکی سیاحوں نے جنہوں نے مغل دربار کی جھلکیاں دیکھیں تھیں یا جو کچھ عرصہ دربار میں رہے تھے انہوں نے انتہائی دلچسپی اور شوق کے ساتھ مغل بادشاہوں کے تخت کا مشاہدہ کیا اور ان پر اپنے تاثرات لکھے "دربار کے درمیان میں" ٹامس رو (۱۶۱۵۔۱۶۱۹) لکھتا ہے "صدف کا ایک تخت تھا جس کو دو ستونوں پر سطح زمین سے بلند رکھا گیا تھا اس پر شامیانہ تنا ہوا تھا ستونوں کے لٹو سونے کے بنے ہوئے تھے اور اس کے اوپر قالین پڑا ہوا تھا" [11] ایک دوسرے سیاح ٹیری نے آگرہ کے محل میں ایک تخت دیکھا جس میں خالص سونے کے بنے ہوئے چار شیر، اس کو سہارا دیے ہوئے تھے اور جس میں کثرت سے قیمتی اور مختلف رنگوں کے ہیرے اور جواہرات جڑے ہوئے تھے ایک خوبصورت سائبان جس کے ستون سونے کے تھے وہ اس پر سایہ کئے ہوئے تھا" [12]

ٹاورنیر جس نے مغل دربار میں ۱۶۶۵ سے ۱۶۶۷ تک قیام کیا تھا اور جو خود بھی ہیرے وجواہرات کا تاجر تھا۔ خصوصیت سے شاہی تخت کے بارے میں اپنے مشاہدات قلمبند کیا ہے۔ ایک مرتبہ اس نے ایک ہی جگہ پانچ شاہی تخت دیکھے جو کہ جواہرات سے ڈھکے ہوئے تھے" اور وہ اسطرح سے رکھے ہوئے تھے کہ ان کی شکل صلیب کیطرح بنتی ہے۔ "ایک دوسری جگہ پر وہ سات شاہی تخت دیکھتا ہے اور ان کے بارے میں لکھتا ہے" ان میں سے ایک مکمل طور پر جواہرات سے مزین ہے لعل و یاقوت، موتی زمرد اور دوسرے قیمتی پتھروں سے"، اسنے چھوٹے تخت بھی دیکھے ان میں سے ایک بیضوی شکل کا تھا۔

یہ ۷ فٹ لمبا اور ۵ فٹ چوڑا تھا یہ باہر سے تمام جواہرات سے مزین تھا۔ لیکن اس پر کوئی سائبان نہیں تھا۔ دوسرا سائبان کے ساتھ تھا۔ اوپر پشت پر گاؤ تکیے رکھے تھے اور پلنگ پوش پڑا ہوا تھا یہ تمام جواہرات سے مزین تھے (۳) منوچی نے شاہی تخت کے بارے میں جو تاثرات لکھے ہیں اور اس نے ان کی شکل اور آرائش و زیبائش بیان کی ہے اس میں وہ لکھتا ہے کہ شاہی تخت پر تین تکیئے ہوتے تھے ان میں سے ایک بڑا ہوتا تھا جس کے سہارے پشت سر کے بٹھایا جاتا تھا دوسرے دو مربع شکل کے ہوتے تھے اور دونوں جانب رکھے ہوتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ تخت پر خوبصورت چادر پڑی ہوتی تھی (۴) اوگل بی اور مانڈ یلسو نے بھی خالص سونے کے بنے ہوئے تختوں کا ذکر کیا ہے جن پر قیمتی ہیرے و جواہرات جڑے ہوتے تھے (۵)

مغلیہ شان و شوکت جاہ و جلال اور امارت کا اظہار تخت طاؤس (۱۶۳۵) میں کیا گیا تھا (۶) یہ تخت نہ صرف مغلیہ فن کے کمال کا اظہار تھا۔ بلکہ اس میں شہنشاہ کی شخصیت اس کی شخصیت کی جادو نگاری اس کا تزک و احتشام اور مغلیہ سلطنت کی بلندی و استحکام جھلکتا تھا۔ ساتھ ہی میں یہ تخت ہندوستان میں جوہری صنعت کا نادر نمونہ تھا اس کی خوبصورتی اور چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کر دیتی تھی۔ اور خصوصیت سے غیر ملکی سیاح اس کو دیکھ کر حیرانی و تعجب میں پڑ جاتے تھے۔ اس لیئے اکثر سیاحوں نے تخت طاؤس کے بارے میں اپنے تاثرات چھوڑے ہیں۔ تھیونا نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ تخت خالص سونے کا بنا ہوا تھا جس پر طاؤس کی شکل بنی ہوئی تھی اور ہندوستان بھر میں مشہور تھا کہا جاتا تھا کہ اس کی قیمت بیس ملین اشرفی تھی لیکن در اصل اس کی اصل قیمت سے کوئی واقف ہو سکتا تھا (۷) ٹاورنیر نے تخت طاؤس پر ایک تفصیلی رپورٹ مؤرخین کیلئے چھوڑی ہے اپنی دلچسپی اور معلومات کی بنا پر یہ اس قابل ہے کہ اس کا تذکرہ کیا جائے۔

"کہنا چاہیئے کہ یہ تقریباً ۶ فٹ لمبا اور ۴ فٹ وسیع ہے اس کو چار پایوں پر کھڑا کیا گیا ہے جو بہت ٹھوس ہیں اور ۲۰ سے ۲۵ انچ تک بلند ہیں ان چار پایوں کے ساتھ چار سلاخیں ہیں جو تخت کی بنیاد کو سہارا دیئے ہوئے

ہیں ان سلاخوں کے ساتھ ۱۲ ستون ہیں ..... پائے اور سلاخیں جو کہ ۸ اا پنچ سے زیادہ لمبی ہیں سونے سے ڈھکی ہوئی ہیں اور ان پر لا تعداد جواہرات موتی اور زمرد جڑے ہوئے ہیں ہر سلاخ کے بیچ ایک بڑا موتی ہے جو انتہائی خوبصورتی کے ساتھ کٹا ہوا ہے۔ اس کے گرد چار زمرد ہیں جو مل کر ایک چوکور کراس بناتے ہیں اس طرح ان سلاخوں کی چوڑائی کے ساتھ ساتھ اس قسم کے کراس ہیں اور انہیں اسطرح سے ترتیب دیا گیا ہے کہ ایک موتی کے درمیان میں ۴ زمرد ہیں۔ موتیوں اور زمرد کے درمیانی حصوں کو جواہرات سے ڈھکا گیا ہے ان میں بڑے سے بڑا ۱۰ سے ۱۲ قیراط وزن کا ہے یہ تمام پتھر خوبصورت ہیں لیکن بالکل سپاٹ اس کے علاوہ کچھ دوسرے حصوں میں موتیوں کو سونے سے جوڑا ہے۔ تخت کے سب سے چوڑے حصہ کے ساتھ چار سیڑھیاں ہیں جن پر چڑھ کر تخت کے اوپر جایا جاتا ہے۔ تخت پر تین تکیے ہیں ان میں سے جو بادشاہ کی پُشت پر رکھا ہے وہ سب سے بڑا اور گول ہے جیسا کہ ہمارے تکیے ہوتے ہیں دو تکیہ جو دونوں جانب رکھے ہیں وہ بالکل سادہ ہیں اس کے علاوہ ایک ملواہ ایک گرز ایک چوکور ڈھال اور تیر کمان و ترکش تخت کے قریب رکھے ہوئے ہیں[۱۸]

ٹاورنیر نے خصوصیت سے تختِ طاؤس میں جڑے ہوئے قیمتی پتھر اور جواہرات کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے؛

میں نے تخت میں جڑے ہوئے بڑے اور قیمتی موتیوں کو گنا تو ان کی تعداد تقریباً ۱۰۸ تھی یہ سارے کے سارے خوبصورتی سے تراشے ہوئے تھے ان میں چھوٹے سے چھوٹا وزن میں ۱۰۰ قیراط یا اس سے زیادہ ہوگا۔ جہاں تک زمردوں کا تعلق ہے ان میں کثیر تعداد میں اچھے رنگ والے تھے لیکن ساتھ ہی ان میں بہت سی خرابیاں بھی تھیں۔ ان میں سے سب سے بڑا وزن میں ۶۰ قیراط ہوگا۔ اور سب سے چھوٹا ۳۰ قیراط میں نے انہیں شمار کیا تو ۱۱۶ تک اتھیں

گنا میرا خیال ہے کہ اسطرح تخت میں موتیوں سے زیادہ زمرّد ہیں"[۱۹]
اس مشاہدہ کے بعد جب اس نے تخت کی قیمت کا اندازہ لگایا تو ۱۰۷،۰۰۰،۰۰۰
روپیہ تھی۔[۲۰]

رسمِ تخت نشینی

بادشاہ کے مرنے کے بعد ہفتہ یا کچھ دن اس کا سوگ منایا جاتا تھا اس کے فوراً بعد نیا حکمران اپنی تخت نشینی کی رسم ادا کرتا تھا تخت نشینی میں جلدی اس وجہ سے کی جاتی تھی کہ شاہی تخت خالی نہ رہے تاکہ کوئی دوسرا اُمیدوار اس کے حصول کی کوشش نہ شروع کر دے کیوں کہ بغیر بادشاہ کے ملک میں کسی قسم کا امن و امان برقرار نہیں رہ سکتا تھا۔ اور بادشاہ کی غیر موجودگی میں ہر شخص خود کو غیر محفوظ سمجھتا تھا اور اس بات کا بھی خطرہ رہتا تھا کہ ملک میں انتشار اور بدامنی نہ پھیل جائے اس وجہ سے اگر تخت کا جائز امیدوار دارالحکومت سے دور ہوتا تھا یا اس کی تخت نشینی میں دوسری رکاوٹیں حائل ہوتی تھیں تو اس صورت میں بادشاہ کی وفات کی خبر فوراً عام نہیں کی جاتی تھی۔ بلکہ اسے اس وقت تک پوشیدہ رکھا جاتا تھا جب تک کہ کوئی تخت پر نہیں بیٹھ جائے۔

بابر کی وفات کی خبر کا اعلان اسوقت تک نہیں کیا گیا تھا۔ جب تک ہمایوں اپنی سنبھل کی جاگیر سے دارالحکومت نہیں پہنچ گیا۔[۲۱] جب ہمایوں کی وفات ایک حادثہ میں ہوئی تو اس وقت اکبر دارالسلطنت میں موجود نہیں تھا اور اس کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ پنجاب سے سرعت و تیزی کیساتھ آسکے، اس وجہ سے بادشاہ کی وفات کا فوری طور پر کوئی اعلان نہیں کیا گیا بلکہ لوگوں میں اطمینان اور یقین پیدا کرنے کیلئے یہ ترکیب سوچی گئی کہ ایک شخص کو ہمایوں کا لباس پہنا کر لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ انہیں یقین ہو جائے کہ بادشاہ نہ صرف زندہ ہے بلکہ صحت مند بھی ہے یہ ترکیب بتانے والا، امیر البحر سیدی علی رئیس[۲۲] (وفات ۱۵۶۲ء) تھا جو اسی زمانہ میں ترکی سے ہمایوں کے دربار میں آیا تھا اس وقفہ کے دوران یہ خبر تیزی سے اکبر تک پہنچائی گئی جس نے فوراً ہی کلانور کے مقام پر اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔[۲۳]

نیا حکمران تخت نشینی کے موقع پر امراء، علماء اور شاہی خاندان کے افراد کے

سامنے تخت پر بیٹھتا تھا۔ خراج دینے والے حکمرانوں یا ماتحت فرماں رواؤں کیلئے ضروری نہیں تھا کہ وہ اس موقع پر حاضر ہوں۔ اگر تخت کے امیدوار ایک کے علاوہ کئی ہوتے تھے تو ہر امیدوار اس بات کی کوشش کرتا تھا کہ زیادہ سے زیادہ امراء کی حمایت حاصل کرے کیونکہ اصل میں فوجی طاقت انہی امراء کے پاس ہوا کرتی تھی۔ جہانگیر، شاہ جہاں اور عالمگیر کی تخت نشینی میں مغل دربار کی مختلف امراء کی جماعتوں نے حصہ لیا اور یہ تینوں بادشاہ طاقت ور امراء کی حمایت کے نتیجے میں تخت پر بیٹھے تھے۔

تخت نشینی کی رسم کہیں بھی اور کسی بھی جگہ منعقد ہو سکتی تھی اگرچہ عام طور سے یہ دارالحکومت ہی میں ہوا کرتی تھی۔ اکبر کے سلسلہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ جب اس کی تخت نشینی کا سوال آیا تو وہ دارالحکومت سے بہت دُور تھا اور اس کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ جلد وہاں پہونچ جائے اس وجہ سے یہ فیصلہ ہوا کہ اس کی تخت نشینی کی رسم اسی جگہ ادا کر دی جائے جہاں وہ اس وقت مقیم تھا اگرچہ یہ رسم اس وقت بہت ہی سادگی اور خاموشی سے ادا کی گئی لیکن اس سے مقصد پورا ہو گیا۔ اور فوراً ہی اکبر کی بادشاہت کا اعلان کر دیا گیا جس نے نہ صرف دوسرے اُمیدواروں کے حوصلے پست کر دیئے بلکہ مغل امراء میں بھی یقین و اعتماد کو پیدا کر دیا اور مغل حکومت کو ہندوستان میں قدم جمانے کا موقع مل گیا۔

تخت نشینی کے موقع پر دربار اور شاہی محل کو خاص طور سے سجایا جاتا تھا اس موقع پر شاعر اپنے نئے کہے ہوئے قصیدے پڑھتے تھے اور رات میں لوگوں کی تفریح کیلئے آتش بازی کے مظاہرے ہوتے تھے اس خوشی میں دعوتیں ہوتی تھیں اور لوگوں میں کھانا تقسیم ہوتا تھا جو تخت نشینی کے موقعے پر جمع ہو جایا کرتے تھے نیا بادشاہ اپنی زندگی کے اس یادگار دن پر امراء و عوام میں اپنی حمایت حاصل کرنے کے خیال سے امراء کو نئے خطابات دیتا تھا۔ خلعتیں تقسیم کرتا تھا اور جاگیر عطاء کیا کرتا تھا جو امرا اس کی نظر میں لائق ہوتے تھے یا جنہوں نے اس کی حمایت و مدد کی ہوتی تھی یا جن کی مدد وہ چاہتا تھا ایسے امراء کو ترقی دی جاتی تھی اس موقعے پر نیا بادشاہ اکثر اپنے وزیر اور عہدے دار منتخب کرتا تھا بعض اوقات امراء اپنے عہدوں پر اسی طرح رہنے دیئے جاتے تھے اور بعض اوقات

ان میں تبدیلی کی جاتی تھی۔ اس موقعے کو مزید پُر مسرت بنانے کے لیئے نیا بادشاہ اپنے خاندان کے اراکین اور افراد میں قیمتی تحفے تقسیم کیا کرتا تھا اسی طرح سے امراء اور باج گذار راجہ اپنے وکیلوں کے توسط سے اس موقع پر بادشاہ کو "پیش کش" پیش کرتے تھے[۲۴]

مغل بادشاہوں کی رسمِ تختِ نشینی کی شان و شوکت اور جاہ و جلال کی جھلکیاں دیکھنے کی غرض سے ہم یہاں شاہجہاں اور عالمگیر کی تخت نشینی کی رسومات کا ذکر کریں گے۔

شاہجہاں دربار کے نجومیوں کے مقرر کردہ وقت کے مطابق جو ساڑھے تین گھڑی سورج نکلنے کے بعد تھا تخت نشیں ہُوا[۲۵] تختِ نشینی کی یہ رسم دیوانِ عام میں منعقد ہوئی اس موقع پر جو افراد حاضر تھے انہوں نے بادشاہ کی خدمت میں "نذر" پیش کی[۲۶] جو کہ دارالحکومت کے عوام میں تقسیم کردی گئی رسم کے بعد راگ رنگ کی محفل منعقد ہوئی جس میں ممتاز گویوں موسیقاروں اور رقاصاؤں نے اپنے اپنے کمالات دکھائے دربار کے شاعروں نے اپنے اپنے قصیدے جو اس موقع پر کہے گئے تاریخی قطعے سنائے خوشی کی اس محفل کے خاتمہ کے بعد انعامات و تحائف دینے کا سلسلہ شروع ہُوا اور امراء، سادات، شعراء، موسیقار اور نجومیوں کو فیاضی سے ساتھ انعامات دیئے گئے۔ ممتاز محل[۲۷] نے سونے کے بھرے تشت "نثار"[۲۸] کے لئے حرم سے بھیجے جب بادشاہ حرم میں گیا تو حرم کی عورتوں نے اس کی آمد پر خوشی و مسّرت کا اظہار کیا ممتاز محل نے نثار کے طور پر سونا و چاندی بادشاہ پر نچھاور کیا اور بادشاہ کو پیش کش کے طور پر قیمتی ہیرے و جواہرات دیئے۔ دوسری خواتین نے اپنے رتبہ کے مطابق بادشاہ کو تحفے دیئے بادشاہ نے اس کے بدلہ میں شاہی خاندان کے اراکین کو تحائف دیئے، ممتاز محل کو ۲ لاکھ اشرفیاں اور ۶ لاکھ روپیہ اور جہاں آرا[۲۹] کو ایک لاکھ اشرفیاں اور ۴ لاکھ روپے دیئے۔ ممتاز محل کو ۶ لاکھ روپے دیئے تاکہ وہ انہیں اپنی اولاد میں تقسیم کرے۔ شہزادوں کیلئے روزینہ مقرر ہوئے دارا شکوہ کے ایک ہزار روپیہ شاہ شجاع[۳۰] کیلئے سات سو پچاس روپے اورنگ زیب کے پانچ سو روپے اور مراد[۳۱] کے دو سو پچاس روپیہ مقرر ہوئے۔ امراء کو بھی خطابات اور انعامات دیئے گئے مہابت خاں[۳۲] کو خانِ خاناں کا خطاب دیا گیا۔ اور اسے ترقی دے کر میر بخشی[۳۳] بنایا گیا۔ اُس کو انعام کے طور پر ایک لاکھ روپے دیئے گئے وزیر خاں کو پنج ہزاری[۳۴] کے منصب پر ترقی دی

گئی اور ایک لاکھ روپیہ انعام میں دیا گیا۔ اس کے علاوہ کافی تعداد میں امراء کو ترقی دی گئی اور انعامات سے نوازا گیا تخت نشینی کی رسومات ۲۲ دن تک چلیں یہاں تک کہ آصف خاں لاہور سے تینوں شہزادے داراشکوہ، شاہ شجاع اور اورنگ زیب کے ہمراہ دارالحکومت پہنچ گیا اس کی خدمات کے پیش نظر جو اس نے شاہجہاں کی تخت نشینی کیلئے کیں تھیں اس کو یہ اعزاز بخشا گیا کہ وہ جھروکہ میں داخل ہو اور بادشاہ کے قدموں کو چومے اسے وکیل السلطنت[۳۵] کے عہدے پر مقرر کیا گیا، اور ممتاز محل کی درخواست پر "مہر والی انگوٹھی" اسے تفویض ہوئی جو امراء آصف خاں کے ہمراہ آئے تھے انہیں بھی ان کی خدمات کے پیش نظر انعامات دیئے گئے۔[۳۶]

عالمگیر کی تخت نشینی کی رسومات دوسرے مغل حکمرانوں کے مقابلے میں زیادہ تزک و احتشام اور شان و شوکت کے ساتھ منائی گئیں۔[۳۷] یہ وہ وقت تھا جب مغل سلطنت اپنے عروج پر تھی لہٰذا تخت نشینی کے موقع پر ایوان چہل ستون اور دیوانِ عام کو سجایا گیا۔ وسط میں ایک چوکور جگہ منتخب کی گئی جہاں پر تخت طاؤس کو جس کے اردگرد سنہری کٹہرا تھا لاکر رکھا گیا تخت کے دونوں جانب ہیرے و جواہرات سے مزین چھتر تھے اور دو سونے کے تخت ان کے ساتھ رکھے ہوئے تھے ان کی پشت پر ایک سونے کی کرسی تھی جس پر شاہی قورر[۳۸] رکھا تھا جس میں بادشاہ کے ذاتی ہتھیار تھے تلواریں ڈھالیں اور نیزے وغیرہ، اس موقع پر غسل خانہ[۳۹] کو خصوصی طور پر سجایا گیا تھا، اور ایوان کے صحن میں چھوٹے چھوٹے رنگ برنگے شامیانے لگائے گئے تھے جبکہ فرش پر کرمان کے خوبصورت اور دبیز قالین بچھائے گئے تھے۔[۴۰]

اس کے بعد انعامات و تحائف دینے کا سلسلہ شروع ہوا۔ روشن آرا[۴۱] کو ۵ لاکھ روپیہ زیب النساء[۴۲] کو چار لاکھ روپیہ اور بدر النساء[۴۳] کو ایک لاکھ چھ ہزار روپے دیئے گئے، شہزادوں کو بھی ان کا حصہ فیاضانہ طور پر ملا سلطان محمد[۴۴] کو تین لاکھ روپیہ محمد معظم[۴۵] کو دو لاکھ روپیہ محمد اعظم[۴۶] کو دو لاکھ روپیہ اور محمد اکبر[۴۷] کو ایک لاکھ روپیہ عطا ہوئے۔[۴۸]

اگر تخت نشینی کے وقت سفیر دربار میں موجود ہوتے تھے تو اس خوشی کے موقع پر بادشاہ کو "جو کچھ بھی ان کے ملکوں میں نادر اشیاء ہوتی تھیں" وہ تحفہ میں دیا کرتے تھے[۴۹] عالمگیر کی تخت نشینی کے موقع پر جو باہر کے ملکوں کے سفیر موجود تھے ان میں" ازبک خان، شریف مکہ، یمن اور حبش کے بادشاہوں کے نمائندے تھے۔[۵۰]

تخت نشینی صرف دارالحکومت ہی میں نہیں بلکہ پورے سلطنت کے ہر صوبے میں منائی جاتی تھی[۵۱]
تخت نشینی کے فوراً بعد ایک فرمان تمام صوبوں ہمسایہ اور دوست ملکوں کو بھیجا جاتا تھا جس میں نئے بادشاہ کی بادشاہت کا اعلان ہوتا تھا[۵۲] اس قسم کے فرمان "مہر والی انگوٹھی" سے مہر کئے جاتے تھے اور تمام سلطنت میں انہیں عوام کے سامنے پڑھا جاتا تھا[۵۳]

تخت نشینی کے وقت نیا بادشاہ اہم فرمان جاری کیا کرتا تھا جن میں انتظامی تبدیلیوں کا اعلان اور اہم اصلاحات ہوا کرتی تھیں تاکہ اس ذریعے سے وہ اپنی رعیت میں اعتماد پیدا کر سکے اس قسم کے فرمان ہمیشہ بادشاہ کی مقبولیت میں اضافہ کیا کرتے تھے خاص طور سے ایسے قوانین کی منسوخی جو عوام میں مقبول نہیں ہوتے تھے نئے دورِ حکومت کیلئے نیک شگون سمجھے جاتے تھے اسی طرح اچھی اصلاحات اور انتظامی تبدیلیاں بادشاہ کی تخت نشینی کو عوام کے ذہنوں میں ہمیشہ کیلئے اچھے خیالات کیساتھ بٹھا دیتی تھیں مثلاً جہانگیر نے اپنی تخت نشینی کے موقعہ پر ۱۲ احکامات جاری کئے تھے جن کے ذریعے سماجی سیاسی اور قانونی اصلاحات کا اعلان کیا گیا تھا[۵۴] شاہجہاں نے پہلا حکم جو جاری کیا تھا ۔ اس نے تخت سجدہ کی رسم کو منسوخ کر دیا جو کہ علماء اور عوام میں غیر اسلامی ہونے کے سبب مقبول نہیں تھی[۵۵] اس کے اس حکم کی وجہ سے وہ دربار میں مذہبی امراء کے طبقہ میں اور پورے ملک کے مسلمان عوام میں مقبول ہو گیا عالمگیر نے اپنی تخت نشینی کے بعد جو احکامات جاری کئے ان میں ایک یہ تھا کہ آئندہ سے کلمہ سکوں پر ضرب نہیں کرایا جائے گا کیونکہ یہ سکے مسلمانوں اور کافروں دونوں کے ہاتھوں میں جاتے ہیں[۵۶] اس نے سرکاری دفاتر میں ہجری سال کو شروع کرایا[۵۷] نوروز کا تہوار ختم کرایا اور منشیات کے کاروبار پر پابندیاں عائد کیں[۵۸]

خُطبہ

خلفائے راشدین امیہ و عباسی دور کی ابتداء تک یہ دستور تھا کہ خلیفہ اپنے تقرر کے بعد دو قسم کا خطبہ دیا کرتا تھا پہلا خطبہ در اصل ایک قسم کا افتتاحیہ اعلان ہوتا تھا جس میں نیا خلیفہ حکومت کے بارے میں اپنے خیالات اور مستقبل کیلئے اپنی پالیسی کا اعلان کرتا تھا اور دوسرا خطبہ جو نماز سے پہلے ہوتا تھا خالص مذہبی قسم کا ہوتا تھا اس ابتدائی دور میں

قطعی یہ رواج نہیں تھا کہ خطبہ میں حکمران کا نام اس کے خطابات اور اس کے بارے میں دعائیہ الفاظ استعمال ہوں پہلے خطبہ کی سب سے اچھی مثال حضرت ابوبکر (۶۳۲ – ۶۳۴ء) کی ہے جنھوں نے اپنے الکشن کے بعد افتتاحیہ خطبہ دیا اور اس میں عہد کیا کہ وہ قرآن و سنت پر عمل کریں گے یہ رواج آپ کے بعد آپ کے جانشینوں نے بھی اختیار کی اور اُمیّہ دورِ حکومت میں بھی خلفاء اپنی خلافت پانے کے بعد افتتاحیہ خطبہ میں اپنی حکومت کی پالیسی کا اعلان عوام کے سامنے کیا کرتے تھے لیکن جب عباسی خلفاء نے مطلق العنان بادشاہت کی روایات کو اختیار کرنا شروع کیا تو اس روایت کا بھی خاتمہ ہوگیا۔

خطبہ میں خلیفہ کا نام پہلی مرتبہ، جیسا کہ ابنِ خلدون، نے لکھا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے لیا تھا، انہوں نے جب کہ وہ بصرے کے گورنر تھے، جمعہ کے خطبہ میں حضرت علیؓ کا نام حکمران کیلئے دعائیہ کلمات شامل کیئے تھے لیکن خطبہ میں باقاعدہ حکمران کا نام عباسی خلیفہ امین کے زمانہ سے لیا گیا اور اس کے بعد سے خطبہ ایک شاہی علامت بن گیا کہ جس میں ہر جمعہ و عیدین کی نماز میں حاکمِ وقت کا نام مع اس کے خطابات کے تمام سلطنت کی مسجدوں میں لیا جاتا تھا(۴۰)

جب تک عباسی حکمران سیاسی طور پر طاقت ور رہے تمام اسلامی دنیا میں ان کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا لیکن ان کی سیاسی طاقت کے زوال اور صوبائی گورنروں کی خود مختاری کے ساتھ صورتِ حال بدلتی گئی۔ اس زمانے میں جب کسی کو صوبائی خود مختاری دی جاتی تھی تو خلیفہ اس کو سند دیتے وقت یہ عہد لیتا تھا کہ خطبہ میں پہلے اس کا نام پڑھا جائے پھر حکمران کا۔ اس کا مقصد تھا کہ کم از کم نظریاتی طور پر خلیفہ کی سیاسی برتری کو تسلیم کر کے اسکا خطبہ کے ذریعے برابر اعلان ہوتا رہے اور یہ مقامی حکمران خود کو خلیفہ کا ماتحت سمجھتے رہیں اس پر اس وقت تک عمل ہوتا رہا جب تک عباسی خلیفہ بغداد میں آزاد تھے لیکن جب اہلِ بویہ نے ۹۴۵ میں بغداد پر قبضہ کر کے خلیفہ کو اپنے زیرِ اثر لے لیا تو اس سے دوسرے مسلمان حکمران سیاسی پریشانی کا شکار ہو گئے۔ کیوں کہ اب اگر خلیفہ کو سیاسی طور پر برتر تسلیم کیا جاتا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ اہلِ بویہ کی سیاسی طاقت کو مانا جاتا اور یہ بہت سے مسلمان حکمرانوں کیلئے سیاسی اور مذہبی بنیادوں پر نفرت کا باعث تھا لہٰذا سامانی حکمرانوں نے جو اہل بویہ کے سیاسی رقیب بھی تھے ان بنیادوں پر مطیع

(۹۳۲ - ۹۶۶) کی خلافت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا لیکن انہوں نے دربارِ خلافت یا خلافت کے ادارے سے اپنے تعلقات کو قائم رکھنے کا ایک اور ذریعہ دریافت کر لیا کیوں کہ یہ حکمران اپنی اپنی حکومت کے قانونی و مذہبی جواز کیلئے کسی نہ کسی صورت میں خلافت سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور رکھنا تھا۔ اس لیئے انہوں نے خطبہ میں خلیفہ مکتفی (۹۴۵ – ۹۴۶) کا نام جاری رکھا جسے آل بویہ نے معزول کر دیا تھا اور خلیفہ نہیں رہا تھا اسی طرح اس کا نام سکوں پر بھی مضروب کراتے رہے بلکہ اس کی وفات (۹۴۹) کے بعد بھی سامانی سلطنت میں مکتفی کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا اور اسی کا نام سکوں پر مضروب ہوتا تھا۔ اس سے دوسرے مسلمان حکمرانوں کو بھی مدد ملی اگر وہ سیاسی یا ذاتی بنا پر موجودہ خلیفہ کو تسلیم نہیں کرنا چاہتے تھے تو وفات شدہ خلیفہ کا نام خطبہ میں پڑھواتے اور سکوں پر وضع کراتے تھے اور اسطرح خلافت سے اپنی وفاداری اپنی رعایا پر ظاہر کرتے تھے۔

جب منگولوں نے اسلام قبول کیا تو خطبہ کے تصور میں ایک نئی تبدیلی آئی یہ خود کو سیاسی طور پر طاقت ور و برتر سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے مصر میں قائم شدہ عباسی خلافت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جو در حقیقت مملوک حکمرانوں کے زیر سایہ تھی۔ (۱۲۵۰ء – ۱۵۱۷) لیکن اپنی حکومت کو قانونی جواز دینے کیلئے انہوں نے خلفائے راشدین کے نام خطبہ میں پڑھنا شروع کر دیئے یہ اس صورت میں کہ اگر وہ سنی مسلک کے ہوتے تھے لیکن اگر شیعہ مسلک کے ہوتے تھے تو پھر ۱۲ اماموں کے نام خطبہ میں پڑھے جاتے تھے[۴۱]

مغل بادشاہوں نے خطبہ کی ان روایات کو اپنے سابقین سے وراثت میں پایا اور انہی کو انہوں نے ہندوستان میں رائج کیا انہوں نے کبھی بھی عثمانی خلافت کو تسلیم نہیں کیا اس لیئے ان کے خطبہ میں خلیفہ کا نام درج نہیں ہوتا تھا۔

یہ دستور تھا کہ نئے بادشاہ کی تخت نشینی کی رسم کے بعد نئے بادشاہ کا نام آنے والے پہلے جمعہ کے خطبہ میں نمازیوں کے اجتماع کے سامنے پڑھا جاتا تھا۔ یہ ایک طرح سے باقاعدہ مرکزی اور مذہبی اعلان ہوتا تھا کہ تخت پر ایک نیا بادشاہ ہے اس طرح سے خطبہ سننے والے اجتماع کی جانب سے نئے بادشاہ کو خاموشی سے تسلیم کئے جانے کا اظہار ہوتا تھا۔

خطبہ کی ابتداء خدا کی حمد رسول اللہؐ اور خلفائے راشدین کی تعریف و توصیف سے ہوتی تھی اس کے بعد سابق حکمرانوں کے نام لئے جاتے تھے(۶۲) اس کے بعد نئے حکمران کا نام لیا جاتا تھا اور اس کے ساتھ یہ دعائیہ جملے کہے جاتے تھے " اے خدا حاکم وقت پر برکت نازل فرما" یہاں پر اس کا نام اور خطابات کا اعلان کیا جاتا تھا) اس کو رحمدل اور عوام کیلئے قابلِ تسلیم بتایا جاتا یہ ہر جمعہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقعوں پر تمام سلطنت میں برابر خطبہ میں دھرایا جاتا رہتا تھا(۶۳)

خطبہ میں حکمران کا نام پڑھنا ایک پروقار تقریب ہوا کرتی تھی اس لیئے تخت نشینی کے بعد کے پہلے جمعہ کو نیا حکمران شہزادوں اور امراء کی معیت میں جامع مسجد میں جایا کرتا تھا اور عام مسلمانوں کی طرح نماز میں شریک ہوتا تھا جب امام خطبہ پڑھنا شروع کرتا تھا تو اس کو ہر سابق حکمران کے نام پر جو امیر تیمور سے شروع ہوتے تھے۔ ایک خلعت انعام میں دیا جاتا تھا جب وہ نئے بادشاہ کا نام خطبہ میں پڑھتا تھا۔ تو اس کو سنہری خلعت انعام میں دی جاتی تھی(۶۴)

اگر کوئی امیر یا اس کے حامی اپنا یا کسی دوسرے شخص کا نام خطبہ میں شامل کرنے کی کوشش کرتے تو یہ بغاوت کے مترادف تصور کیا جاتا تھا جب خانِ زماں اور بابا خان ققشال نے اودھ اور بنگال میں اکبر کے چھوٹے بھائی مرزا حکیم (وفات ۱۵۸۵) کا نام خطبہ میں پڑھوایا تو اکبر نے ان کے خلاف سخت قدم اٹھایا اور ان کی بغاوت کو سختی سے کچل دیا(۶۵)

صوبائی مسلمان حکومتیں جو بنگال گجرات، اور دکن میں مغلوں کی آمد سے پہلے موجود تھیں ان کے فرماں رواؤں کے لیئے ضروری تھا کہ جمعہ و عیدین کے خطبوں میں مغل بادشاہ کا نام پڑھوائیں ان کا یہ عمل مغل بادشاہ کی سیاسی برتری تسلیم کرنے کے برابر تھا۔

راجپوت اور ہندو ریاستوں میں، جن کے حکمرانوں نے مغل بادشاہ کی سیاسی سیادت کو تسلیم کر لیا تھا ان کی ریاستوں میں بھی جمعہ و عیدین کے خطبوں میں تمام مسجدوں میں مغل بادشاہ کا نام پڑھا جاتا تھا۔

سِکّہ

اسلام میں سب سے پہلا سکّہ حضرت خالد بن ولیدؓ نے ضرب کروایا اس میں ایک طرف صلیب ، تاج اور چوگان بنی ہوئی تھی اور دوسری طرف یونانی میں (XAEA) اور حضرت خالد کا نام تھا۔ اس کے بعد حضرت معاویہؓ نے فارس کے ایک دینار کی نقل کی اور اس پر اپنا نام کندہ کروایا اس بات کے بھی شواہد ہیں کہ خلفاء راشدین کے زمانہ میں مختلف صوبوں کے عاملوں نے سکّے ضرب کرائے پہلا اسلامی سکہ عبدالملک بن مروان نے جاری کیا۔ اس کے بعد سے مسلمان حکمراں اپنے سکّے جاری کرتے تھے لیکن اس وقت تک سِکّہ ایک شاہی علامت نہیں بنا تھا سکہ پر خلیفہ کا نام اور خطاب عباسی دور میں ضرب ہونا شروع ہوا اور اس کے بعد سے یہ بھی ایک اہم شاہی علامت ہو گیا۔ صوبوں کے والیوں یا عاملوں کو اب یہ حق نہیں تھا کہ وہ سکہ پر اپنا نام کندہ کرائیں۔

اس کے بعد یہ روائیت چل پڑی کہ ہر نیا حکمران اپنی تخت نشینی کے بعد اپنا نام سکّہ پر مضروب کراتا تھا یہ بھی ایک لحاظ سے اس کی بادشاہت کا اعلان ہوا کرتا تھا سکہ اور خطبہ دونوں ذریعوں نئے بادشاہ کی بادشاہت کا اعلان سرعت کے ساتھ سلطنت کے کونے کونے میں ہو جایا کرتا تھا۔

ہر نیا مغل بادشاہ اپنی تخت نشینی کے بعد نئے سکے جاری کرتا تھا اس کے ایک طرف اس کا نام اور خطابات ہوا کرتے تھے اور دوسری جانب اس کی تعریف میں چند اشعار ہوتے تھے یا کلمہ یا قرآن کی کوئی آئیت ، یا خلفائے راشدین کے نام[۶۷] مثال کے طور پر عالمگیر کی تخت نشینی کے موقع پر (۱۶۵۸) جو سنہری سکے جاری کئے گئے ان پر یہ شعر درج تھا۔

سکہ زد در جہاں چوں مہر منیر ۔۔۔ شاہِ اورنگ زیب عالمگیر

یہی شعر معمولی تبدیلی کیساتھ اس کے چاندی کے سکے پر درج تھا۔

سکہ زد در جہاں چوں بدر منیر ۔۔۔ شاہِ اورنگ زیب عالمگیر [۶۸]

رسم تاجپوشی پر یہ سکے خصوصی طور پر جاری کیئے جاتے تھے اور بڑی تعداد میں ضرب کرائے جاتے تھے اس قسم کے جاری شدہ سکے آج بھی موجود ہیں۔ جن سے ان سکوں کی شکل، ڈیزائن اور ہیئت کا اندازہ ہوتا ہے۔ تخت نشینی کے موقع پر جاری کیئے ہوئے سکے سلطنت کی مختلف ٹیکسالوں میں بھی کافی تعداد میں مضروب کیئے جاتے تھے ان میں سے زیادہ تر سونے کے بجائے چاندی کے ہوا کرتے تھے دستور تھا کہ اس موقع کی یادگار کے طور پر چاندی کے سکے عوام میں تقسیم کیئے جاتے تھے جب کہ سونے کے سکے امراء کو دیئے جاتے تھے۔(۶۹)

شاہی مُہریں

شاہی مہر بھی بادشاہت کی ایک علامت ہوا کرتی تھی۔

رسول اللہؐ کے پاس بھی مہر ہوا کرتی تھی جو آپ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ (۶۳۲-۶۳۴) اور حضرت عمرؓ (۶۳۴-۶۴۴) کو ورثہ میں ملی۔ اس وقت بھی اس کی حیثیت حکمران کی ایک نشانی کی تھی لیکن جب حضرت عثمانؓ (۶۴۴-۶۵۶) کے ہاتھوں یہ ایک کنویں میں گر کر گم ہوگئی تو مسلمان حکمران رسول اللہؐ کی ایک نشانی سے محروم ہوگئے لیکن اس کے علاوہ ابتداء ہی سے ہر خلیفہ کی اپنی علیحدہ مہر ہوا کرتی تھی جو وہ خلافت حاصل کرنے کے بعد تیار کراتا تھا اس پر اسکا نام خطاب اور اس کا کوئی پسندیدہ جملہ ہوا کرتا تھا(۷۰)
عباسی خلفاء کے زمانے سے یہ دستور چلا کہ وہ اپنی شاہی مہر وزیر کے حوالے کردیتے تھے جو اس بات کا اظہار تھا کہ خلیفہ نے اس کو اپنا اعتماد اور طاقت تفویض کردی ہے۔

مغل بادشاہوں کا یہ دستور تھا کہ تخت نشینی کے بعد نئے بادشاہ کا نام اور خطابات مہر کے درمیان میں کندہ کیئے جاتے تھے جبکہ اس کے سابقین حکمرانوں کے نام مہر کے چاروں طرف حاشیہ پر ہوتے تھے اس کو دستخط کی بجائے استعمال کیا جاتا تھا(۷۱) اور تمام شاہی فرمانوں اور کاغذات پر اس کو لگایا جاتا تھا۔ اکبر کی مہر پر حاشیہ میں آٹھ گول دائرے تھے جن میں سابق مغل بادشاہوں کے نام امیر تیمور سے لیکر درج تھے جہانگیر کے بادشاہ بننے کے بعد ایک دائرہ کا اور اضافہ کردیا جس میں اکبر کا نام درج تھا جب کہ اس کا اپنا نام اور

خطاب مہر کے درمیان میں تھا (۷۲) یہ شاہی مہر اوزک کہلاتی تھی (۷۳) اور یہ کسی معتمد شخص کو دی جاتی تھی اوزک مہر کار کھنے والا دربار میں ایک اہم مقام رکھتا تھا اور یہ خدمت اسے خصوصی اعزاز عطا کرتی تھی عام طور پہ یہ حرم کی کسی خاتون کے پاس رہا کرتی تھی (۷۴) لیکن وقتاً فوقتاً پسندیدہ اور معتمد امیر کے حوالے بھی کر دی جاتی تھی اکبر نے اپنے دورِ حکومت میں جن امراء کو یہ مہر دی تھی ان میں خواجہ جہاں اور خانِ اعظم مرزا عزیز خاں کوکا قابلِ ذکر ہیں (۷۵) جہانگیر نے اسے امیر الامراء محمد شریف کو دیا تھا۔ بعد میں اسے شہزادہ پرویز کو دیا گیا اور پھر دوبارہ سے محمد شریف کو (۷۶) شاہجہاں نے اپنے دورِ حکومت میں ابتداء میں اسے ممتاز محل کے سپرد کیا (۷۷) پھر اسکی درخواست پر اسے آصف خاں کے حوالے کیا گیا (۷۹) شاہجہاں کی حکومت کے آخری سالوں میں یہ جہاں آرا کی تحویل میں تھی (۸۰) اوزک چھوٹی چوکور مہر ہوا کرتی تھی۔ جو صرف فرمانِ ضبطی (۸۱) خطاباتِ تقرری اور جاگیر دینے والے فرامین پر لگا کرتی تھی (۸۲)

اس کے علاوہ دوسری شاہی مہریں بھی تھیں ابوالفضل نے ہم تک جو معلومات پہونچائی ہیں ان کے مطابق ۵ مہریں ہوا کرتی تھیں۔ (۱) اوزک (۲) وہ مہر جس میں حاکم وقت کا نام درمیان میں اور سابق حکمرانوں کے نام حاشیہ پر ہوتے تھے۔ (۳) ایک چوکور مہر جو تمام احکامات کے لئے ہوتی تھی۔ (۴) ایک محرابی شکل کی مہر جو قانونی احکامات کیلئے ہوتی تھی (۵) اور ایک مہر حرم کے انتظامات اور کاروبار کیلئے ہوتی تھی۔ یہ دستور تھا کہ یہ مہریں تمام شاہی احکامات، اعلانات اور فرامین پر لگائی جاتی تھیں تاکہ ان کی قانونی حیثیت ہو جائے تقرری کے تمام احکامات، شہزادوں سے لیکر وکیل، صدر (۸۳) میر بخشی امیر الامراء (۸۴) اور اتالیق (۸۵) کے شاہی مہروں کے لگانے سے ہوا کرتے تھے (۸۶) جہانگیر نے پرانی مغول مہر التمغہ کو دوبارہ سے شروع کر دیا یہ مہر خاص طور سے جاگیر کے فرمان پر لگائی جاتی تھی (۸۷) اسنے اس کا نام بدل کر التون (سنہری) تمغہ رکھ دیا (۸۸)

شاہجہاں کے عہد کے آخر تک اوزک مہر گول ہوا کرتی تھی لیکن عالمگیر کے زمانے میں اس کی شکل گول سے چوکور کر دی گئی اور اب اس مہر پر درمیان میں

بادشاہ کا نام اور خطابات ہوا کرتے تھے۔ جبکہ سابق حکمرانوں کے تمام حاشیہ میں دائرہ کی شکل میں ہوا کرتے تھے مہر کے چاروں کونوں پر خدا کے اسمائے گرامی اور قرآنِ شریف کی آیات تھیں (۸۹) ہر نیا بادشاہ اپنی تخت نشینی کے بعد اپنی ذاتی مہر سے تمام ریاست کی املاک واشیاء کو سر بمہر کر دیتا تھا (۹۰)

شاہی عَلم و جھنڈے

مشرق میں 'عَلم یا جھنڈا'، ایک قدیم شاہی علامت ہوا کرتا تھا مسلمان حکمران خاندان سیاسی طاقت کو حاصل کرنے اور مستحکم کرنے کے بعد اپنی سلطنت کیلئے مخصوص شکل اور رنگ کا عَلم منتخب کیا کرتے تھے مثلاً بنو امیہ کے جھنڈے کا رنگ سفید، عباسیوں کا سیاہ (۹۱) سلجوقیوں کا ابتداء میں سرخ اور بغداد پر قبضہ کے بعد سیاہ (۱۰۵۵) قارا خانیوں کا اورنج اور عالمیوں کا سفید ہوا کرتا تھا (۹۲)

مغل حکمرانوں کے جھنڈے کا کوئی خاص رنگ مقرر نہیں تھا ان کے زمانے میں مختلف شکلوں اور رنگوں کے کئی جھنڈے ہوا کرتے تھے، اور انہیں شاہی علامت کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا ان میں سے کچھ کے استعمال کا حق صرف بادشاہ کو تھا اور سلطنت میں کسی کو اس بات کی اجازت نہیں تھی کہ انہیں استعمال کریں یا اپنے قبضہ میں رکھیں ان میں سے کچھ جھنڈے شہزادوں اور امراء کو ان کی خدمات کے صلہ میں دیئے جاتے تھے لیکن کچھ خاص شرائط کے ساتھ اور ان کے استعمال کیلئے بادشاہ کی اجازت ضروری ہوتی تھی بادشاہ خود جب کبھی جلوس کی شکل میں باہر نکلتا تو اس کے ساتھ مختلف قسم کے جھنڈے اور علم اپنی مختلف علامتوں کے ساتھ اس کے ساتھ ساتھ چلا کرتے تھے یہ روایت تھی کہ شاہی جلوس میں کم از کم ۵ جھنڈے بمعہ قور کے ہوا کرتے تھے (۹۳) ان پانچ میں سے دو چہار توق اور تومان توق (۹۴) ہوا کرتے تھے یہ جھنڈے بادشاہ کے پیچھے چلا کرتے تھے (۹۵)

مغل شاہی جھنڈوں پر مختلف قسم کی علامتیں ہوا کرتی تھیں۔

مثلاً پنجہ، میزان، آفتاب، اژدھا پیکر، ماہی اور قمقمہ(۹۶)

شاہی امتیازات

مغل بادشاہوں نے اپنے لیئے چند خصوصی امتیازات مقرر کر رکھے تھے جن کے استعمال کی اجازت سلطنت میں کسی دوسرے کو نہیں ہوتی تھی۔ مثلاً کسی کو اس بات کی اجازت نہیں ہوتی تھی کہ وہ جھروکہ درشن دے ہاتھیوں کی لڑائی کا انتظام کرائے سزائے موت دے یا مجرم کے جسم کے کسی حصہ کو مقطوع کرائے جیسے اندھا کرانا یا ناک و کان کٹانا وغیرہ اور نہ شاہی دربار کی طرح موسیقار اور گانے والوں کو اس بات پر مجبور کرے کہ وہ اس کی حاضری میں رہیں (۹۷)

ایک شاہی استحقاق یہ تھا کہ شاہی محل میں نوبت خانہ ہوا کرتا تھا جہاں دن رات مختلف وقفوں میں موسیقار نوبت بجاتے رہتے تھے(۹۸) سلطنت میں کسی کو اس بات کی اجازت نہیں تھی کہ شاہی نوبت خانہ کی طرح جوڑ گی میں نوبت بجائے۔ موسیقی کی مختلف دھنوں کو بجا کر بادشاہ کی نقل و حرکت کا اعلان کیا جاتا تھا۔ موسیقی کی یہ دھنیں بالکل صحیح وقت پر بجا کرتی تھیں مثلاً آدھی رات کو، فجر کے وقت، سورج نکلنے سے ۲۴ منٹ پہلے اور سورج غروب ہونے کے ۲۴ منٹ بعد بقیہ دن کے حصے میں سات مرتبہ، مختلف دھنیں بجا کرتی تھیں جب بادشاہ دربار میں آتا تو اس کا اعلان بھی موسیقی کے ذریعہ سے کیا جاتا تھا تاکہ درباریوں کو اس کی آمد کی اطلاع مل جائے یہ دوبارہ نوبت بجتی تھی جب کہ بادشاہ دربار برخواست کرتا تھا(۹۹) اتوار کے روز یہ تمام دن بجا کرتی تھی(۱۰۰)

جب بادشاہ کسی سفر یا مہم پر نکلتا تھا تو اس کا اعلان نقارہ بجا کر کیا جاتا تھا۔ کیمپ میں یہ نقارے ہر تین گھنٹہ کے بعد بجا کرتے تھے مغل بادشاہ شہزادوں اور امراء کو انعام کے طور پر نقارے دیا کرتے تھے لیکن ہمیشہ چند شرائط کے ساتھ مثلاً یہ کہ بادشاہ کی موجودگی میں نہیں بجائے جائیں گے اور اس کی رہائش گاہ سے ایک مقررہ فاصلے تک بھی اُن کو بجانے کی اجازت نہیں ہو گی(۱۰۱) جہانگیر نے خصوصی طور پر پسندیدگی کے اظہار کے طور پر نقارہ و نوبت نورجہاں بیگم (وفات ۱۶۴۵) کو دی تھی اس رعایت کے ساتھ کہ یہ بادشاہ کی

نوبت سے بعد بجا کرے [۱۰۲] ایک مرتبہ شہزادہ معظم نے اپنے دربار کے وقت نوبت کو چار مرتبہ بجوایا اس کی اطلاع ملنے پر عالمگیر نے اسے ایک سخت قسم کا تنبیہی خط لکھا کہ یہ صرف شاہی استحقاق ہے اور بادشاہ کے علاوہ کسی دوسرے کو اس کی اجازت نہیں [۱۰۳] اس لئے بادشاہ کی اجازت کے بغیر نوبت بجانا شاہی حقوق کے خلاف اقدام تصور کیا جاتا تھا [۱۰۴]

چتر اور کوکبہ

بھی شاہی علامات تھیں اور یہ کسی امیر یا شہزادے کو نہیں دی جاتی تھیں چتر [۱۰۵] جواہرات سے مزین ہوتا تھا اور ہمیشہ بادشاہ کے ساتھ دربار اور جلوس میں ہوا کرتا تھا آفتاب گیر بیضوی شکل کا، چھتری کی مانند ہوا کرتا تھا یہ مخمل سے ڈھکا ہوتا تھا اور اس میں قیمتی پتھر جڑے ہوتے تھے اور یہ بادشاہ کو سورج کی روشنی سے محفوظ رکھتا تھا کوکبہ، گول چمکدار گیندیں ہوا کرتی تھیں جو دربار کے سامنے لٹکی رہتی تھیں [۱۰۶]

مسجد میں پالکی میں جانا [۱۰۷] اور مقصورہ میں نماز پڑھنا شاہی استحقاق تھے عالمگیر نے ایک مرتبہ شہزادہ معظم کو ایک سخت خط اس بات پر لکھا تھا کہ اس نے مقصورہ میں نماز پڑھی تھی [۱۰۸] اس نے ایک اور مرتبہ اسے تنبیہ کا خط اس بات پر لکھا کہ اس نے ہاتھیوں کی لڑائی کا بندوبست کیا تھا۔ اسنے اسے اطلاع دی کہ ہاتھیوں کی لڑائی کا انتظام کرنا اور کسی ایسے چبوترے پر بیٹھنا جو زمین سے ایک گز کی بلندی پر ہو یہ صرف شاہی استحقاق ہیں اور کسی دوسرے کو اسے اختیار کرنے کی اجازت نہیں [۱۰۹]

قمرغہ کی طرز پر شکار کرنا بھی شاہی استحقاق تھا سلطنت کے کسی فرد کو شہزادوں سمیت اس بات کی اجازت نہیں تھی کہ وہ شاہی شکار گاہ میں شاہی اجازت کے بغیر داخل ہوں [۱۱۰] شیر کا شکار کرنا بھی صرف بادشاہ کا حق تھا یہاں تک کہ خطرہ کے وقت بھی بغیر بادشاہ کی اجازت کے شیر کا شکار نہیں کیا جا سکتا تھا [۱۱۱] بادشاہ کا یہ بھی حق تھا کہ وہ اپنی رعایا سے ان کا شکار اپنے لیے طلب کر سکتا ہے کیوں کہ چنگیز خان کا یہ قانون تھا کہ برتر افراد اپنے سے کمتر افراد سے ان کا شکار لے سکتے ہیں۔ [۱۱۲]

جنگ میں جو ہاتھی پکڑے جاتے تھے وہ ہمیشہ بادشاہ کی ملکیت ہوتے تھے مالِ غنیمت کا بہترین حصہ ہمیشہ بادشاہ کیلئے علیحدہ کردیا جاتا تھا۔(۱۱۳) بادشاہ کے علاوہ کسی اور کو اس بات کی اجازت نہیں ہوتی تھی کہ وہ قیمتی ہیرے اور جواہرات خرید سکے۔(۱۱۴)

شہزادوں کو اس بات کی اجازت نہیں ہوتی تھی کہ وہ دربار کے آداب اور رسومات کو اختیار کریں اور اپنے امراء اور ملازمین کو اپنی موجودگی میں کھڑا رکھیں (۱۱۵) ان کو اس بات کی بھی اجازت نہیں تھی کہ وہ اپنے ملازمین کو خطابات دیا کریں۔

عورتیں بادشاہ کی موجودگی میں پردے (۱۱۶) کی پابند نہیں ہوا کرتی تھیں۔(۱۱۷) مینا بازار میں تمام عورتیں بادشاہ کے سامنے آیا کرتی تھیں۔ وہ خود ایک دوکان سے دوسری دوکان پر جایا کرتا تھا اور عورتوں سے بات چیت کرتا تھا جب کوئی امیر اپنے گھر پر بادشاہ کو دعوت پر بلاتا تھا تو اس کے گھر کی عورتیں بادشاہ کے سامنے آکر اسے آداب کرتی تھیں ایک ایسے موقع پر ہمایوں نے حمیدہ بانو بیگم کو دیکھا تھا اور اس کی محبت میں گرفتار ہوگیا تھا۔(۱۱۸)

تیسرا باب

مُغل دَربار

مُغل دَربار ۔ سلطنت کے انتظامات کا مرکز تھا جہاں ریاست کے تمام امور پر غور و خوض ہوتا تھا اور اس کے بعد اہم معاملات پر فیصلے کئے جاتے تھے ۔ دربار ہی سے صوبوں کے عاملوں کا تقرر ہوتا تھا ۔ منصب دار[1] اپنے منصبوں پر ترقی پاتے تھے شاہی فرامین تحریر کئے جاتے تھے نئے احکامات کا اعلان ہوتا تھا تحفہ و پیش کش قبول کی جاتی تھی بسزائیں دی جاتی تھیں شکایات سنی جاتی تھیں انصاف کیا جاتا تھا مہمات روانہ کی جاتی تھیں اور سفیروں کا استقبال کیا جاتا تھا ۔

دربار سماجی و معاشرتی سرگرمیوں کا بھی مرکز تھا جہاں تمام منصبدار، امراء عہدیدار اور حکومت کے افسران روزانہ ایک دوسرے سے ملا کرتے تھے کیونکہ ہر امیر پر یہ لازم تھا کہ اگر وہ دارالحکومت میں حاضر ہے تو روزانہ دربار میں آئے اور بادشاہ کو آداب کرے ۔ صرف بیماری یا انتہائی اہم کام کی وجہ سے وہ اس فرض سے مستثنیٰ کیا جاتا تھا اگر کوئی امیر غیر حاضر ہوتا تھا تو اس کی غیر حاضری کی وجہ فوراً معلوم کی جاتی تھی ۔ روزانہ کی حاضری کے پس منظر میں بادشاہت کا نظریہ کارفرما تھا کیونکہ دربار میں روزانہ حاضری بادشاہ کے سامنے جھکنا و آداب کرنا اس کے سامنے نذر پیش کرنا اور اس کی موجودگی میں خاموشی سے کھڑے رہنا امراء کو اس بات کا برابر احساس دلاتا رہتا تھا کہ بادشاہ بزرگ و برتر ہستی ہے اور ان کا وجود اسی ہستی کی خوشی و مرضی پر منحصر ہے، یہ حاضری نہ صرف ان کو بادشاہ کی ذات سے والہانہ لگاؤ پیدا کرتی تھی بلکہ وہ

دربار کی شان وشوکت سے متاثر ہوتے تھے اور ان میں بادشاہ کیلئے خوف واحترام کے جذبات پیدا ہوتے تھے۔

دَربار

بادشاہ عام طور سے اپنا دربار دارالحکومت میں منعقد کیا کرتے تھے لیکن اگر بادشاہ دارالحکومت سے ایک طویل عرصہ کیلئے باہر چلا جاتا تو اس کا دربار بھی اس کے ساتھ ساتھ رہتا تھا اور اس بات کی کوشش کی جاتی تھی کہ سفر میں یا کیمپ کے دوران دربار کی ترتیب وتنظیم اور شان وشوکت وہی رہے اور اسی نمونہ وڈیزائن پر ہر جگہ اسکا انعقاد ہو جب بادشاہ سفر میں ہوتا تھا تو اس وقت بھی وہ معمول کے مطابق دربار کیا کرتا تھا اسوقت اُمرِ صوبائی عاملوں اور باجگذار راجاؤں کا جو ہمسایہ ریاستوں سے فرمان روا تھے ان کا فرض تھا کہ بادشاہ کے دربار میں آئیں اور آداب کریں (۲) اس لیئے کیمپ سے دربار کی اپنی اہمیت ہوتی تھی اس کے ذریعے بادشاہ، سلطنت کے صوبوں کے عاملوں اور عہدیداروں سے ملاقات کرتا تھا اور ان کے ذریعے صوبوں کے حالات سے واقف ہوتا تھا۔ باجگذار ریاستوں کے حکمران بھی جب بادشاہ ان کی ریاست سے گذرتا تو آکر اپنی وفاداری اور اطاعت کا اظہار کرتے تھے

مغلیہ دورِ حکومت میں فتح پور آگرہ دہلی اور لاہور مغل سلطنت کے دارالحکومت رہے جہاں مغل بادشاہوں نے محلات، قلعہ اور خاص طور سے دربار کے لیئے "دربارِ عام" و "دربارِ خاص" کی عمارتیں بنوائیں دربارِ عام وخاص کی عمارت دراصل بادشاہ کے محل کا ایک حصہ ہوا کرتی تھی۔ فتح پور میں دیوانِ عام کی جو عمارت ہے اس میں ایک وسیع صحن ہے اور اس کے ارد گرد بارہ دریاں (گیلری) بنی ہوئی ہیں اس کے مشرقی جانب ایک بالکونی ہے جو سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے زمین سے اس کی بلندی ۸ فٹ ہے اس جگہ پر بادشاہ کا تخت رکھا جاتا تھا آگرہ میں دیوانِ عام کی جو عمارت ہے یہ لمبائی میں ۱۹۲ فٹ اور چوڑائی میں ۶۴ فٹ ہے یہ بھی سنگِ سرخ کی بنی ہوئی ہے ایوان کی پشت پر ایک بالکونی ہے جہاں کہ بادشاہ کا تخت رکھا جاتا تھا اور اسی کی پشت پر ایک دروازہ تھا جہاں

سے بادشاہ دربار کے بعد حرم میں جاتا تھا بالکونی کے سامنے سنگ مرمر کی چوکی تھی جس پر کھڑے ہو کر وزیر اور امراء شاہی احکامات سنا کرتے تھے (۳)

دیوان عام میں لکڑی کے بنے ہوئے دو کٹہرے (ریلنگ) تھے پہلے والے کٹہرے میں صرف امراء اور سفیر داخل ہو سکتے تھے جبکہ دوسرے کٹہرے میں کم رتبہ کے سفیر، امراء اور احدی (۴) داخل ہو سکتے تھے ان کٹہروں سے باہر امراء کے ملازمین اور عام لوگ کھڑے ہوا کرتے تھے جہانگیر نے اپنے دورِ حکومت میں ان دو کٹہروں میں تبدیلیاں کیں اور ان میں مزید امتیاز پیدا کرنے کے لئے اس نے پہلے کٹہرے کو چاندی سے بنوا دیا اور جھروکے کے دونوں جانب ہاتھیوں کے دو مجسمے رکھوا دیئے جھروکہ، جہاں بادشاہ کا تخت ہوتا تھا اس کی سیڑھیاں اور لکڑی کے بنے ہوئے ہاتھیوں کے مجسموں پر اس نے چاندی کے پتر چڑھوا دیئے (۵)

شاہ جہاں نے دہلی میں لال قلعہ میں، جو دیوانِ عام تعمیر کرایا تھا اس میں جھروکہ کی بالکونی سے تین جانب کٹہرے تھے جو چاندی کے بنے ہوئے تھے اور ہر کٹہرے کے درمیان میں فاصلہ چھوڑا ہوا تھا۔ جہاں پر گرز بردار، چاق و چوبند کھڑے رہتے تھے اس کٹہرے میں گرز بردار اعلیٰ عہدیداروں اور منصب داروں کو داخل ہونے کی اجازت دیتے تھے۔ یہاں دو صدی سے اونچے منصب داروں کو داخل ہونے کی اجازت تھی (۶) اس کے بعد سرخ پتھر کا بنا ہوا ایک کمرہ تھا جس پر ریشمی اور سلک کے پردے پڑے ہوئے تھے یہاں پر گرز بردار دوسرے کم منصب داروں کو آنے کی اجازت دیتا تھا اس میں احدی، یا وہ لوگ جن کو خاص طور سے بلایا گیا ہو، آتے تھے اس سے باہر سپاہی اور امراء کے ملازم کھڑے ہوا کرتے تھے۔

چاندی کے کٹہرے میں تمام امراء اپنے اپنے عہدے اور رتبہ کے مطابق کھڑے ہوا کرتے تھے یہاں پر وزیر بخشی (۷) اور دوسرے حکومت کے عہدیدار فیصلہ کے لئے اپنے اپنے شعبوں کے معاملات و مقدمات بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتے تھے تقرری، ترقی تنخواہوں میں اضافے، جاگیر کی بخشش تحفہ و تحائف کا دینا اور مہمات کے بارے میں تیاری کرنا ان تمام امور اور معاملات کے فیصلے دربار ہی میں ہوا کرتے تھے (۸)

منوچی نے دربار میں تین کٹہروں کا ذکر کیا ہے سنہری (سونا) روپہلی (چاندی)

اور لکڑی کا، جو درباریوں کو بادشاہ کی موجودگی میں تین حصوں میں تقسیم کرتے تھے سنہری کٹہرا ایک کیوبٹ فٹ بلند تھا اور اس میں صرف شہزادے داخل ہو سکتے تھے چاندی اور لکڑی کے کٹہروں کے درمیان جو فاصلہ اور جگہ تھی اس میں صرف اُمراء کھڑے ہو سکتے تھے۔ لکڑی کے کٹہرے کے باہر زین سے مسلح گھوڑے کھڑے رہا کرتے تھے اور ان کے پیچھے چار ہاتھی اور بہت سارے سپاہی (۹)

ان کٹہروں کے درمیان میں میر توزک اور لیسادل کھڑے رہا کرتے تھے اور اس پر نگاہ رکھتے تھے کہ کوئی شخص اپنی مقرر کردہ جگہ سے نہ ہلے۔(۱۰) منوچی نے لیسادلوں کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ بھی تین جماعتوں میں تقسیم تھے اوّل درجہ جو سونے کے گرز لئے ہوئے تھے دوم چاندی کے اور سوم لوہے کے سنہری یا سونے کے گرز والے صرف شہزادوں کو شاہی احکامات و پیغامات پہونچاتے تھے جبکہ چاندی والے اعلیٰ منصب داروں اور جرنلوں کو اور لوہے والے معمولی قسم کے حقیر کام کیا کرتے تھے۔(۱۱)

ہمایوں کے عہد میں یہ روایت تھی کہ بادشاہ کی آمد کا اعلان نقارے بجا کر کیا جاتا تھا اور دربار کی برخاستگی کا اعلان توپ چھوڑ کر(۱۲) اس کے بعد یہ دستور پڑا کہ بادشاہ کی نقل و حرکت کی اطلاع نوبت بجا کر دی جاتی تھی۔ اور نوبت کی مختلف دھنوں سے اس کی مختلف مشغولیات کا اعلان ہوتا تھا(۱۴)

اس بات کی سختی سے نگہداشت رکھی جاتی تھی کہ بغیر اجازت کے کوئی شخص دربار کی حدود میں قدم نہیں رکھے(۱۵)

دربار کو خاص خاص موقع پر خصوصیت کے ساتھ سجایا جاتا تھا مثلاً نوروز پر بادشاہ کی سالگرہ پر جو قمری و شمسی حساب سے ہُوا کرتی تھی اور اس موقع پر اس کا وزن کیا جاتا تھا شاہی بچوں کی پیدائش پر عیدین پر غیر ملکی سفیر کی آمد پر دسہرہ اور دیوالی کے تہواروں پر کسی فتح کی خوشی میں یا بادشاہ کی بیماری کے بعد صحت کے موقع پر ایسے مواقع پر بادشاہ یا امراء دربار کی زیب و زینت و آرائش کی طرف خصوصی توجہ دیتے تھے اور اس کو موقع کی مناسبت سے شایانِ شان طریقہ سے سجایا جاتا تھا۔

رسومات

جب بادشاہ دربار میں آتا تھا تو اس کو دیکھ کر درباری بلند آواز میں اسے خوش آمدید کہتے تھے جب وہ تخت پر بیٹھ جاتا تھا تو فوراً تلواریں ڈھالیں اور تیرے تخت سے بائیں جانب رکھے ہوئے ایک اسٹول پر ترتیب سے رکھدیئے جاتے تھے(۱۵) کچھ ملازم اس کی پشت پر کھڑے ہوکر مگس رانی کرتے تھے(۱۶) مگس رانی کا یہ امتیاز کبھی کبھی شہزادوں اور خصوصی امراء کو بھی دیا جاتا تھا۔

بادشاہ کو آداب کرنے کے مختلف طریقے تھے ان میں ایک کورنش تھا کورنش میں سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی کو پیشانی پر رکھ کر سر کو جھکاتے تھے ابوالفضل لکھتا ہے "کورنش کے قرارداد میں رمز یہ ہے انسان اپنے سر کو جو محسوسات و معقولات کا خزینہ ہے اپنے نیاز مند ہاتھ میں لیکر محفل اقدس پر قربان کرے اور اس طرح فرماں برداری کا فقیر ہوکر جاں سپاری کیلئے آمادہ و تیار رہے" دوسرا طریقہ تسلیم کا تھا اس میں سیدھے ہاتھ کو زمین پر رکھ کر آرام سے اٹھاتے تھے اور سیدھے کھڑے ہوکر سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی کو سر پر رکھتے تھے ابوالفضل اس کے بارے میں لکھتا ہے کہ "اس بہترین طریقہ پر اپنے نفس کو مالک کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں"(۱۷) کورنش اور تسلیم دونوں سے درباری کا اظہار عقیدت اور فرماں برداری ظاہر ہوتی تھی۔

اکبر نے اپنے عہد میں سجدہ کی رسم بھی شروع کی تھی (۱۵۸۲) لیکن اس پر علماء اور مذہبی طبقہ کی جانب سے بہت سے اعتراضات کیئے گئے اس لئے اس نے عوام کے جذبات کا خیال کرتے ہوئے سجدہ کی رسم کو دربارِ عام سے ختم کردیا لیکن دیوانِ خاص جہاں صرف خصوصی امراء اور درباری شرکت کرتے تھے اس رسم کو باقی رکھا(۱۸) لیکن اکبر نے علماء، سادات اور دوسرے مذہبی لوگوں کو اس رسم سے دونوں جگہ معاف کردیا(۱۹) سجدہ کی رسم کی تاویلات کے باوجود جو وقتاً فوقتاً درباری علماء کی جانب سے دی جاتی تھیں یہ رسم عوام میں اور خصوصیت سے علماء میں مقبول نہ ہوسکی اور اندر ہی اندر اس کی مخالفت جاری رہی جہانگیر نے اگرچہ اس رسم کو بالکل ختم تو نہیں کیا لیکن اس کی ادائیگی پر اتنا زور بھی نہیں تھا۔

لیکن شاہجہان نے، تخت نشین ہونے کے بعد، سجدہ کی رسم کو مکمل طور پر ختم کر دیا[۲۰] اور اس کے بجائے اس نے "چہار تسلیم" کو شروع کیا اس کی ادائیگی کا یہ طریقہ تھا کہ ایک شخص سب سے پہلے گھٹنوں کے بل جھکے اس کے بعد اپنے ماتھے کو اپنے سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی سے چھوئے اس کے بعد ہاتھ کو اتنا جھکائے کہ اس کی پشت زمین سے ٹکرا جائے اس طرح اس طریقہ کو چار مرتبہ دہرائے[۲۱] بادشاہ نے علماء کو چہار تسلیم سے بھی مبرا کر دیا تھا کیوں چہار تسلیم بھی ایک شکل میں سجدہ کی نمائندگی کرتی تھی اور سر کو زمین پر رکھنے کی بجائے ہاتھ کی ہتھیلی کو زمین سے چھو کر ماتھے پر رکھنا اس کی ایک علامت تھی اسلئے بادشاہ نے علماء کو اس بات کی اجازت دے دی تھی کہ وہ اسے دربار میں تمام مسلمانوں کے انداز میں "السلام علیکم" کہا کریں[۲۲] شاہجہان نے اپنی حکومت کے دسویں سال میں ہاتھ کی ہتھیلی کو زمین سے چھونے کے طریقہ کو ختم کر دیا۔ عالمگیر نے بادشاہ بننے کے بعد امراء اور درباریوں کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ السلام علیکم کہہ کر بادشاہ کو آداب کیا کریں۔

یہ دستور تھا کہ جب کسی شخص کو کوئی منصب، تحفہ، جاگیر، خلعت، ہاتھی دیا جاتا یا اس کی ترقی ہوتی تو انعام پانے والا شخص اس خوشی میں تین تسلیمات ادا کرتا تھا[۲۳] اگر کسی شخص کو کوئی انعام براہ راست بادشاہ کی جانب سے ملتا تھا۔ مثلاً شاہی تصویر، گلے کا ہار، یا موتیوں کی مالا تو یہ دستور تھا کہ وہ تحفہ کو اپنے سر پر رکھتے اس کے بعد اسے اپنے حلق کان یا گردن سے چھوئے اور اس کے بعد چہار تسلیم بجا لائے خلعت کی ادائیگی کے وقت بھی چہار تسلیم کی رسم ادا کی جاتی تھی اور یہ روایت تھی کہ خلعت ملنے کے فوراً بعد اسے پہن کر دوبارہ دربار میں لایا جاتا تھا اور پھر دوبارہ سے چہار تسلیم بجا لائی جاتی تھی اس رسم کی ادائیگی کے بعد ساش کو کندھوں پر ڈالا جاتا تھا اگر معمول خلعت انعام میں دی جاتی تھی تو پھر صرف ایک ہی مرتبہ چہار تسلیم بجا لائی جاتی تھی اگر بادشاہ کسی کو انعام میں اسلحہ دیتا تھا تو اس صورت میں تلوار کو گردن میں حمائل کیا جاتا تھا ترکش کو اس کی پشت پر باندھا جاتا تھا چہار تسلیم ادا کرنے کے بعد وہ تلوار کو نیام میں ڈالتا تیر و کمان یا بندوق کو اپنے ہاتھ میں لیتا اور پھر دوبارہ چہار تسلیم بجا لاتا۔[۲۴]

دربار میں نشستوں کا باقاعدہ انتظام ہوتا تھا اور یہ کہ کوئی

کہاں کھڑا ہوگا؟ اور اسکا تخت سے کتنا فاصلہ ہوگا۔ اس کا پورا پورا حساب رکھا جاتا تھا اس لیئے دربار میں شہزادوں اور امراء کیلیئے جگہائیں متعر رتھیں مثلاً سب سے بڑا شہزادہ اگر ایستادہ ہوتا تھا تو اس کا فاصلہ شاہی تخت سے چار گز ہوا کرتا تھا اگر اس کو بیٹھنے کی اجازت مل جاتی تھی تو اس صورت میں تخت سے اس کی نشست کا فاصلہ ۸ گز ہوا کرتا تھا دوسرا و تیسرا شہزادہ اگر ایستادہ ہوتے تھے تو ان کا تخت سے فاصلہ؛ چھ گز تک کا تھا اگر بیٹھے ہوتے

تھے تو پھر تین سے بارہ گز کا فاصلہ ہوا کرتا تھا چھوٹے شہزادے کو تخت سے قریب جگہ دی جاتی تھی۔ اگر درباری ایستادہ ہوتے تھے تو ان کا تخت سے فاصلہ تین سے پندرہ گز ہوا کرتا تھا اگر بیٹھے ہوتے تو پھر یہ فاصلہ پانچ سے بیس گز تک کا ہوتا تھا" قدیم" اور اعلیٰ امراء کو اگر ایستادہ ہوتے تھے تو ساڑھے تین گز کے فاصلے پر جگہ دی جاتی تھی بیٹھے ہونے کی صورت میں دس سے ساڑھے بیس گز کے فاصلے پر رہنا ہوتا تھا[۲۵]

دربار میں درباریوں کی نشست اس کے عہدے اور رتبہ کے مطابق رکھی جاتی تھی درباری دربار میں تخت سے دائیں بائیں جانب کھڑے ہوتے تھے اور اس کے سامنے کا حصہ کھلا رہتا تھا عام طور سے ایک جانب امراء اور حکومت کے عہدیدار ہوا کرتے تھے جب کہ دوسری جانب علماء اور مذہبی گروہ کے اشخاص ہوتے تھے بادشاہ کی آمد پر تمام درباری کورنش اور تسلیم بجا لاتے تھے اور پھر خاموشی سے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے تھے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا اس بات کی علامت تھی کہ وہ بادشاہ کی خدمت کیلیئے تیار ہیں[۲۷] دربار میں ہر وقت شاعر، فنکار، موسیقار، گوتیے پہلوان اور دوسرے تماشہ کرنے والے یا تفریح مہیا کرتے والے افراد رہا کرتے تھے تاکہ کسی بھی وقت بادشاہ سے حکم پر اپنے اپنے کمالات کا مظاہرہ کر سکیں[۲۸]

درباریوں کو اس بات کی اجازت نہیں تھی کہ وہ بادشاہ کی موجودگی میں ایک دوسرے سے بات چیت کریں یا زور سے بولیں ضروری تھا کہ دربار میں مکمل خاموشی رہے[۲۹] کسی شخص کو اس بات کی اجازت نہیں تھی کہ وہ بغیر اجازت کے اپنی مقررہ جگہ سے ہلے ان آداب کی ذراسی خلاف ورزی بادشاہ کا قہر و غضب اور عتاب نازل کر سکتی تھی اگر بادشاہ دربار میں کسی امیر پر نظر ڈالنا اور اس پر اپنی خوشنودی ظاہر کرنا چاہتا تو

اس کی طرف دیکھ کر اپنی آنکھ کی بھنوؤں کو حرکت دیتا یا کچھ صورتوں میں ترچھی نظر ڈالتا اس سے اس کی خوشنودی اور اظہار پسندیدگی ظاہر ہوتا تھا کسی پسندیدہ امیر کی آمد یا رخصتی کے موقع پر اس کو اس بات کی اجازت دی جاتی تھی کہ وہ تخت کے قریب آئے اور بادشاہ کے قدم چومے اور بادشاہ اپنی خوشنودی کے اظہار کے لئے اس کی پشت پر اپنا ہاتھ رکھتا تھا۔(۳۰)

اگر کسی نئے شخص کو دربار میں پیش کیا جاتا تھا تو اول اسے میر توزک کے سپرد کیا جاتا تھا کہ اسے ترتیب دے سکے کہ اسے بادشاہ کی موجودگی میں کس طرح سے پیش آنا چاہیئے اور کس طرح سے "تسلیم" بجالانی چاہیئے(۳۱) جب وہ دربار میں داخل ہوتا تھا اس کی مکمل طریقہ سے تلاشی لی جاتی تھی تب دربار کے پہرے دار اس کی راہنمائی کرتے اور اس کے نام کا اعلان بادشاہ کے سامنے کیا جاتا تھا وہ "کورنش" یا "تسلیم" بجالانے کے بعد آہستگی کے ساتھ بادشاہ سے مخاطب ہوتا اور اپنے لائے ہوئے تحفے اس کی خدمت میں پیش کرتا اگر بادشاہ اس پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کرنا چاہتا، تو اس کے تحفے وہ ذاتی طور پر وصول کرتا اور اس سے چند الفاظ مخاطب ہو کر کہتا ورنہ وہ بغیر کسی اظہار کے خاموشی سے برخاست کر دیا جاتا تھا اگر بادشاہ کسی امیر وزیر سے ناراض ہوتا تھا تو اس سے کہا جاتا تھا کہ وہ کچھ دن دربار میں نہ آئے اور بادشاہ کو کورنش و تسلیم بجا نہ لائے۔ کورنش و تسلیم سے محرومی ایک سزا تصور کی جاتی تھی کیونکہ دربار میں آنا اور آداب بجالانا امراء اور خصوصی افراد کے لئے ایک اعزاز کی بات تھی۔ اس لئے معتوب امیر فوری طور پر اس بات کی کوشش کرتا تھا کہ کسی نہ کسی ذریعے سے بادشاہ تک سفارش پہنچائی جائے۔ اور اپنے قصور کی معافی چاہی جائے اگر بادشاہ اس کا قصور معاف کر دیتا تو پھر اسے اجازت مل جاتی کہ وہ دربار میں حاضر ہو اور کورنش و تسلیم بجالائے۔(۳۲)

ہر درباری سے اس بات کی توقع کیجاتی تھی کہ وہ دربار میں آئے تو اپنے بہترین لباس میں آئے اور اپنے ہوش و حواس سلامت رکھے اگر کوئی شخص نشہ کی حالت میں آتا تو اسکے رتبہ و عہدے کی پرواہ کیئے بغیر اسے سخت سزا دی جاتی تھی ایک مرتبہ اکبر کے دربار میں لشکر خان نشہ کی حالت میں آیا تو سزا کے طور پر اسے کچھ دن قید

رکھا گیا(۳۳)، جہانگیر کے زمانہ میں اس اُصول پر سختی سے عمل کیا جاتا تھا ٹامس رونے لکھا ہے کہ دربار کے چوکیدار اس کا سانس سونگھتے تھے اور اگر کسی نے صرف شراب کو چکھا بھی ہو تو اس کو دربار میں آنے کی اجازت نہیں رہتی تھی(۳۴)

اسی طرح درباریوں کی پوشاک اور لباس کی بھی دیکھ بھال ہوتی تھی ایک مرتبہ عالمگیر کے دربار میں مرحمت خان ایسے لباس میں آیا جو دربار کے شایانِ شان نہیں تھا تو اس بات پر فوری توجہ دی گئی اور بادشاہ نے اسے ایک تنبیہی خط لکھا(۳۵) دربار کے آداب میں سے یہ تھا کہ ہر درباری پگڑی یا ٹوپی پہن کر آئے اور اپنے جوتے باہر چھوڑ آئے یہ ایک مشرقی روایت تھی کہ ادنیٰ اشخاص اپنے سے اونچے درجے کے لوگوں سے جب ملتے تھے تو سر پر ٹوپی ہوتی تھی اور پیر ننگے ہوتے تھے جب بادشاہ دربار میں آکر تخت پر بیٹھ جاتا تھا تو اس کے بعد سے جب تک وہ چلا نہ جائے کسی شخص کو دربار میں آنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی درباریوں کو اجازت نہیں تھی کہ وہ اسلحہ کے ساتھ آئیں یا گلابی یا رنگ پاکی(۳۶) میں آئیں یا سرخ لباس یا نیم آستین پہنے ہوئے یا اپنے کندھوں پر شال یا چادر ڈالے ہوئے آئیں(۳۷)

اکبر نے اپنے عہد میں اس دستور کو شروع کیا کہ جب کوئی شخص بادشاہ کے سامنے درخواست پیش کرے تو اس کے لئے لازم ہے کہ وہ بادشاہ کو پیش کرنے کیلئے کوئی نہ کوئی تحفہ ضرور ساتھ لائے چاہے اس کی قیمت کچھ بھی ہو(۳۸)

دربار کے امراء اور سلطنت کے منصبدار اس وقت سے جبکہ وہ پہلی مرتبہ دربار میں حاضر ہوتے تھے اور جب تک وہ ملازمت میں رہا کرتے تھے مسلسل پابندی کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں "پیشکش" پیش کیا کرتے تھے ممتاز اشخاص جب پہلی مرتبہ بادشاہ کی خدمت میں آتے تو اس موقع پر وہ قیمتی و نادر اشیاء بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتے تھے تاکہ اس کے ذریعہ سے وہ اس کی خوشنودی حاصل کر سکیں۔

باغیوں اور اہم قیدیوں کو دربار میں بادشاہ کے سامنے پیش کیا جاتا تھا اپنے جرم کے اظہار میں؛ جب یہ دربار میں آتے تو تلوار کو گردن میں حمائل کرتے اور اپنے ہاتھوں کو کسی رومال یا کپڑے سے باندھ لیتے تھے جب بادشاہ تلوار کو گردن

سے آمادہ کا حکم دیتا تو یہ جرم کی معافی سمجھی جاتی تھی کامران[۴۰] نے جب خود کو ہمایوں کے حوالے کیا تو اس کے ساتھی ہمایوں کے سامنے اس حالت میں لائے گئے کہ قرچہ خاں سب سے آگے آگے تلوار کو گلے میں ڈالے ہوئے تھا جب وہ اس حالت میں اس چراغ کے پاس پہنچا جو کہ دربار میں جل رہا تھا تو بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کی گردن سے تلوار اتار دی جائے (۴۱) بیرم خاں (۴۲) نے جب خود کو سپرد کیا (۱۵۶۰ء) اور اکبر کے سامنے دربار میں حاضر ہوا تو اس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور تلوار اس کی گردن میں لٹکی ہوئی تھی اس پر نوجوان بادشاہ نے خود اس کے ہاتھوں کو کھولا۔ شہزادہ خسرو (۴۳) بغاوت کے بعد گرفتار ہوا تو اسے اس حالت میں جہاں گیر کے سامنے پیش کیا گیا کہ اس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور بائیں جانب اس کے پیر میں زنجیر پڑی ہوئی تھی اس طریقہ کو تورہ چنگیزی کہا جاتا تھا۔[۴۴]
جب خاص قسم کے سیاسی قیدی دربار میں آتے تو اس موقع پر اسے مخصوص حیثیت کے ساتھ منایا جاتا تھا مثلاً عالمگیر نے اس موقع پر خصوصی دربار کا انعقاد کیا جب سنبھاجی[۴۵] کو اس کے سامنے پہلی مرتبہ گرفتاری کے بعد لایا گیا (۴۶)

دربار میں شاہی تخت کو مقدس سمجھا جاتا تھا (۴۷) اور کسی کو اس بات کی اجازت نہیں ہوتی تھی کہ وہ بغیر اجازت کے اس کے قریب آئے ایک مرتبہ شہزادہ اعظم نے بادشاہ عالمگیر سے کچھ دریافت کیا اور جواب نہ ملنے پر وہ غصہ میں آنا آگے بڑھا کہ اس کے پیروں سے تخت چھو گیا عالمگیر اس بے ادبی پر اسقدر ناراض ہوا کہ اس نے غصہ میں فوراً اپنا دربار چھوڑ دیا (۴۸)

پسندیدہ امراء کو اس بات کی اجازت تھی کہ وہ تخت کے نزدیک کھڑے ہو سکتے تھے مہابت خاں اور آصف خاں شاہجہاں کے دربار میں بائیں اور دائیں جانب کھڑے ہوتے تھے (۴۹) جہاں گیر پہلا حکمران تھا جس نے شاہ جہاں کو دربار میں تخت کے قریب بیٹھنے کو کرسی دی تھی "یہ میرے لڑکے کیلئے ایک خصوصی امتیاز ہے۔ اس سے پہلے کبھی بھی ایسا دستور نہیں رہا تھا" (۵۰) اس کے بعد شاہجہاں نے دارا شکوہ کو اس بات کی اجازت دے دی تھی کہ وہ تخت کے قریب ایک سونے کی کرسی پر بیٹھے (۵۱)

اگر کسی درباری یا امیر کو اس بات کی اجازت دے دی جاتی کہ وہ مجھو کر میں آئے یا تخت کے نزدیک آئے تو اسے ایک بڑے اعزاز کی بات سمجھا جاتا تھا شہزادہ خرم جب میواڑ کی مہم اور دکن کی ریاستوں سے خلاف کامیابی حاصل کرنے کے بعد واپس آیا تو اسے اعزاز دیا گیا کہ وہ تخت سے قریب آئے جہانگیر اس موقع پر تخت سے اٹھ کر اس سے بغل گیر ہوا[۵۲]

دربار میں بادشاہ پوری شان، وقار، اور تمکنت کے ساتھ بیٹھا رہتا تھا اور درباریوں کے سامنے کبھی بھی کسی قسم کی کمزوری ظاہر نہیں کرتا تھا ایک مرتبہ بابر نے دربار میں سفیروں کا استقبال کیا اور اس موقع پر اپنے پیر میں سخت قسم کی ناقابلِ برداشت تکلیف محسوس کی لیکن وہ دربار میں اسی طرح خاموشی سے بیٹھا رہا اور اس نے اپنے جسم کی حرکت یا چہرے سے کسی قسم کی تکلیف اور پریشانی کو ظاہر نہیں ہونے دیا ایک مرتبہ عالمگیر کا گھٹنا اتر آیا اور وہ چلنے کے قابل نہیں رہا اس وجہ سے اس کی آمد سے پہلے تخت سے آگے پردہ ڈال دیا جاتا تھا جب وہ تخت پر بیٹھ جاتا تھا تو اس وقت پردہ اٹھایا جاتا تھا[۵۳]

دربار کی برخاستگی کا اعلان کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ بادشاہ دربار سے رخصت ہو کر پچھلے دروازے سے حرم میں چلا جاتا تھا[۵۴]

دربارِ عام میں رعیت کے تمام افراد کو اس بات کی اجازت ہوتی تھی کہ وہ بلا روک ٹوک آئیں اپنی اپنی شکایات براہِ راست بادشاہ کی خدمت میں پیش کریں[۵۵]

ہمایوں نے اس روایت کی ابتداء کی تھی شاہی ملبوسات کا داروغہ ہر روز دربار میں خلعتیں لاکر تیار رکھے تاکہ جیسے ہی شاہی حکم ہو فوراً ہی اس شخص کو خلعت دے دیا جائے دربار میں بادشاہ کے پاس نقد روپیہ بھی ہمیشہ رہا کرتا تھا[۵۶] بعد کے حکمرانوں نے بھی اس روایت کی کی پابندی کی[۵۷]

مغل حکمران ہمیشہ اس بات کی کوشش کیا کرتے تھے کہ سب سے عمدہ قیمتی بیش بہا اور نادر اشیاء کو حاصل کریں اس وجہ سے عراق خراسان روم، شام، چین اور یورپ کے تاجر مغل دربار میں آتے تھے اور اپنے ساتھ ہیرے جواہرات، زیورات، موتی، اور اپنے ملکوں کی نادر و نایاب اشیاء لے کر آتے تھے دربار میں ہمیشہ ان کا شائقین تھا

استقبال کیا جاتا تھا اور ان کی اشیاء کی منہ مانگی قیمت دی جاتی تھی۔(۵۸)

یہ دستور تھا کہ شہزادے، صوبائی عامل، سلطنت و ریاست کے اعلیٰ عہدیدار یا جاگیردار راجہ غیر ملکی حکمران اور اونچے منصب دار دربار میں اپنا وکیل رکھا کرتے تھے یہ وکیل دربار میں پابندی سے آتے تھے اور یہاں ہونے والے ہر واقعہ کی رپورٹ اپنے آقا کو دیا کرتے تھے ان کا رپورٹ جو دربار کی خبروں پر مشتمل ہوتا تھا وہ "اخبارات دربارِ معلیٰ" کہلاتا تھا اس کے ذریعہ سے وہ اپنے مالک کو ہر قسم کی خبروں سے باخبر رکھا کرتے تھے یہ وکیل اپنے مالک کی غیر حاضری میں اس کی نمائندگی کرتے تھے اور اپنے آقا کے مفادات کا تحفظ کرنا اور اس کیلئے کوشش کرنا بھی ان کا کام تھا اگر کوئی شہزادہ یا امیر زیرِ عتاب ہوتا تھا تو اس کا وکیل بھی اس سے متاثر ہوتا تھا جب اورنگ زیب اور دارا شکوہ میں جھگڑا ہوا تو اس موقع پر اورنگ زیب کے وکیل عیسیٰ خان کو بھی گرفتار کر دیا گیا تھا۔(۵۹)

دربار کی تمام کارروائی کو واقعہ نویس(۶۰) تحریر کرتا تھا یہ واقعہ نویس کا فرض تھا کہ دربار کی کارروائی کے علاوہ بادشاہ کی ہر نقل و حرکت کے بارے میں اطلاع رکھے کہ کب کھانا کھایا مشروبات پیئے کب وہ سویا اور کب بیدار ہوا۔(۶۱) بادشاہ اور درباریوں کے درمیان ہونے والی تمام گفتگو کو واقعہ نویس تحریر میں لے آتا تھا(۶۲) مونسیراٹ یہ دیکھ کر حیران ہو گیا کہ واقعہ نویس بڑی تیزی کے ساتھ دربار کی کارروائی اور گفتگو کو سمجھ رہا تھا اسقدر سرعت سے لکھنا اس کے لیئے ایک تعجب کی بات تھی۔(۶۳)

اگر کوئی بادشاہ کی خدمت میں درخواست پیش کرتا تھا تو اس کو بہ آوازِ بلند پڑھا جاتا تھا ٹامس رو کا خط دوبارہ دربار میں بلند آواز سے پڑھا گیا۔(۶۴)

دربار میں سفیروں کا استقبال

مغل دربار میں جن ممالک سے سفیر آتے تھے ان میں ایران کا شغر روم یمن، حبش، مسقط، مکہ انگلینڈ، ہالینڈ اور پرتگال تھے یہ سفیر یا تو نئے بادشاہ کی تخت نشینی پر مبارک باد کے خطوط لاتے تھے اور یا بادشاہ کی

وفات پر تعزیت کے لیئے، اس کے علاوہ تعلقات کی بہتری، تجارتی ترقی اور سیاسی اغراض بھی ان سفیروں کے مقاصد ہوا کرتے تھے ان سفراء کی آمد اور تبادلہ کیوجہ سے بہت سے سیاسی اور تجارتی امور طے ہوتے تھے اور ان ملکوں سے دوستانہ تعلقات برقرار رکھنے کی کوشش کیجاتی تھی۔

سفیر کی آمد پر دربار میں کافی انتظامات کیئے جاتے تھے جیسے ہی سفیر مغل سلطنت میں قدم رکھتا تھا تو صوبے کے عامل اور حکومت کے عہدیدار اس کو ہر قسم کی سہولت فراہم کرتے تھے اور جہاں جہاں سے وہ گذرتا تھا اس کے آرام و آسائش کا پورا پورا خیال رکھا جاتا تھا جب سفیر اور اس کی جماعت دربار کے نزدیک پہنچتے تو اعلیٰ حکومت کے عہدیدار اور امراء کو ان کے استقبال کے لیئے بھیجا جاتا تھا بازار اور مارکیٹ کو ان کی آمد کے موقع پر خصوصیت سے سجایا جاتا تھا جب وہ پہلی مرتبہ دربار میں آتے تھے تو ان کے اعزاز میں دربار کو خاص طور سے ترتیب دیا جاتا تھا اور اس کی زیب و زینت پر توجہ دی جاتی تھی (٦٥)

سفیر کی رہائش کیلئے کسی اعلیٰ منصبدار یا امیر کی رہائش گاہ منتخب کی جاتی تھی اور وہ امیر اس بات کا ذمہ دار ہوتا تھا کہ مہمان کی خاطر تواضع کرے اور اس کو ہر قسم کی سہولت پہونچائے (٦٦)

سفیر ریاست کے مہمان ہوتے تھے اور ان کے تمام اخراجات بھی ریاست کے خزانے سے ادا کیئے جاتے تھے (٦٧)

دربار میں آنے سے پہلے اسے میر توزک دربار کے آئین و آداب سکھاتا تھا کہ وہ جب بادشاہ کے سامنے جائے تو کس انداز میں اسے آداب کرے کبھی کبھی یہ ہدایات قبول کرلی جاتی تھیں اور کبھی کوئی سفیر ان سے انکار کر دیتا تھا (٦٨) جب وہ دربار میں آتا تو اس کی آمد کا اعلان کیا جاتا تھا اور اس کے رتبہ کے مطابق دربار میں نشست کا انتظام ہوتا تھا شاہ طہماسپ کا سفیر جب اکبر کے دربار میں آیا تو اپنے دو ہاتھوں سے کورنش ادا کی اور تخت کے ایک کونے پر خط رکھ دیا (٦٩) سفیر کا لایا ہوا خط پہلے دربار کا کوئی امیر لیتا تھا اور اسے کھول کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتا تھا، خط کو پڑھنے کے بعد بادشاہ ان تحائف کو وصول کرتا تھا جو سفیر اپنے ہمراہ لاتا تھا (٧٠) کبھی کبھی بادشاہ اس سے اس کے

حکمران کے بارے میں سوالات کرتا تھا، کبھی اس سے سفر کے بارے میں معلومات کرتا تھا اور کبھی اس لائے ہوئے تحفوں کی تعریف میں چند جملے کہتا تھا اگر سفیر کا لایا ہوا خط بادشاہ خود لیتا تھا تو یہ ایک بڑے اعزاز کی بات سمجھی جاتی تھی (۱۷)

سفیر کی پہلی اور آخری ملاقات کے وقت، بادشاہ کی جانب سے اسے خلعت گھوڑے ہاتھی اور نقدی دی جاتی تھی (۲۰) اس کے علاوہ اسے وقتاً فوقتاً قیمتی و بیش بہا انعامات و تحائف دیئے جاتے تھے اپنے قیام کے دوران اسے مختلف امراء دعوتوں پر بلایا کرتے تھے یہ بھی دستور تھا بادشاہ کی مرضی کے بغیر وہ دربار چھوڑ کر واپس نہیں جا سکتا تھا (۲۱) اگر کسی سفیر کو ایک طویل عرصہ کے لیے دربار میں رکھا جاتا تھا تو اس سے بادشاہ کی سرد مہری ظاہر ہوتی تھی اس وجہ سے اکثر غیر ملکی حکمران اپنے خطوں میں اس بات کی درخواست کرتے تھے کہ ان کے سفیروں کو جلدی دربار سے رخصت دے دی جائے۔

مغل حکمران 'ایران' کو اپنے ہم پلہ سمجھتے تھے اس وجہ سے ایرانی سفیر کو اس بات کی اجازت ہوتی تھی کہ وہ دربار میں ایرانی طریقے سے بادشاہ کو آداب بجا لائے (۲۲) جہاں گیر، شاہجہاں اور عالمگیر کے زمانے میں جب ایران سے تعلقات بگڑے تو یہ مراعات ان سے بچانے، عثمانی سفیروں کو دی جانے لگیں بخارا، سمرقند اور کاشغر کے سفیر کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ جو سفیر بڑے اور طاقتور ملکوں سے آتے تھے وہ اپنے حکمرانوں کی برتری کو ثابت کرنے کی پوری پوری کوشش کرتے تھے اور کسی نہ کسی موقع پر شعر، نظم، غزل یا لطیفہ میں اس کا اظہار کرتے تھے دربار کے شعراء اور درباری اس موقع پر فوری طور پر اس کا جواب دیا کرتے تھے اس قسم کے مواقع پر یا تو دربار کا ماحول بہت خوش گوار ہو جایا کرتا تھا یا پھر اس سے تلخی پیدا ہو جاتی تھی (۲۳)

ٹامس رو نے بڑے خوبصورت انداز میں اس ایرانی سفارت کا ذکر کیا ہے جو ۱۶۱۵ء میں جہاں گیر کے دربار میں آئی تھی:

"پہلے کٹہرے پر پہونچ کر اس نے تین مرتبہ تسلیمات ادا کیں اور سجدے کیئے، ..... داخل ہونے کے بعد اس نے پھر اسے دہرایا اس کے بعد شہنشاہ

جہاں گیر کو خط پیش کیا جسے بادشاہ نے جسم کی معمولی حرکت کے ساتھ لیا اور اس سے مرقت آنا پوچھا کہ میرا بھائی کیسا ہے؟"(۷۶)

جہاں گیر نے ایرانی سفیر کو خلعت دیا جس پر اس نے تسلیمات ادا کیں۔ وہ اپنے ساتھ جو تحفے لایا تھا اس میں عربی گھوڑے، خچر، مخمل سے لدے ہوئے اونٹ، ایرانی پردے، مشک، گھڑیاں، قالین، موتی، ایرانی شراب، شفاف میٹھا پانی، خنجر، تلواریں جن پر قیمتی پتھر جڑے ہوئے تھے اور وینس کے بنے ہوئے آئینے تھے(۷۷) اس کے اعزاز میں بادشاہ نے ایک پر تکلف ضیافت دی اور اس کے اخراجات کے لیئے ۲۰ ہزار روپیہ دیئے گئے(۷۸) اس کے علاوہ جہاں گیر نے اسے جواہرات سے مزین زین والا گھوڑا، تلوار اور سونے سے کڑھی ہوئی بغیر آستینوں والی قبا ایک کلغی جس پر پر لگے ہوئے تھے اور پگڑی کا جیغہ اور چالیس ہزار روپے نقد ادا کیئے(۷۹) شاہ عباس کی سفارت کی آمد کے موقع پر (۱۶۶۱ء) جو عالمگیر کے زمانہ میں آئی تھی اس کے استقبال کیلئے محمد امین خاں کو ایک ہزار سواروں کے ساتھ بھیجا گیا اور اس سے کہا گیا کہ سفارت کی آمد کا مقصد دریافت کرے اس موقع پر تمام بازار اور راستے خاص طور سے سجائے گئے تھے، اور جگہ جگہ موسیقی کا انتظام تھا۔ اپنی آمد کے موقع پر اس نے دربار میں ایرانی طریقہ سے آداب کیئے جبکہ دربار کے عہدیداروں نے اسے مجبور کیا کہ وہ مغل دربار کے آداب کے مطابق جھکے اس نے شاہ عباس کا خط دربار میں پیش کیا جسے بادشاہ کے بڑے شہزادے معظم نے لیا اور باآواز بلند اسے دربار میں پڑھا گیا بادشاہ کی جانب سے اسے خلعت پیش کیا گیا اس کے بعد اس نے اپنے تحفے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیئے جن میں گھوڑے، اونٹ، گلاب کا پانی اور قالین شامل تھے(۸۰)

یہ سفیر جب مغل دربار میں آتے تھے تو اپنے اپنے ملکوں کی نادر اشیاء کو ساتھ لاتے تھے ایک مرتبہ ازبک سفیر اکبر کیلیئے کبوتر اور ایک کبوتر باز لایا(۸۱) دیہبد کے حکمران قاسم خواجہ نے جہاں گیر کے لیئے پانچ سفید عقاب بھیجے شریف مکہ کی جانب سے جو سفیر آئے وہ مغل بادشاہ کیلیئے کعبہ کے دروازے کے پردے ساتھ میں لائے(۸۲)

ایک مرتبہ ازبک سفیر نے جہاں گیر کو شکاری کتے پیش کیئے(۸۳)

بادشاہ کے روزمرّہ کے معمولات

مغل بادشاہ بادشاہت کا ایک اعلیٰ تصور رکھتے تھے اس لیئے اپنے روزمرہ کے معمولات کو فرض سمجھتے ہوئے اس کی سختی کیساتھ پابندی کرتے تھے ان کے بادشاہت کے بارے میں جو خیالات تھے ان کی عکاسی ابوالفضل کے ان الفاظ سے ہوتی ہے کہ "خدا کی نظروں میں بادشاہت سے بڑھ کر اور کوئی عظمت و تمکنت اعلیٰ نہیں" مغل بادشاہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ بادشاہت کا تحفہ جو انہیں خدا کی جانب سے ملا ہے اس نے ان کی شخصیت کو افضل اور برتر بنا دیا ہے اس لیئے بادشاہ کے لیئے ضروری ہے کہ وہ نیک اور پاکیزہ زندگی گذارے عقل کو اپنا رہبر بنائے بیکار اور معمولی باتوں میں اپنا وقت ضائع نہیں کرے اپنی خواہشات کو اپنا تابع رکھے سزاؤں اور انعامات کے دینے میں زیادتی نہ کرے تمام رعیت پر نگاہ رکھے اور ان کی ہر معاملہ میں راہنمائی کرے انصاف قائم کرے اور اپنی رعیت کو خوش رکھے سچائی کو قبول کرے اور لائق و قابل لوگوں کی عزت کرے (۸۶)

اس نظریہ بادشاہت پر عمل کرتے ہوئے مغل بادشاہ سلطنت کے تمام امور اور انتظامات کی ذاتی طور پر نگہداشت کرتے تھے اور رعیت کے معاملات میں ذاتی دلچسپی لے کر انہیں حل کرتے تھے اس لیئے ان کی زندگی ایک بھرپور زندگی ہوتی تھی وہ اپنے روزمرہ کے معمولات اس انداز میں ترتیب دیتے تھے کہ بادشاہ کی حرفیت ہر جگہ اور ہر معاملہ میں ضروری سمجھی جاتی تھی عوام بھی اس بات کے عادی ہو چکے تھے کہ بادشاہ اپنے روزمرہ کے معمولات کو پابندی سے ادا کرتا رہے اس لیئے اس کی غیر حاضری ان کے دلوں میں شک و شبہات پیدا کرتی تھی اس لیئے بادشاہ بھی اس بات پر مجبور تھا کہ بیماری و جسمانی کمزوری کے باوجود اپنے روزمرہ کے معمولات کو پابندی سے ادا کرتا رہے کیوں کہ اس کی صحت کی خرابی کی افواہ نہ صرف تمام انتظام میں خرابی پیدا کر دیتی تھی بلکہ اس سے بغاوت کے خطرات بھی بڑھ جاتے تھے وہ اپنے روزمرہ کے معمولات صرف انتہائی سخت بیماری یا کسی حادثہ یا شاہی خاندان میں موت، میں تبدیل کرتا تھا اکبر۔ اپنے دورِ حکومت کے

طویل ترین عہد میں صرف چند بار اپنے معمولات کو پورا نہیں کر سکا جہانگیر نے بھی سختی سے اپنے پورے دورِ حکومت میں اپنے روزمرہ کے معمولات کو پورا کیا اس نے اپنے بارے میں لکھا ہے کہ انتہائی کمزوری کے وقت بھی میں جھروکے میں جاتا رہا اگرچہ میں انتہائی تکلیف اور صدمہ کی حالت میں تھا لیکن میں نے اپنے مقرر شدہ اصولوں کی پابندی کی (۸۷) شاہجہان بیماری کی وجہ سے اپنے مقرر شدہ روزمرہ کے معمولات کو پورا نہیں کر سکا جس کی وجہ سے اس کے بارے میں افواہیں پھیلیں، خانہ جنگی ہوئی اور اس کے نتیجہ میں اسے اپنے تخت و تاج سے ہاتھ دھونا پڑا۔ عالمگیر جب بادشاہ بنا تو اس حقیقت سے واقف تھا کہ ذرا سی تبدیلی کس قدر انقلابی تبدیلیاں لاسکتی ہے اس لئے اس نے اپنے پورے دورِ حکومت میں اپنی انتہائی بیماری کے وقت بھی اپنے روزمرّہ کے معمولات کو تبدیل نہیں کیا اور ان پر پابندی سے عمل کیا (۸۸)

بادشاہ کے روزمرّہ کے معمولات سے اس بات کا بھی پتا چلتا ہے کہ بادشاہ ذاتی طور پر انتظامِ سلطنت کے ہر معاملہ میں اور ہر امور میں دلچسپی لیتا تھا اور دیوان[(۸۹)] میر بخشی، خان ساماں[(۹۰)] اور دوسرے اعلیٰ شہری و فوجی افسروں کے مشورے سے اہم معاملات کا فیصلہ کیا کرتا تھا وہ ان کے ساتھ تمام سیاسی، سماجی و معاشرتی، اور مذہبی معاملات میں بحث و مباحثہ کیا کرتا تھا شاہی خاندان کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے وہ ان کے معاملات کی بھی دیکھ بھال کرتا تھا۔ اور حکومت کے اداروں کے ذریعے سے اسے تمام ملک کے حالات اور رعایا کے معاملات کی خبر ہوا کرتی تھی۔

اکبر پہلا مغل بادشاہ تھا جس نے روزمرہ کے معمولات کو سخت اصولوں سے ترتیب دیا اس کے دن رات کا ہر لمحہ کسی نہ کسی ریاست کے کام کیلئے مقرر تھا اس کے مقررہ کے اوقاتِ کار سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی زندگی کس قدر مصروف تھی وہ صبح سویرے اٹھا کرتا تھا کچھ وقت جسمانی صفائی اور لباس پر صرف کرتا اور سورج کے طلوع ہونے پر وہ جھروکہ درشن کیلئے آتا (۹۱) اس سے عام لوگوں کو ایک بہترین موقع مل جاتا تھا کہ وہ بادشاہ کا دیدار بھی کرتے، اور براہ راست اس تک اپنی شکایات بھی پہونچاتے تھے اس سے بادشاہ کی عوام تک رسائی ہوتی تھی (۹۲)

کبھی کبھی وہ جھروکہ سے ہاتھیوں کی لڑائی اور دوسرے تماشے دیکھتا تھا ورنہ جھروکہ درشن سے بعد وہ فیل خانہ جاتا اور وہاں شاہی ہاتھیوں کی حالت اور اس شعبہ کے انتظامات کو دیکھتا تھا اس کے بعد وہ صبح کا دربار کرتا جو کہ عوام کیلئے کھلا ہوتا تھا وہ ساڑھے چار گھنٹے انتظامی معاملات اور دن میں ہونے والے کاموں پر صرف کرتا دوپہر کو وہ پھر دربار میں آتا اور ساڑھے چار گھنٹہ یہاں صرف کرتا وہ شاہی کارخانوں کی دیکھ بھال کرتا اور جو اہم معاملات ہوتے ان کے بارے میں فیصلہ کرتا اس کے معمولات میں ذرا سی تبدیلی کا اعلان نقارہ بجاکر کیا جاتا تھا اس کے بعد وہ حرم میں چلا جاتا اور شاہی خواتین کے مسائل حل کرتا (۹۳) تمام کے دربار میں ماحول دوستانہ ہوا کرتا تھا اس موقع پر وہ علماء اور فضلا سے بحث مباحثہ کرتا اور مختلف موضوعات پر گفتگو کرکے اپنے علم میں اضافہ کرتا کبھی کبھی اہم معاملات پر یہاں بھی بحث ہوتی اور انہیں مشورہ سے طے کیا جاتا رات کے آخری حصہ میں وہ تھوڑی سی موسیقی سننے کے بعد آرام کے لئے خوابگاہ میں جاتا تھا (۹۴)

جہانگیر، شاہجہان اور عالمگیر نے ان معمولات کی ذرا سی تبدیلی کے ساتھ، پابندی کی ہمیں معاصر تاریخوں سے شاہجہان کے روزانہ کے معمولات کے بارے میں پوری تفصیلات ملتی ہیں جنھیں وہ سختی کے ساتھ پورا کیا کرتا تھا، وہ صبح سویرے جلدی اٹھا کرتا تھا اور فجر کی نماز محل کی مسجد میں ادا کرتا تھا اس کے بعد جھروکہ درشن کے لئے آتا تھا[(۹۵)] اور جھروکہ میں دو گھڑی رہا کرتا تھا اس وقت میں کبھی کبھی تبدیلی بھی ہوتی رہتی تھی (۹۶) جھروکہ کے سامنے ایک کھلا ہوا میدان تھا جہاں تفریح کے لئے تماشہ و کھیل ہوا کرتے تھے مثلاً موسیقی رقص، ہاتھیوں اور دوسرے جانوروں کی لڑائی جادوگروں اور نٹوں کے کرتب شاہی فوج کے افسران اور سپاہیوں کی پریڈ وغیرہ یہاں پر لوگ اپنی درخواستیں بغیر کسی رکاوٹ کے براہ راست بادشاہ کو دیا کرتے تھے (۹۷) ابن حسن کا خیال ہے کہ شاہجہان اکبر کی طرح براہ راست درخواستیں نہیں لیتا تھا بلکہ پہلے سرکاری عہدیدار اسے لیا کرتے تھے اور بعد میں "دولت خانہ" یا خلوت خانہ میں وہ بادشاہ کے ملاحظہ کیلئے پیش کی جاتی تھیں (۹۸) جھروکہ درشن کے بعد دربار عام منعقد کرتا تھا جس میں صدر میرساماں،

دیوانِ بیوتات[٩٩] میر آتش[١٠٠] مشرف توپ خانہ[١٠١] اور مختلف شعبوں کے بخشی ہوا کرتے تھے وہ دربار میں یہ تخت کے قریب کھڑے ہوتے تھے اور اپنے اپنے مقدمات و معاملات بادشاہ سے ملاحظہ کیلئے پیش کرتے تھے بادشاہ تمام کاغذات کو خود ملاحظہ کرتا تھا اور اس موقع پر ترقی، تنخواہ کا اضافہ اور تقرری کے معاملات کا فیصلہ کیا جاتا تھا صوبوں سے آئی ہوئی رپورٹیں پڑھی جاتی تھیں اور شاہی فرامین تحریر کئے جاتے تھے اس کے بعد وہ شاہی ہاتھی گھوڑے اور دوسرے جانوروں کو دیکھتا تھا کہ انہیں مناسب غذا دی جاتی ہے یا نہیں[١٠٢]

اس کے بعد وہ غسل خانہ یا خلوت خانہ میں جاتا تھا[١٠٣] شاہجہاں اس جگہ دن میں دو مرتبہ دربار کیا کرتا تھا ایک مرتبہ صبح کے وقت دربارِ عام کے فوراً بعد اور دوسرا شام کے وقت۔ یہاں وہ ان پر معاملات پر بات چیت کرتا تھا جو دربارِ عام میں پیش نہیں کئے جا سکتے تھے اس جگہ پر مختلف صوبوں کے لئے عاملوں کا تقرر ہوتا تھا، تمام شاہی فرامین کو خود پڑھتا تھا۔ اور اگر کہیں کوئی غلطی ہوتی تھی تو اسے ٹھیک کرتا تھا یہ فرامین اس کے بعد اوزک مہر سے سر بمہر کرائے جاتے تھے، صدر، ان ضرورت مند اور حاجت مند افراد کے مقدمات بادشاہ کے سامنے پیش کرتا تھا، جو دیوانِ عام میں لوگوں کے سامنے نہیں آنا چاہتے تھے ان لوگوں کو بادشاہ مدد معاش کے طور پر وظیفہ مقرر کرتا تھا کبھی کبھی وہ مذہبی اور دنیاوی موضوعات پر گفتگو کرتا تھا وہ فن کے ان نمونوں کو بھی دیکھتا جو شاہی کارخانے میں تیار ہوتے تھے ان میں مصوری اور خطاطی کے شاہکار بھی شامل ہوتے تھے وہ نئی عمارتوں کے نقشے دیکھتا جو کہ تعمیر کے مراحل میں ہوتی تھیں اور اگر ضرورت ہوتی تو ان میں تبدیلیوں کی جانب توجہ دلاتا اس کے مشورے فوراً انجینیوں تک پہونچا دیئے جاتے تھے جو اس کی ہدایات کے مطابق عمارت میں ردّ و بدل کیا کرتے تھے۔

اس کے سامنے ہیرے و جواہرات، زیورات، تلواریں، پرندے جانور ملاحظہ کیلئے لائے جاتے تھے وہ تقریباً دو گھنٹہ غسل خانہ میں گذارتا تھا[١٠٤]

غسل خانہ کے بعد وہ شاہی برج جایا کرتا تھا جو دہلی آگرہ اور لاہور

میں تھے ۔ ابتداء میں یہاں صرف شہزادوں کو اجازت تھی کہ وہ بادشاہ کے ہمراہ رہیں لیکن اس کے بعد وزراء، وکلاء اور دوسرے اعلیٰ عہدیداروں کو اس بات کی اجازت دے دی گئی کہ وہ یہاں آکر ان معاملات پر گفتگو کریں جنھیں لوگوں کے سامنے بیان نہیں کیا جا سکتا یہیں پر صوبائی عاملوں کے نام انتہائی اہم فرامین لکھے جاتے تھے وہ شاہ برج میں تین گھڑی گذارتا تھا اس کے بعد وہ حرم میں چلا جاتا تھا اور شاہی خواتین کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھاتا اور کچھ دیر قیلولہ کرتا ۔ ظہر کی نماز کے بعد، ممتاز محل غریب اور محتاج خواتین کے مقدمات ملاحظہ کیلئے پیش کرتی جنھیں وہ وظیفہ جاگیر یا نقدی انعام میں دیتا اگر کوئی لڑکی ہوتی جس سے جہیز کا انتظام نہیں ہو سکتا تھا تو اس کے لئے رقم دی جاتی اور بعض اوقات ایسی لڑکیوں کی شادی کا انتظام بھی کیا جاتا تھا وہ حرم میں عصر کی نماز تک ٹھہرتا تھا جو وہ مسجد میں ادا کرتا اور اس کے بعد دوبارہ غسل خانہ میں آتا تھا کبھی کبھی وہ شاہی دستہ کو ملاحظہ کرتا تھا شام میں غسل خانہ میں چراغاں ہوتا تھا اور بادشاہ موسیقی یا ہرنوں کی لڑائی سے لطف اندوز ہوتا تھا۔

۸ بجے رات کو عشاء کی نماز پڑھ کر وہ دوبارہ شاہ برج میں جاتا تھا جہاں بخشی اور وکیل بقایا مقدمات کو فیصلہ کے لیئے پیش کرتے تھے اس کے علاوہ حرم میں جا شام کا کھانا کھاتا اور تقریباً ایک گھنٹہ تک موسیقی سنتا، اسے مغل کا کشمیری اور ہندی راگ و گیت بہت پسند تھے جب وہ خوابگاہ میں جاتا تو خوش الحان قاری اسے تاریخ اور پیغمبروں حکمرانوں اور بڑے لوگوں کی زندگی کے حالات پڑھ کر سناتے تھے۔ وہ ظفر نامہ بابر نامہ اور اکبر نامہ بڑے شوق سے سنا کرتا تھا جمعہ کے دن کوئی دربار نہیں لگا کرتا تھا اور اس دن چھٹی منائی جاتی تھی(۵)

عالمگیر بھی اپنے روزانہ کے معمولات میں بڑی سختی سے پابندی کرتا تھا اور اعصابی طور پر انتہائی طاقت ور شخص تھا اور اپنی بیماری یا کمزوری کو کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیتا تھا وہ صبح سویرے جلدی اٹھتا تھا فجر کی نماز پڑھتا اور اس کے بعد تلاوت میں مصروف ہو جاتا اور تسبیح پڑھتا ساڑھے آٹھ بجے وہ جھروکہ درشن کیلئے آتا جو بعد میں اس نے ختم کروا دیا(۱۰۶)

وہ صبح کا دربار ساڑھے نو بجے منعقد کرتا جہاں بخشی اپنے متعلقہ محکموں کی رپورٹ اس کے ملاحظہ کے لیئے پیش کرتے جنہیں وہ خود پڑھتا تھا دیوانِ عام سے وہ دیوانِ خاص میں آتا اور یہاں وزراء سے امورِ سلطنت پر بات چیت کرتا اس موقع پر تقرری اور تبادلہ کے فرامین بھی جاری کئے جاتے یہاں سے وہ حرم میں چلا جاتا دوپہر کا کھانا کھاتا اور کچھ دیر آرام کرتا ظہر کی نماز کے بعد وہ پھر خلوت خانہ خاص میں آتا اور ان کاغذات پر دستخط کرتا جو دیوان اس کے ملاحظہ کیلئے لاتا تھا۔ عصر کی نماز کے بعد وہ پھر انتظامی معاملات میں معروف ہو جاتا اور یہ سلسلہ مغرب تک رہتا اکثر وہ یہاں پر مذہبی مسائل پر گفتگو کرتا تھا اور کبھی کبھی قصہ خوانوں سے قصے سنتا یا سیاحوں سے ان کے سفر کے مشاہدات عشاء کی نماز کے بعد دربار برخاست کر دیا جاتا تھا اور وہ حرم میں چلا جاتا تھا جہاں وہ کچھ پڑھتا اور آدھی رات کے وقت سو جاتا تھا[۱۰۷] وہ صرف تین گھنٹے سویا کرتا تھا۔[۱۰۸]

چوتھا باب

تقریبات تہوار تفریحات اور شاہی جلوس۔

تقریبات، تہوار، تفریحات اور شاہی جلوس دربار کی شان و شوکت اور بادشاہ کی عظمت کے لئے انتہائی ضروری خیال کئے جاتے تھے اور بادشاہ کو اس بات کا موقع فراہم کرتے تھے کہ وہ اپنی دولت اور اپنے جاہ و جلال کا مظاہرہ کرے تاکہ عوام میں اس کے لئے احترام اور عقیدت کے جذبات پیدا ہوں اس چیز کو ذہن میں رکھتے ہوئے ابوالفضل لکھتا ہے کہ:

"حکمران جشن منانے کے مواقع تلاش کرتے ہیں اور ان کو اپنی فیاضی اور بخشش کے اظہار کے لئے استعمال کرتے ہیں۔" (۱)

2058

دربار کی تمام تقریبات بڑے اہتمام سے منائی جاتی تھیں چاہے بادشاہ اور اس کا دربار دارالحکومت میں ہو یا سفر میں اکبر نے جہاں اپنے دور حکومت میں اور تبدیلیاں و اصلاحات کیں وہاں اس نے رسومات و تقریبات اور تہواروں میں بھی اضافے کئے۔ خاص طور سے ایرانی اور ہندوستانی تہواروں کو اس نے دربار کی تقریبات میں شامل کیا جیسے جشن نوروز، جس کی ابتداء ۱۵۸۲ء میں ہوئی اور تولدان یا جشن وزن جو ۱۵۶۵ء سے شروع ہوا۔

ان تقریبات کے پس منظر میں بھی نظریہ بادشاہت کارفرما تھا کیوں کہ ان کے ذریعے بادشاہ کو اس بات کا موقع ملتا تھا کہ وہ اپنی شخصیت کو مزید اجاگر کرے تاکہ

عوام کے دلوں میں اس کی قوت وہیبت کی دھاک بیٹھ جاتے ۔ دربار کی ان تقریبات کے اصول اور ضوابط مقرر تھے اور بادشاہ اور درباری ان پر پابندی سے عمل کرتے تھے ان سے ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ امراء بادشاہ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ بلا تکلف ماحول میں شریک ہوتے تھے اور بادشاہ اس میل ملاپ کے ذریعے ملک کے حالات اور انتظام سلطنت کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرتا تھا اکبر نے خصوصیت سے ہندوستانی تہواروں کو دربار کی تقریبات کا ایک حصہ بنا کر اپنی صلح کل کی پالیسی اور متحدہ قومیت کے نظریہ کو پھیلایا کیوں کہ ان متحدہ تہواروں کی وجہ سے مسلمان وہندو امراء میں یگانگت ومعرکتی بڑھی اور اس کا اثر عوام پر بھی ہوا جنھوں نے مغل حکمرانوں کو غیر ملکی کے بجائے ہندوستانی سمجھنا شروع کردیا اکبر نے ایرانی وہندوستانی رسومات اور تقریبات کو اس لیئے بھی اختیار کیا کہ خالص اسلامی تقریبات کی نوعیت معاشرتی وسماجی سے زیادہ مذہبی ہوا کرتی تھی اور ان تقریبات سے دربار اور بادشاہ کی ذات کا جاہ وجلال اور شان وشوکت کا اظہار بھی نہیں ہوا کرتا تھا۔

اگرچہ نوروز کا تہوار مسلمان علماء میں باعث اختلاف رہا لیکن اس اختلاف کے باوجود یہ تہوار اہتمام کے ساتھ منایا جاتا رہا ۔ ہندوستانی تقریبات اور تہواروں کو بھی متشدد مسلمان علماء نے قبول نہیں کیا لیکن ان تہواروں نے دربار کی زندگی کو جو رونق بخشی اور امراء و رعیت کی ثقافتی ومعاشرتی زندگی پر جو اثرات ڈالے وہ مثبت ثابت ہوئے اور ان کی جڑیں اسقدر گہرائی میں چلی گئیں کہ مخالفت اور سیاسی تبدیلیوں کے باوجود یہ رسومات آخر تک مغل دربار کا حصہ رہیں۔

مغل دربار کا یہ دستور تھا کہ ان تمام تقریبات کے موقعوں پر درباری بادشاہ کیلئے نذر(۲) اور پیش کش(۳) لاتے تھے بادشاہ بھی ان مواقع پر درباریوں اور امراء کو قیمتی تحفے دیتا خطابات عنایت کرتا جاگیریں عطا کرتا اعلیٰ منصب پر ترقی دیتا اور ان کی تنخواہیں اور مشاہرے بڑھاتا(۴) اس لحاظ سے یہ تقریبات بادشاہ کو یہ مواقع فراہم کرتیں کہ وہ اپنے امراء کی خدمات کا اعتراف کرے جو انہوں نے اس کی شخصیت اور سلطنت کیلئے کی تھیں اور ان خدمات کے صلے میں انہیں انعامات سے نوازے یہ تقریبات محل میں بھی خوشگوار تبدیلی لاتی تھیں

محل کی خواتین ان میں بطور خاص حصہ لیتیں اور ماہر رقاصاؤں اور گانے والیوں کے رقص و گیتوں سے لطف اندوز ہوتیں بادشاہ ان مواقع پر خواتین میں بھی تحفے و خلعتیں تقسیم کرتا(۵) اس لیے ان تقریبات کی اہمیت صرف ثقافتی اور سماجی ہی نہیں ہوتی تھی بلکہ ان میں سیاسی مقاصد بھی پورے ہوتے تھے بادشاہ اپنی فیاضی کے ذریعے امراء میں مقبولیت حاصل کرتا تو امراء نذر اور پیش کش دیگر بادشاہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ مغل دربار میں ہم دو قسم کے تہوار اور تقریبات دیکھتے ہیں مذہبی اور سماجی و ثقافتی۔ مذہبی تہواروں کا تعلق مسلمانوں سے تھا جیسے عید الفطر، عید الاضحیٰ، جشن عید میلاد النبیؐ اور شب معراج وغیرہ، یہ تہوار مسلمان امراء اور عوام سے مذہبی جذبات کا اظہار کرتے تھے جب کہ ثقافتی و سماجی تقریبات مثلاً نوروز، جشن صحت و فتح و تولدان ہندو اور مسلمانوں کو باہم ملاتے تھے ہندوؤں کے مذہبی تہوار ہولی، دیوالی اور دسہرہ بھی دربار میں منائے جاتے تھے مگر ان کی حیثیت مذہبی سے زیادہ ثقافتی ہو اکرتی تھی۔

اکبر سے لیکر شاہجہاں کے زمانہ تک سب سے زیادہ شان و شوکت سے منایا جانے والا تہوار نوروز تھا عالمگیر نے اس میں تبدیلی کی اور عیدین کو نوروز سے زیادہ شوکت و اہتمام سے منانا شروع کیا اور کچھ تہوار غیر اسلامی ہونے کی وجہ سے ختم بھی کر دیئے اس لیئے دربار کی زندگی پر اثر پڑا اکبر کے زمانے میں دربار میں جو رنگینی و دلکشی تھی وہ عالمگیر کے زمانہ میں نہیں رہی۔

جشنِ نوروز(۵)

جشنِ نوروز ایک قدیم ایرانی تہوار تھا جو کہ پہلی فروردین (ایرانی سال کا پہلا مہینہ) پر جب کہ بہار کا موسم شروع ہوتا تھا سات روز تک انتہائی خوشی و مسرت کے ماحول میں منایا جاتا تھا(۶) نوروز کے جشن کا اعلان شاہی نوبت خانے میں نقارے بجا کر کیا جاتا تھا اس موقع پر میناروں گنبدوں اور شاہی محل کے تمام حصوں پر رنگین چراغاں کیا جاتا تھا مختلف رنگوں سے جھلکتی ہوئی جب روشنی آتی تو ایسا محسوس ہوتا کہ تمام میدان پھولوں سے ڈھکا ہوا ہے موسم بہار کی آمد کا اعلان کرنے کے

لئے جگہ جگہ سبز جھنڈے اور جھنڈیاں لگائی جاتی تھیں فوج کا جلوس شہروں کی شاہراہوں اور گلیوں سے گذرتا تھا اس موقع پر تمام مکانات پر مختلف رنگوں سے رنگ کیا جاتا تھا اور جگہ جگہ خوبصورت کڑھے ہوئے پردے دیواروں پر ڈالے جاتے تھے سپاہی بھی رنگ برنگی وردیوں میں ملبوس، چمکدار تلواریں، ڈھالیں اور تیر کمان لئے ہوئے ہوتے تھے ہاتھیوں کو خاص طور سے زیورات سے سجایا جاتا تھا اور ان کی پشت پر ہودے رکھے ہوئے ہوتے تھے مانرق نے ان ہاتھیوں کو دیکھ کر اپنے تاثرات کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے :

"یہ اپنی سونڈھوں میں تیز دھاروں والی تلواریں لئے ہوئے ہوتے ہیں... اگرچہ اس شکل میں یہ ڈر اور خوف پیدا کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود جب کوئی ان ہودوں پر نظر ڈالتا ہے جہاں رنگ برنگے جھنڈے فضا میں لہراتے ہوتے ہیں تو اس کے لئے یہ ایک دل خوش کن اور پرمسرت نظارہ ہوتا ہے" (۷) "موتے سیوائٹ" نے نوروز کی تقریبات کے بارے میں لکھا ہے کہ " ہر روز کھیل تماشے ہُوا کرتے تھے، بادشاہ ایک سونے کے تخت پر جلوہ افروز ہوتا تھا جس پر سیڑھیاں چڑھ کر جایا جاتا تھا (۸)

تقریبات کے دوران ایک دن عوام کے لیے مخصوص تھا اور انہیں دربار میں آنے کی اجازت ہوا کرتی تھی۔ دوسرے دنوں میں صرف امراء دربار میں آسکتے تھے۔ اس موقع پر کچھ امراء دور دراز کے صوبوں سے آتے تھے تاکہ جشن میں شرکت کر سکیں، تقریب کے پہلے اور آخری دن پر تحفے فیاضی کے ساتھ تقسیم کئے جاتے تھے (۹)

۱۵۸۲ء میں اکبر نے اس روایت کی ابتداء کی کہ تقریب کے ہر دن ایک امیر پرتکلف دعوت کا انتظام کرے اور بادشاہ کو اس دعوت میں بلا کر اس کی خدمت میں قیمتی تحفے پیش کرے (۱۰)

نوروز کی تقریب کا ایک دلچسپ حصّہ مینا بازار کا انعقاد تھا یہاں پر مختلف اُمراء کو مختلف اسٹال تقسیم کر دیئے جاتے تھے وہ رنگ برنگے شامیانے کھڑے کرکے ان میں دلچسپ اور خوبصورت اشیاء بادشاہ کے ملاحظہ کے لئے رکھتے بادشاہ ان اسٹالوں کا معائنہ کرتا جو سب سے خوبصورت سجا ہوتا اس کی تعریف کرتا اکبر کے عہد میں میر فتح اللہ شیرازی

نے جسے سائنس سے شوق تھا اپنے اسٹال پر سائنس کے مختلف آلات رکھے تھے (۱۱) شاہی خواتین اور امراء کی بیگمات کے لیئے بھی علیحدہ سے مینا بازار لگا کرتا تھا اس بازار میں تمام دکاندار اور خریدار اعلیٰ خاندان کی عورتیں ہوا کرتی تھیں اور کسی مرد کو اس بازار میں آنے کی اجازت نہیں تھی صرف بادشاہ اس سے مستثنیٰ تھا ایک یورپی سیاح نے اس بازار کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"بادشاہ اور اس کی بیگمات اگر دکاندار عورت سے خوش ہو جاتے تو چیز کی قیمت دوگنی ادا کرتے (۱۲)

جہاں گیر نے اپنی تخت نشینی کے بعد نوروز کی پہلی تقریب بڑی دھوم سے منائی مختلف فرقوں سے تماشہ دکھانے والے اور گانے والے جمع تھے خوبصورت رقاصائیں اور تماشہ دکھانے والیاں کہ جن کے لمس سے فرشتہ بھی دل تھام لیں محفل کی رنگینی بڑھائے ہوئے تھیں (۱۳) شاہ جہاں نے بھی نوروز کی پہلی تقریب پر بڑا اہتمام کیا اور عظیم الشان شامیانہ "دل بادل" خاص طور سے لاہور سے لایا گیا اور دیوان عام کے صحن میں نصب ہوا اور اس کے اندرونی حصّہ کو یورپی ترکی اور چینی پردوں سے سجایا گیا بادشاہ نے اس موقع پر قیمتی تحفے انعام میں دیئے اور غریبوں میں صدقہ و خیرات تقسیم کی گئی (۱۴)

عالمگیر نے اپنی تخت نشینی کے کچھ عرصہ بعد نوروز کے تہوار کو ختم کر دیا اور اس کے بجائے عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ اور رمضان کے دنوں میں افطار کی تقریب کو ترجیح دی گئی (۱۵) اس نے شہزادوں کو بھی نوروز کی تقریب کرنے سے منع کر دیا ایک مرتبہ اسے خبر ملی کہ اس کے بڑے لڑکے نے نوروز کا تہوار منایا ہے تو اس نے اسے لعنت ملامت سے بھرا خط لکھا کہ:

ہمیں معتبر اور باوثوق ذرائع سے اطلاع ملی ہے کہ اس نے اس سال نوروز کا جشن منایا ہے جو کہ وحشی ایرانیوں کا تہوار ہے اس کو خدا کے نام پر اپنے اصولوں، روایات، اور دستور کا پابند ہونا چاہیے اور کوئی نئی روایت نہیں اختیار کرنی چاہیے۔" (۱۶)

جشنِ وزن

جشنِ وزن یا تولدان کی تقریب مغل بادشاہ سال میں دو مرتبہ
اپنی شمسی و قمری سالگرہ کے موقعوں پر کیا کرتے تھے اس موقع پر بادشاہ قیمتی اور بیش بہا اشیاء
اور اناج میں تُلا کرتا تھا جو پورے سال غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم ہوتا رہتا تھا (۱۷)
جہانگیر کے زمانہ میں یہ پیسہ عوامی اور رفاہی کاموں میں مثلاً سڑکوں یا پلوں کی تعمیر وغیرہ پر خرچ
ہوا کرتا تھا (۱۸) جشنِ وزن کی تیاری دو مہینہ پہلے سے شروع کر دی جاتی تھی اس موقع پر شاہی
محل کو سجایا جاتا تھا اور اس میں خوبصورت و رنگین شامیانے نصب کئے جاتے تھے عوام
بھی اس تقریب کو دعوتوں، موسیقی رقص اور آتش بازی کے ساتھ منایا کرتے تھے اور دربار
میں بہترین رقاصاؤں گلوکاروں کو اپنے کمالات دکھلانے کے لئے بلایا جاتا تھا (۱۹)
شمسی سالگرہ کے موقع پر بادشاہ بارہ قسم کی اشیاء میں تُلا کرتا تھا مثلاً سونا پارہ ریشمی کپڑا خوشبوئیں
تانبا، سرمۂ توتیہ، مصالحہ، گھی چاول دودھ سات قسم کے اناج اور نمک ان کے علاوہ بادشاہ
کی عمر کے حساب سے اتنی تعداد میں بھیڑیں بکریاں پرندے غریبوں میں تقسیم کئے جاتے تھے۔
پرندوں کو قید سے آزاد کیا جاتا تھا قمری سال کے موقع پر وہ آٹھ قسم کی اشیاء میں تُلا کرتا
تھا مثلاً چاندی، کپڑا، سیسہ، ٹن، پھل، مٹھائی ترکاریاں اور سرسوں کا تیل (۲۰)
جس ترازو میں بادشاہ تُلا کرتا تھا وہ سونے کی بنی ہوتی تھی ترازو میں
بیٹھنے کے وقت کا تعین دربار کے نجومی کیا کرتے تھے جب وہ ترازو میں بیٹھتا تھا تو
اس کے دونوں سروں کو کوئی ودّ ذی رتبہ اشخاص پکڑ کر کھڑے ہوتے تھے اور بادشاہ کے حق
میں دعا پڑھتے تھے (۲۱) اس کے بعد وزن لکھا جاتا تھا اگر وزن پچھلے سال سے زیادہ ہوتا
تو حاضرینِ دربار اس پر خوشی کا اظہار کرتے تھے (۲۲) اس موقع پر دربار کے حکیم بھی اس کی
صحت کے بارے میں اپنی رائے تحریر کرتے تھے (۲۳) جہانگیر کے زمانے میں اس کے وزن کی
اشیاء حرم سے شاہی خواتین بھیجا کرتی تھیں اس کے وزن کی تقریب اکثر اس کی ماں کے محل
میں ہوا کرتی تھی وہ کپڑا جس میں ہر سال سالگرہ کی گٹھان لگائی جاتی تھی وہ بھی حرم میں

محفوظ رہتا تھا(۲۴)

تقریب کے بعد بادشاہ تخت پر بیٹھتا تھا اور سونے و چاندی کے پھل درباریوں میں تقسیم کئے جاتے تھے(۲۵)، اس موقع پر ضرب کرائے گئے چاندی کے سکے بھی عوام میں بطور خیرات پھینکے جاتے تھے(۲۶) آدھی رات کو شراب کی محفل منعقد ہوتی تھی جس میں صرف خاص خاص امراء بلائے جاتے تھے ٹامس رو نے ایسی ہی ایک محفل میں شرکت کی تھی لیکن شراب اس قدر سخت تھی کہ وہ اسے پی نہیں سکا(۲۷)

اس موقع پر شاہی ہاتھی اپنے زیورات سے مزین بطور ملاحظہ سامنے سے گذرتے تھے ٹامس رو اس موقع پر لکھتا ہے کہ "وہ تمام بادشاہ کے سامنے جھکتے تھے اور بڑے خوبصورت انداز میں آداب بجالاتے تھے یہ ایک ایسا منظر تھا جو میں نے اس سے پہلے کسی دوسرے جانور میں نہیں دیکھا تھا"(۲۸) جشن کی خوشی میں بادشاہ ایک پرتکلف ضیافت کا انتظام کرتا تھا جس میں سلطنت کے بڑے منصبدار شریک ہوتے تھے(۲۹) یہ تقریبات پانچ دن تک جاری رہتی تھیں(۳۰) شہزادے سال میں ایک مرتبہ اپنی شمسی سالگرہ کے موقع پر تلا کرتے تھے ان کے وزن کی پہلی تقریب بارہ سال کی عمر میں ہوا کرتی تھی پہلی تقریب میں وہ صرف ایک چیز کے مقابل تلا کرتے تھے اس کے بعد ہر سال ایک شے کا اضافہ ہوتا رہتا تھا یہاں تک کہ تعداد ۱۲ تک پہونچ جاتی تھی، لیکن ۱۲ اشیاء سے زیادہ میں تلنے کی اجازت نہیں تھی(۳۱)

ان تقریبات کے علاوہ جشنِ صحت، جشنِ گلابی، جشنِ تاجپوشی اور جشنِ ماہتابی بھی اہتمام سے منائے جاتے تھے مسلمانوں کے مذہبی تہواروں، عیدین، شب معراج اور عید میلاد النبی کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کے تہوار، ہولی، دیوالی، دسہرہ اور بسنت بھی دربار میں جوش و خروش سے منائے جاتے تھے۔

ان تہواروں اور تقریبات کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں اور ہندوؤں میں چاہے ان کا تعلق امراء کے طبقہ سے ہو یا عوام سے مذہبی تشدد کی جگہ بے تعصبی اور آزاد خیالی نے لے لی ایک دوسرے کی تقریبات کے احترام سے یگانگت کا ماحول پیدا ہوا اس وجہ سے علماء نے ان تقریبات اور تہواروں کی شدید مخالفت کی اور اشتراک کے اس عمل اپنی تشویش کا

بار بار اظہار کیا اور عالمگیر نے ان تہواروں اور تقریبات کو منسوخ کر دیا مگر اس رکاوٹ کے باوجود اشتراک کا یہ عمل رکا نہیں اور آخری عہدِ مغلیہ میں یہ تقریبات ہندوستانی ثقافت اور مغل ثقافت کا حصہ ہوگئیں۔

شاہی تفریحات

مغل بادشاہ اکثر سیر و تفریح کی غرض سے محل سے باہر جایا کرتے تھے ان بیرونی تفریحات کی سیاسی و سماجی اور معاشرتی اہمیت تھی کیوں کہ اس صورت میں اسے اس بات کا موقع ملتا تھا کہ وہ ملک کے حالات سے خود بلا واسطہ واقف ہو ان بیرونی تفریحات ہی کے ذریعہ بادشاہ اچانک ان علاقوں کا دورہ کرتا جہاں اسے شبہ ہوتا کہ گورنر یا عامل بغاوت کی تیاری کر رہا ہے ایسا بھی اکثر ہوتا کہ سیر و تفریح کے موقع پر کوئی مظلوم بادشاہ سے فریاد کرتا اور اپنی شکایت اس تک پہونچاتا۔ بیرونی سیر و تفریح میں سب سے زیادہ اہمیت شکار کی ہوا کرتی تھی اکبر شکار کا بہت شوقین تھا اور وہ اسقدر شکار کی غرض سے باہر جاتا تھا کہ اس سے یہ خیال پیدا ہو کہ شاید وہ انتظامِ سلطنت سے زیادہ سیر و شکار میں دلچسپی رکھتا ہے لیکن ابوالفضل کے مطابق اس کا اصل مقصد "اعلیٰ مقاصد کی تکمیل تھا۔"[31] اکبر نے شکار کی مہمات کے ذریعے بہت سے اہم مشکل اور پیچیدہ مسائل کو حل کیا جب اس نے خود کو بیرم خاں کے اثر سے آزاد کروانا چاہا تو اس وقت بھی وہ آگرہ سے باہر شکار کی مہم پر بہانہ سے گیا اسی طرح جب اسے عبداللہ خاں ازبک کی بغاوت کا پتہ چلا تو وہ شکار کے بہانہ سے نکلا اور سیدھا مالوہ جا پہونچا[33]

بادشاہ کے شکار کیلئے پورے ملک میں جگہ جگہ شکار گاہیں بنی ہوئی تھیں جہاں صرف بادشاہ شکار کر سکتا تھا اور شہزادوں تک کو اس کی اجازت نہیں تھی کہ وہ شاہی شکار گاہ میں داخل ہوں[34]

شاہی شکار گاہ کا انتظام کرنے والے میر شکار، قوش بیگی[35] اور قراول[36] ہوا کرتے تھے شاہی شکار سے پہلے قراولوں کا فرض تھا کہ وہ تمام انتظامات مکمل کریں جب

بادشاہ اپنے امراء اور قور کے ساتھ شکارگاہ میں پہونچتا تو اول وہ شکارگاہ سے ۵ میل کے فاصلے پر قیام کرتا اس سے پیچھے "میر توزک" کھڑا ہوتا اور ڈیڑھ کوس کے فاصلے پر "خدمتیہ"، یا شاہی خدمتگار کھڑے ہوتے تھے صرف چند پسندیدہ امراء کو اس بات کی اجازت تھی کہ وہ بادشاہ کے ساتھ ایک خاص مقررہ فاصلہ رکھ کر شکارگاہ میں جائیں آخر میں شکار کی غرض سے یا تو وہ اکیلا جاتا یا اس کے ساتھ ایک یا دو امیر ہوا کرتے تھے[۳۷] کبھی کبھی شاہی بیگمات بھی اس کے ساتھ شکار کے لئے جاتیں تھیں[۳۸] اس بات کے سخت احکامات تھے کہ کوئی شخص شکار کے وقت، بادشاہ یا شاہی شکاری جماعت کے قریب نہ جائے اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کا مجمع جمع نہ ہو اور بادشاہ کی ذات خطرے میں نہیں پڑے[۳۹]

شکار کے دوران بادشاہ ہاتھی پر بیٹھا رہتا تھا لیکن واپسی پر وہ پالکی میں آتا تھا[۴۰] ایک شکاری جماعت میں ایک ہزار سے لیکر دو ہزار تک سپاہی ہوا کرتے تھے[۴۱] یہ شکار کبھی تو ایک ہفتہ چلتا اور کبھی ایک مہینہ اس کا دار ومدار بادشاہ کی مرضی پر ہوا کرتا تھا۔ واقعہ نویس کا یہ فرض تھا کہ وہ اس سارے شکار کی تفصیل لکھے جو بادشاہ نے مارے تھے شکار کی مکمل تفصیل لکھی جاتی تھی مثلاً، شکار کی قسم اسے کس بندوق سے مارا گیا اس کا وزن، لمبائی اور رنگ وغیرہ چونکہ ہندوستان میں گرمی کا موسم بہت شدید ہوتا ہے اس لئے شکار کا بہترین موسم نومبر سے مارچ تک ہوا کرتا تھا[۴۲]

بڑے پیمانے پر جس شکار کا انتظام کیا جاتا تھا وہ قمرگاہ یا قمرغہ کہلاتا تھا اس قسم کا شکار شاہی استحقاق تھا اور شہزادوں اور امراء کو اس بات کی اجازت نہیں تھی کہ وہ قمرگاہ کی طرز کا شکار کھیلیں۔ جب کبھی بھی بادشاہ قمرگاہ کا شکار کھیلنے کی خواہش کرتا تو میر شکار اس کے فوری انتظامات کرتا اور تقریباً ایک ہزار افراد جمع کر کے اس کام پر لگاتا کہ وہ شور وغل مچا کر اور نقارے بجا کر جانوروں کو خوف زدہ کر کے اطراف وجوانب سے ایک مرکز پر جمع کریں یہ مقام قناتوں کے ذریعے سے گھیرے میں لے لیا جاتا تھا اور اس کے ارد گرد مسلح افراد پہرہ دیا کرتے تھے جب تمام جانور اس جگہ جمع کر دیئے جاتے تو بادشاہ قمرگاہ میں اپنے چند پسندیدہ امراء کے ساتھ داخل ہوتا تھا اور پھر شکار کی ابتداء ہوتی تھی جب تک بادشاہ

خود شکار میں معروف ہوتا تو اس وقت اور کوئی شکار نہیں کر سکتا تھا بعد میں امراء کو اجازت ہوتی اور آخر میں سب کو عام اجازت ہوتی کہ وہ قمرگاہ میں آکر شکار کریں (۴۲)

ایک مرتبہ اکبر نے جب کہ وہ لاہور میں تھا (۱۵۶۷ء) تو اس نے قمرگاہ شکار کا حکم دیا اس موقع پر ۵۰ ہزار افراد اس بات کے لیئے ملازم رکھے گئے کہ وہ جانوروں کو ہنکا کر ایک جگہ لائیں جانوروں کو جمع کرنے کے لئے ایک وسیع میدان چنا گیا اور ایک مہینے تک جانوروں اور پرندوں کو اس جگہ پر ہنکا کر لایا جاتا رہا یہ مغل تاریخ کا سب سے بڑا شکار تھا جو اس موقع پر کھیلا گیا بدایونی کے اندازے کے مطابق دس ہزار جانور میدان میں جمع کئے گئے (۴۳) سب سے پہلے بادشاہ نے شکار کھیلا اس کے بعد امراء نے اور آخر میں عام اجازت دے دی گئی۔

شیر کا شکار بادشاہ کا استحقاق تھا اور صرف اس کی اجازت سے بعد کیا جاسکتا تھا (۴۴) جب کبھی بادشاہ شیر یا چیتے کا شکار کرنا چاہتا تو میر شکار ان جانوروں کی جگہ دریافت کرتا کہ ان کو کہاں پایا جا سکتا ہے؟ اس کے بعد ہانکنے والے شور و غل اور نقارے بجا کر ان کو گھیر کر اس جگہ لاتے جہاں بادشاہ شکار کے لئے بیٹھا ہوتا تھا۔ بادشاہ جب شیر کے شکار کے لئے آتا تو اس وقت وہ ہاتھی پر رکھے ہودے پر بیٹھا ہوتا تھا یہ ہاتھی خاص طور سے شیر کے شکار کے لیئے تیار کئے جاتے تھے اور ہر قسم کے حملوں سے محفوظ رکھنے کے لئے مختلف ساز و سامان سے لیس ہوتے تھے مثلاً ان کے سروں کو موٹی کھال سے ڈھک دیا جاتا تھا جس پر تیز نوکیلی کیلیں ہوتی تھیں تاکہ اگر شیر ان پر حملہ کرے تو یہ اس سے محفوظ رہیں (۴۵)

شیر یا چیتے کا شکار ایک اہم واقعہ سمجھا جاتا تھا۔ مردہ شیر کو بادشاہ کے ملاحظے کے لئے سامنے لایا جاتا تھا اور عہدیداران کا یہ معائنہ کرتے تھے اس کے بعد اس کی پیمائش کی جاتی تھی اور شیر کی تمام تفصیلات کو لکھا جاتا تھا مثلاً اس کا سائز، رنگ، بال دانت اور پنجے کی قسم وغیرہ اس کو کس وقت کس بادشاہ نے کس بندوق سے شکار کیا جب بادشاہ شیر کا شکار کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو اسے نیک شگون تصور کیا جاتا (۴۶)

ہاتھیوں کی لڑائی

ہاتھیوں کی لڑائی کا تماشہ دیکھنا ایک قدیم ہندوستانی روایت تھی اس قسم کی لڑائیاں خوشی و مسرت سے ساتھ ڈر، خوف اور خطرہ کا احساس دلاتی تھیں۔ ہاتھیوں کی لڑائی کا انتظام کرنا صرف بادشاہ کا حق تھا اور کسی شہزادے یا امیر کو اس بات کی اجازت نہیں تھی کہ وہ ہاتھیوں کی لڑائی کا بندوبست کرے مغل بادشاہوں نے ہاتھیوں کی لڑائی کو اسی لیئے محدود کر دیا تھا کہ ان میں انسانی جانوں کے ضائع ہونے کا خطرہ رہتا تھا کیونکہ اکثر مہاوت لڑائی کے دوران مارا جاتا تھا اور جب شکست کھایا ہوا ہاتھی بھاگتا تو ڈر اور خوف کی وجہ سے بھگدڑ ہوتی تھی جس میں لوگ کچل کر مر جاتے تھے ہاتھیوں کی لڑائی اکثر دارالحکومت میں جھروکے کے سامنے وسیع اور کھلے میدان میں ہوا کرتی تھی ان لڑائیوں کے لیئے کوئی دن مقرر نہیں ہوتے تھے بلکہ جب بادشاہ چاہتا تھا اس وقت اس کا انتظام کیا جاتا تھا لڑائی یا تو صبح کے وقت ہوتی تھی یا دوپہر کو (۴۷)

جب لڑائی میں شدت آجاتی تھی تو آتش بازی کے ذریعہ سے ہاتھیوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا جاتا تھا آتش بازی کی آگ اور زوردار آواز سے یہ علیحدہ ہو جایا کرتے تھے اس قسم کا آلہ جسکا کام ہاتھیوں کو لڑائی سے جدا کرنا تھا چرخی کہلاتا تھا (۴۸) جب دو ہاتھیوں میں لڑائی ہوتی تو ایک تیسرا ہاتھی جو تیانچہ کہلاتا تھا کمزور ہاتھی کی مدد کیلئے موجود رہتا تھا (۴۹) لڑنے والے ہاتھیوں کے دانتوں کو پیتل سے ڈھک دیا جاتا تھا تاکہ وہ ایک دوسرے کے دانت نہ توڑ سکیں (۵۰) شاہی ہاتھی خانے کے ملازموں کو سختی کے ساتھ ہدایت تھی کہ وہ ہاتھی کو مست کرنے کے لیئے کسی بھی قسم کی نشہ آور چیز نہ دیں (۵۱) لڑائی عام طور سے صرف برابر کی طاقت رکھنے والے ہاتھیوں کے درمیان ہوتی تھی (۵۲)

مہاوت کیلئے ہاتھیوں کی لڑائی موت کے پیغام کے برابر ہوتی تھی اس لیئے ہر لڑائی سے پہلے مہاوت اپنے بیوی بچوں سے آخری بار مل کر آتے تھے (۵۳)

لیکن اگر لڑائی میں وہ زندہ سلامت رہے تو انہیں بادشاہ کی جانب

سے ہر لڑائی کے بعد انعام ملا کرتا تھا۔

چوگان

اکبر چوگان کھیلنے کا بہت شوقین تھا ابوالفضل اس کھیل کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:-

"اس کھیل میں انسان کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے اور باہمی محبت کا رشتہ مضبوط ہوتا ہے مضبوط اور طاقت ور انسان اس کھیل سے مشاق شہسوار بنتے ہیں اور گھوڑوں میں اطاعت پذیری چستی و چالاکی پیدا ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ جہاں پناہ اس مشغلہ کو بے حد پسند فرماتے تھے قبلہ عالم اس کھیل میں مشغول ہو کر بظاہر تو عظمت و جاہ میں اضافہ فرماتے ہیں لیکن حقیقت میں بنی نوع انسان کے مخفی فضائل و عادات سے واقفیت و آگاہی حاصل فرماتے ہیں۔" (۵۴)

اکبر نے اس کھیل کے قاعدے و قوانین مقرر کئے تھے مثلاً کھیل سے پہلے کھلاڑیوں کو منتخب کیا جاتا تھا عام طور سے ان کی تعداد دس ہوا کرتی تھی دستور یہ تھا کہ ہر بیس منٹ بعد دو کھلاڑی علیحدہ ہو جاتے تھے اور ان کی جگہ دوسرے دو کھلاڑی لے لیتے تھے کھیل میں مزید دلچسپی پیدا کرنے کیلئے اس پر شرط بھی لگائی جاتی تھی (۵۵) اکبر کو اس کھیل سے اس قدر دلچسپی تھی کہ اس نے ایک چمکدار گیند ایجاد کی تھی تاکہ رات کی تاریکی میں بھی اس سے کھیلا جا سکے (۵۶) چوگان کھیلنے کی اسٹیکوں پر سنہری کڑے لگے ہوئے تھے (۵۷)

دوسری تفریحات

مغل بادشاہوں کا یہ دستور تھا کہ وہ دربار میں کام کے دوران میں تھوڑا سا وقفہ کر کے موسیقی و گانے سے لطف اندوز ہوا کرتے تھے اس کے علاوہ تہواروں اور تقریبات کے موقع پر گانے اور موسیقی کا اہتمام کیا جاتا دربار کے شعراء وقتاً فوقتاً اپنا تازہ کلام سنا کر بادشاہ اور درباریوں کو خوش کیا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ اندرونی تفریح

کے دوسرے بہت سے طریقے تھے مثلاً کشتی سے لطف اندوز ہونا شعبدہ بازوں اور نٹوں کے کرتب دیکھنا کبوتر بازی سے شوق کرنا۔ تاش کھیلنا، چوپڑ، چنڈل منڈل اور پچیسی کے کھیلوں سے دل بہلانا وغیرہ وغیرہ

شاہی جلوس

مغل دربار کی شان و شوکت جاہ جلال اور عظمت نہ تو صرف ان تقریبوں سے ظاہر ہوتی تھی توان سے جلوس رعب و دبدبہ اور فوجی طاقت و قوت کا مظہر ہوا کرتے تھے نظریہ بادشاہت کی ایک اہم بنیاد یہ بھی تھی کہ وقتاً فوقتاً بادشاہ اپنی قوت کا مظاہرہ جلوس کی شکل میں کرتا رہے ان جلوسوں سے اس کی فوجی طاقت اس کی دولت اور اس سے دربار کی شان و شوکت کا اظہار ہوتا تھا جلوس کی چمک دمک، ہجوم دھام اور طمطراق کا رعیت کے دل و دماغ پر اثر انداز ہوتا تھا اور اس کی ذات و شخصیت کو پر ہیبت و پر عظمت بنانے میں شاہی جلوس کا بڑا دخل تھا۔

جب کبھی کبھی بادشاہ اپنے محل سے باہر جاتا تھا تو اس کے ساتھ تمام شاہی علامات امتیازات، اور نشانیاں ہوا کرتی تھیں مثلاً جھنڈے وعلم، اسلحہ، موسیقی ساز و سامان سے مزین ہاتھی گھوڑے اور اونٹ عالی مرتبت امراء اور خوبصورت لباس کے سپاہی ان جلوسوں سے بادشاہت کی قوت و عظمت جھلکتی تھی جس سے رعیت میں بادشاہ اور اس کے خاندان کے لئے گہری محبت پیدا ہو جاتی تھی۔ بادشاہ کی شخصیت اس کی نگاہوں میں ایسی ابھر کر آتی جو ناقابل تسخیر اور عظمت والی ہوتی تھی اس سے ان میں فخر کا جذبہ پیدا ہوتا تھا کہ ان کا بادشاہ اس قدر دولت مند، طاقت ور اور دبدبہ والا ہے۔

اس قسم کے جلوس عیدالفطر، عیدالاضحیٰ بروز جمعہ جب کہ بادشاہ جامع مسجد میں نماز کے لیئے جاتا تھا اور ان موقعوں پر جب وہ کسی سفر یا مہم سے واپس دارالحکومت میں آتا تھا ترتیب دیئے جاتے تھے۔

جلوس سے پہلے یساول یا گرز بردار اور دوسرے عہدے دار مکمل انتظامات کیا کرتے تھے تمام شاہراہوں کو صاف کیا جاتا تھا تمام دوکانیں دروازے اور راستے میں آنے والی تمام دیواروں کو سجایا جاتا تھا جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے شامیانے اور خیمے لگائے جاتے تھے جہاں لوگ

کی شربت اور دوسری اشیاء سے خاطر تواضع کی جاتی تھی۔

بادشاہ ہاتھی میں ہودہ میں رکھے ہوئے تخت پر بیٹھتا تھا جس کے اوپر چتر یا آفتاب گیر ہوا کرتا تھا اور اسکے پیچھے ڈیوڑھیاں مرد چوری لئے مگس رانی کرتے ہوتے تھے بادشاہ تخت پر سے بار بار حاشیے ایں کھڑے لوگوں میں پیسے بکھیرتا اور پھینکتا ہوا جاتا تھا۔

شاہی موسیقاروں کے بعد شاہی قور ہوتا تھا جس میں بادشاہ کے ہتھیار ہوتے تھے مثلاً خنجر تیر کمان و ترکش، تلواریں ڈھالیں، نیزے اور بندوقیں ان کو امراء لئے ہوئے تھے۔ شاہی جلوس "امراء یساول یا گرز بردار، دربار کے عہدے دار اور بادشاہ کے خصوصی ملازمین جو" چیلا "کہلاتے تھے اپنے کانوں میں بالیاں ڈال کر اپنی بادشاہ سے محبت اور وفاداری کا اظہار کرتے ہوئے شامل ہوا کرتے تھے۔[۵۸] اس کے بعد ہاتھی ہوتے تھے جو تمام زیورات سے مزین ہوتے تھے جن کی پشت پر خوبصورت کڑھے ہوئے کپڑے ہوتے تھے ان میں سے کچھ ہاتھیوں پر شاہی علامات یا شاہی جھنڈے و علم ہوتے تھے جن پر سورج ستارے شیر اور اژدھے کی تصویر بنی ہوئی تھی۔[۵۹]

جلوس کے ساتھ شاہی سواریاں بھی ہوتیں تھیں جن میں بادشاہ سفر کیا کرتا تھا جیسے تخت رواں مختلف اقسام کے تخت، پالکیاں اور بیلوں سے جتے ہوئے رتھ ان کی نگرانی میر توزک کیا کرتا تھا اس کے بعد ملازمین آتے تھے جو کشتیوں میں قیمتی ہیرے و جواہرات اپنے سروں پر رکھے اور مرصع عصا ہاتھوں میں لئے ہوئے ہوتے تھے اس کے بعد پیادل ہوتے تھے جو جلوس کی ترتیب و تنظیم کو درست کرتے تھے شاہی محل سے اس جگہ جہاں جلوس کو جاتا ہوتا تھا رستے کے دونوں جانب سپاہی کھڑے ہوتے تھے۔[۶۰]

یہ دستور تھا کہ جب کبھی بادشاہ ہاتھی پر سوار ہوتا تھا تو امراء اس کے پیچھے گھوڑوں پر سوار ہو کر چلتے تھے جب وہ گھوڑے یا پالکی میں ہوتا تھا تو امراء پیدل چلا کرتے تھے سوائے ان کے علاوہ جنہیں بادشاہ کی جانب سے سواری کی اجازت ملی ہو۔[۶۱] ہر جلوس میں بادشاہ کے محافظ دستے میں پانچ سو یا چھ سو مسلح سپاہی ہوا کرتے تھے اور تقریباً چار سو یا تین سو بندوق بردار ہوتے تھے۔[۶۲]

عہد جہانگیر کے ایک مصور منوہر کی بنائی ہوئی ایک تصویر ہے جس میں اس نے جہانگیر کے جلوس کی ایک خوبصورت تصویر بنائی ہے جس میں دکھایا گیا ہے کہ موسیقار ہاتھیوں

پر بیٹھے ،بگل، ترہی ،نفیری اور ڈرم بجا رہے ہیں ان کے ساتھ شاہی جھنڈے ہیں جن پر سورج اژدہا سے نشانات ہیں اس کے بعد بندوق بردار ہیں جن کے ہاتھوں میں غلافوں میں لپٹی ہوئی بندوقیں ہیں اس کے بعد پھر کچھ ہاتھی ہیں جن پر عورتیں و مرد بیٹھے ہوئے بادشاہ کی تعریف میں گیت گا رہے ہیں تمام شاہی جلوس کی ترتیب و تنظیم کو میر توزک نگاہ میں رکھے ہوئے ہے مسخروں کی ایک جماعت بھی ہے جو اپنی حرکتوں سے لوگوں کو خوش کر رہی ہے۔"(۶۴)

پیٹر منڈی نے شاہجہاں سے ایک جلوس کو دیکھا جو سنہ ۱۶۳۱ء اسکی برہانپور سے واپسی پر نکالا گیا تھا اس جلوس کے بارے میں اس نے نہ صرف اپنے تاثرات چھوڑے ہیں بلکہ اس کی یوں تفصیل بھی لکھی ہے :۔ سب سے پہلے بیس سے قریب شاہی سواریاں تھیں جن میں تخت رواں ۔پالکیاں اور دوسری سواریاں شامل تھیں، اس کے بعد ہزار سواروں کا ایک دستہ تھا جو ایک دوسرے سے بالکل ملے ہوئے چل رہے تھے اس کے بعد بیس یا انیس ہاتھی تھے جو انتہائی قیمتی مخمل اور دوسرے ساز و سامان سے مزین تھے اور جن پر شاہی علامات رکھی ہوئی تھیں ایک ہاتھی پر بادشاہ کے استعمال کی عماری رکھی ہوئی تھی اس پر قیمتی کپڑے کا سائبان تھا جو سونے کے ستونوں پر کھڑا تھا اس کے بعد نقیب تھے جن کے ہاتھوں میں سنہری گرز تھے جن کی مدد سے یہ جلوس کو کنٹرول کر رہے تھے اور راستے سے لوگوں کو ہٹا رہے تھے اس کے بعد بادشاہ آیا جو ایک گہرے سبز رنگ کے گھوڑے پر سوار تھا اس کے ساتھ مہابت خان اور داراشکوہ تھے جو اس سے کچھ فاصلے پر گھوڑوں پر سوار تھے دوسرے تمام امرا دونوں جانب پیدل چل رہے تھے راستے میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر سپاہی ہاتھوں میں نیزے لئے کھڑے تھے اس کے بعد ہاتھیوں کی ایک بڑی تعداد تھی جن کا تعلق امراء سے تھا شاہی جلوس نے ایک پرشکوہ اور دل آویز منظر پیدا کر رکھا تھا۔(۶۵) شاہی جلوس کی ترتیب و تنظیم ہمیشہ اس طریقہ سے ہوتی تھی اگرچہ اس میں کبھی کبھی تبدیلیاں ہوتی رہتی تھیں۔

جب بھی بادشاہ کسی طویل سفر پر جاتا تو بھی شاہی جلوس ترتیب و تنظیم برقرار رکھتا تھا بادشاہ کے سامنے کچھ فاصلے پر ڈھم اور بگل بجانے والے ہاتھیوں پر سوار ہوتے تھے اور شاہی نوبت بجاتے رہتے تھے اس کے بعد گھڑ سوار آتے تھے اور ان کے پیچھے ہاتھی

ہوا کرتے تھے شاہی خواتین ہودے (۶۹) میں سفر کرتی تھیں جو ہاتھی کی پشت پر رکھے ہوئے تھے جب کہ ملازم عورتیں اونٹوں پر سفر کرتی تھیں اس کے بعد ہاتھی ہوتے تھے جن پر شاہی علامات اور مختلف جھنڈے ہوا کرتے تھے اس کے بعد ساز و سامان سے مزین گھوڑے ہوا کرتے تھے بادشاہ اپنے خادموں کے درمیان گھرا رہتا تھا جو لوگوں کو سامنے سے ہٹاتے رہتے تھے اور راستہ میں پانی چھڑکتے ہوئے چلتے تھے تاکہ ریت اور دھول نہ اڑے۔(۷۰)

پانچواں باب

خطابات

زمانہ قدیم سے حکمرانوں میں یہ رواج تھا کہ وہ تخت نشین ہونے سے بعد شاندار اور پر وقار خطابات اختیار کرتے تھے تاکہ ان کی شان و شوکت و عظمت کا اظہار ہو، حکمران کی شخصیت کو معاشرہ میں اہم بنانے کے لیئے جہاں اس کے گرد تقدس کا ہالہ کھینچا گیا وہاں بادشاہ کے الوہی تصور کو استحکام دینے میں شاہی خطابات نے بھی اہم کردار ادا کیا ان خطابات سے اس کے تقدس کا اظہار ہوتا ہے اور عوام کے ذہنوں میں اس کا رعب اور عظمت جاگزیں ہوتی تھی اس لیئے تصورِ بادشاہت میں خطابات کی اہمیت انتہائی اہم رہی ہے جس طرح دربار کی رسُومات کے ذریعے بادشاہ کی شخصیت کو ابھارا جاتا تھا اور اسے معاشرے میں محترم و پُر وقار بنایا جاتا تھا، اسی طرح خطابات کے ذریعے عوام کے ذہنوں میں اس کی برتری کا احساس پیدا کیا جاتا تھا۔

خطابات کا تاریخی پس منظر

خطابات سے بادشاہ کی مذہبی حیثیت ظاہر ہوتی تھی کہ وہ خدا کا نمائندہ ہے یا دیوتا کی شکل میں ظہور پذیر ہوا ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ خطابات اس کی سیاسی اہمیت کو بھی ظاہر کرتے تھے ان سے اس کی سلطنت کی وسعت اور سیاسی قوت و طاقت کا بھی اظہار ہوتا تھا اس لیئے شاہی خطابات صرف حکمرانوں تک محدود ہوتے تھے اور ماتحتوں

کو اس بات کی اجازت نہیں ہوتی تھی کہ وہ انہیں اختیار کریں۔

مسلمانوں نے جب شام و ایران فتح کئے تو ان فتوحات کے نتیجے میں ان پر جہاں سیاسی اثرات ہوئے وہاں تہذیبی، تمدنی اور معاشی روایات نے بھی ان پر اثر ڈالا خلفاء راشدین اور بنو امیہ نے عربی روح اور سادگی کو برقرار رکھا لیکن عہد عباسیہ میں ایرانی تہذیب و تمدن نے مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبے میں رواج پایا خصوصیت سے ایرانی تصور بادشاہت نے عباسی دربار میں اپنے لئے جگہ پیدا کی اور ایرانی درباری رسومات کی ابتداء ہوئی اس کے ساتھ ہی خطابات میں بھی تبدیلی آئی اور عباسی خلفاء نے ایسے خطابات اختیار کرنا شروع کر دیئے جن میں ان کی مذہبی و سیاسی عظمت ظاہر ہو۔

مسلمان حکمرانوں نے خطابات اختیار کرنے میں سب سے زیادہ توجہ مذہبی پہلو پر دی اس لئے انہوں نے ایسے خطابات اختیار کئے جن سے ان کا دین و مذہب سے لگاؤ اور تعلق ظاہر ہو اور یہ بات نمایاں ہو کہ یہ لوگ دین کی حمایت کرنے والے، اس کی خاطر لڑنے والے اس کی اشاعت کرنے والے اور اس کی ترقی و ترویج میں حصہ لینے والے ہیں اس کا مقصد یہ تھا کہ ان کی مسلمان رعایا انہیں دین کا محافظ سمجھ ان کی اطاعت و فرماں برداری کرے۔

مذہبی پہلو کے بعد ان کے خطابات سے ان کی سیاسی قوت و طاقت کا بھی اظہار ہوتا تھا اور ان خطابات کے ذریعے سے فرماں روا عوام اور صوبائی گورنروں سے اپنی برتری و عظمت تسلیم کراتا تھا۔ ان دو پہلوؤں کے ساتھ ساتھ انہوں نے ایسے خطابات بھی اختیار کئے جن سے ان کی شخصیت کی خوبی اور کارنامے ظاہر ہوں تاکہ ان کے ذریعے سے وہ رعیت میں اپنے لئے احترام و تعظیم کے جذبات پیدا کر سکیں۔

ابتداء میں جو اسلامی حکومت قائم ہوئی وہ ایک ہی خاندان کے ماتحت تھی جیسے بنو امیہ اور بنو عباس، صوبوں کے گورنروں کا تقرر ان کی جانب سے ہوتا تھا اور انہیں اس بات کی اجازت نہیں ہوتی تھی کہ وہ خلیفہ یا حکمران کے خطابات خود اختیار کریں جب تک عباسی خلافت مستحکم رہی ان کے خطابات بھی ان تک محدود رہے لیکن اس کے سیاسی زوال کے ساتھ صوبوں کے گورنر خود مختار ہوئے اور انہوں نے

ایسے خطابات اختیار کرنا شروع کیئے جن سے ان کا تعلق خلیفہ سے تو ظاہر ہوتا تھا لیکن ساتھ ہی ان کی سیاسی خود مختاری کا بھی اظہار ہوتا تھا جب مشرق و مغرب میں خود مختار اسلامی حکومتیں قائم ہوگئیں تو ان کے حکمرانوں نے ایسے خطابات اختیار کیئے جو انہیں دین کا محافظ و حامی بتلاتے تھے[۱]

عباسی خلفاء تک مسلمان حکمران خلیفہ[۲] امیر المومنین[۳] اور امام[۴] کے خطابات اختیار کرتا تھا عباسی خلفاء نے ان تین خطابات کے علاوہ دوسرے خطابات بھی اختیار کرنا شروع کر دیئے جن سے ان کی شخصیت کی انفرادیت ظاہر ہوتی تھی، جیسے سفاح، منصور، مہدی، ہادی اور رشید وغیرہ، معتصم کے زمانے سے عباسی خلفاء نے جو خطابات اختیار کیئے وہ "باللہ" اور "علی اللہ" پر ختم ہوتے تھے یہ خطابات اس امر کی نشاندہی کرتے تھے کہ خلیفہ خدا کی نمائندگی کرتا ہے اور اس کی طاقت و قوت کا مرکز خدا کی ذات ہے۔

عباسی خلافت و حکومت کی کمزوری کے زمانہ میں صوبائی گورنروں نے جو خطابات اختیار کیئے ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے آہستہ آہستہ اپنی مذہبی و سیاسی آزادی کا اظہار ان خطابات کے ذریعے سے کرنا شروع کر دیا تھا ان خود مختار گورنروں اور حکمرانوں نے سب سے پہلے جو خطاب اختیار کیا وہ "امیر"[۵] تھا اس خطاب میں اس بات کی وضاحت ہے کہ امیر کی سیاسی طاقت و قوت خلیفہ کے مقابلہ میں محدود ہے اور سیاسی آزادی کے باوجود اس کا تعلق دربارِ خلافت سے ہے۔

دوسرا خطاب جو مسلمان حکمرانوں نے اختیار کیا وہ "ملک"[۶] کا تھا اسے ابتداء میں اس لیئے اختیار نہیں کیا گیا تھا کہ یہ قرآن میں بادشاہ کے معنوں میں آیا ہے جو اسلامی تصور کے خلاف ہے لیکن اسے سامانی آل بویہ اور ایوبی حکمرانوں نے اختیار کیا[۶]

تیسرا اہم خطاب "دولہ"[۷] کا تھا یہ خطاب ابتداء میں عباسی وزیر کو ملا کرتا تھا لیکن بعد میں یہ خود مختار حکمرانوں کو ملنے لگا[۸] چوتھے اہم خطابات وہ تھے جو "امہ" اور "ملّہ" پر ختم ہوتے تھے، دولہ کے خطاب میں ریاست کا سیکولر تصور ہے

جب کہ امتہ اور ملہ میں مذہبی ، اس لئے خود مختار حکمران اپنی سیاسی و مذہبی اہمیت کو ظاہر کرنے کیلئے "دولہ" اور امتہ و ملہ کے دونوں خطابات اختیار کرتے تھے (۹)

مسلمان حکمرانوں کے خطابات میں سب سے اہم وہ خطاب تھا جو "الدین" پر ختم ہوتا تھا ابتداء میں دوسرے خطابوں کی طرح یہ خطاب بھی خلیفہ کی جانب سے ملا کرتا تھا اور اس سے حکمران کی دینی و مذہبی حیثیت ظاہر ہوتی تھی کہ اب وہ دین کی حفاظت اور حمایت میں خلیفہ کا شریک ہے اور اپنی سلطنت میں دین کا حامی و مددگار ہے بعد میں ان خطابات کی اہمیت بڑھ گئی کیونکہ خلیفہ اپنی سیاسی کمزوری سے بعد اس قابل نہیں تھا کہ وہ دین کی حفاظت کر سکے اس لئے یہ کام اب خود مختار حکمرانوں کا ہوا اس لئے دین کے خطابات ان کی رعایا کو اس بات کا احساس دلاتے تھے کہ وہ دین کی شان و شوکت و عظمت کا باعث ہیں (۱۰)

مُغل بادشاہوں کے خطابات

امیر تیمور (۱۳۷۰–۱۴۰۵) جو تیموری خاندان کا بانی تھا، اس نے چغتائی خان "تغلق تیمور (۱۳۵۹–۱۳۷۰) کو شکست دے کر اس سے سلطنت چھینی اور اس وجہ سے اس نے خود مختار حکمرانوں کا خطاب اختیار کرنے کے بجائے صرف "امیر"(۱۱) کا خطاب اختیار کیا حالانکہ اس وقت منگول حکمران "خان"(۱۲) کا خطاب اختیار کرتے تھے مسلمان حکمرانوں میں خان کا خطاب منگولوں کے حملے اور ان کے سیاسی اقتدار کے بعد آیا جب منگولوں کی سلطنت وسیع ہوئی تو صوبوں کے حکمران خود کو "ال خان" (نائب خان) کہتے تھے۔ اور بڑے خان کے ماتحت سمجھے جاتے تھے ۱۲۹۵ء تک منگولوں میں یہ قاعدہ رہا۔ قبلائی خان کی وفات کے بعد یہ روایت ٹوٹی پہلا ایرانی منگول بادشاہ جسنے "قآن" کا خطاب اختیار کیا وہ غازان تھا۔

چوں کہ منگولوں کے حملوں اور سیاسی اقتدار نے عباسی خلافت کے تمام ڈھانچہ اور روایات کو گرا دیا اور اس کے ساتھ ہی قدیم ایرانی شاہی خاندان کا تصور بھی متاثر ہوا تھا اس لئے اب جو حکمران ایران اور وسطِ ایشیا میں آئے انہوں نے اپنا تعلق چنگیز خان کے

خاندان سے قائم کرنے کی کوشش کی منگولوں کی فتوحات نے یہاں کے عوام کے ذہن میں ان کی ہیبت اور جاہ و جلال اور طاقت کا جو تصور پیدا کیا تھا اس کی مدد سے وہ ان پر حکومت کرنا چاہتے تھے۔

اسکی مثال امیر تیمور سے ملتی ہے کہ اس نے چنگیز خان کے خاندان میں امیر کزغان، کی پوتی الجز ترکان خاتون سے شادی کرکے "گورگان" (داماد) کا خطاب اختیار کیا، تیمور اپنی سیاسی طاقت کے باوجود چنگیز خان کے خاندان کے بادشاہ کو اپنا سربراہ مانتا تھا اور خود کو صرف "امیر" کہلواتا تھا اس کے بعد تیموری خاندان کے حکمرانوں نے "خان" یا بادشاہ کے بجائے اپنا خطاب "میرزا"[۱۳] رکھا بابر اس خاندان کا پہلا بادشاہ تھا جس نے کابل کی فتح ۱۵۰۷ء کے بعد بادشاہ کا خطاب اختیار کرکے چغتائی اور دوسرے تیموری حکمرانوں پر اپنی سیاسی برتری اور طاقت قائم کی[۱۴] بادشاہ کے خطاب کی اہمیت اس وجہ سے بھی تھی کہ یہ خطاب "سلطان" سے مختلف تھا جو کہ اس وقت عثمانی حکمرانوں کا خطاب تھا اور یہ "شاہ" کے خطاب سے بھی علیحدہ تھا جو کہ ایران کے نئے قائم شدہ خاندان صفوی حکمرانوں کا تھا اس لحاظ سے بادشاہ کے خطاب نے بابر کو اس کے دو ہم عصر طاقتور حکمرانوں عثمانیوں اور صفویوں سے ممتاز کر دیا تھا۔

مغل بادشاہوں نے، انفرادی طور پر ایسے خطابات بھی اختیار کئے جن سے ان کی کوئی شخصی خوبی ظاہر ہو یا جس کے ذریعے وہ اپنے کسی کارنامے کا اظہار کر سکیں ایسے خطابوں میں سب سے اہم خطاب غازی کا تھا یہ غیر مسلموں سے ان کی جنگ اور فتح کے اظہار کی علامت تھا۔

ہندوستان میں مغل حکمرانوں میں بابر نے سب سے پہلے "دین" پر ختم ہونیوالا خطاب اختیار کیا اور اس کے بعد اس کے جانشینوں نے اس روایت کو جاری رکھا۔ "دین" کے یہ خطابات نہ صرف مغل حکمرانوں کی سیاسی خود مختاری کا اعلان کرتے تھے بلکہ یہ اس بات کا بھی اظہار تھا کہ وہ اپنے علاقہ اور حدود میں اسلام کے محافظ اور مددگار ہیں اور اس صورت میں خلیفہ کے ماتحت نہیں مغل حکمرانوں نے سیاسی وجوہات کی بنا پر کبھی بھی عثمانی خلافت کو تسلیم نہیں کیا اور وہ خود کو ہندوستان میں خلیفہ تصور کرتے رہے اور اسی جذبہ کا اظہار ان کے خطابات سے

ہوتا تھا جو وہ تخت نشینی کے فوراً بعد اختیار کرتے تھے :

ابتدائی چھ عظیم مغل بادشاہوں کے خطابات اس طرح سے تھے :

ظہیر الدین (دین کو قوت بخشنے والا) محمد بابر بادشاہ ، غازی[15] ہمایوں کا خطاب تھا :
ناصر الدین (دین کی حمایت کرنے والا) محمد ہمایوں بادشاہ غازی ۔ اکبر نے جو خطاب اختیار
کیا وہ یہ تھا ، جلال الدین (دین کی عظمت) محمد اکبر بادشاہ غازی ۔ شہزادہ سلیم نے تخت نشینی
کے بعد یہ خطاب اپنے لیئے پسند کیا ، نور الدین (دین کی روشنی) محمد جہانگیر بادشاہ غازی[16]
شاہجہاں نے تخت نشینی کے بعد ، دوسرے حکمرانوں کے مقابلہ میں اپنے لئے زیادہ شاندار اور
پر عظمت خطابات اختیار کیئے ۔ ابو المظفر ، صاحبقران ثانی[17] شہاب الدین (دین کا ستارا
شہاب ایک ستارے کا نام ہے) شاہجہاں بادشاہ غازی[18] ۔ اورنگ زیب نے جو خطاب اختیار کیا
وہ یہ تھا ۔ ابو المظفر محی الدین (دین کا احیاء کرنے والا) محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی[19]

ان خطابات سے اندازہ ہوتا ہے کہ مغل بادشاہ خود کو ہندوستان میں نہ صرف خلیفہ
کہتے تھے بلکہ دوسرے مسلمان حکمرانوں کے مقابلے میں اپنی سیاسی برتری اور قوت کے بھی قائل
تھے اکبر کے بعد ، تین حکمرانوں نے ، جب مغل سلطنت کو سیاسی بنیادوں پر مستحکم پایا اور فتوحات
کے ذریعہ مسلسل اپنی ہمسایہ ریاستوں کو شکست دیتے رہے تو انہوں نے "دین" کے خطابات
کے ساتھ ایسے خطابات کا بھی اضافہ کیا جن سے ان کی عالمی قوت و طاقت کا اظہار ہوتا تھا اور
ان کے عزائم اور حوصلوں کا پتہ چلتا تھا جیسے جہاں گیر ، شاہجہاں اور عالمگیر یہ خطابات
سلطنت کی وسعت استحکام اور فتوحات کے ارادوں کے مظہر تھے ،

یہ بھی دستور تھا کہ بادشاہ کو اس کے نام سے نہیں پکارا جاتا تھا جب بھی اس کی
موجودگی یا غیر موجودگی یا غیر حاضری میں اس کا ذکر کرتے تھے تو اس کو عزت و تکریم سے مختلف
خطابوں سے پکارتے تھے جیسے :-

ظلِ الٰہی ، عالم پناہ ، جہاں پناہ ، صاحبِ عالم حضورِ معظم
والی جاہ علی جاہ اور جنابِ عالی وغیرہ وغیرہ (۲۰)

شہزادے و شہزادیوں کے خطابات

تمام مغل شہزادے "سلطان"[۲۱] کہلاتے تھے کبھی کبھی اعلیٰ خطابات انکی خدمات کے صلے میں یا ان کی حیثیت و رتبہ کی وجہ سے دیے جاتے تھے۔

شہزادہ خرم کو راجپوتانہ اور دکن کی فتوحات کے بعد شاہجہاں کا خطاب ملا شاہ جہاں نے اپنے آخری عہد میں جب کہ وہ دارا شکوہ کو اپنا جانشین بنانا چاہتا تھا تو اس نے دوسرے شہزادوں سے ممتاز کرنے کی خاطر اسے شاہ بلند اقبال کا خطاب دیا۔

شہزادیوں کو بھی بادشاہ کی جانب سے خطابات دیئے جاتے تھے شاہجہاں نے جہاں آرا کو "بیگم صاحب" کا خطاب دیا۔ عالمگیر نے اپنی تخت نشینی کے بعد اسے بادشاہ بیگم کا خطاب دیا، اور شاہ بیگم کا خطاب اس کی چھوٹی بہن روشن آرا کو دیا[۲۲]

بیگمات کے خطابات؛

بادشاہ کی والدہ کی حیثیت شاہی حرم میں سب سے محترم اور قابلِ عزت ہوا کرتی تھی اس لئے جب بھی ان سے خطاب کیا جاتا تھا تو بڑے وقار اور ادب سے کیا جاتا تھا اکبر کی والدہ حمیدہ بانو بیگم کو "مریم مکانی"[۲۳] کہا جاتا تھا جہاں گیر کی والدہ کو مریم زمانی (۲۴) اور شاہ جہاں کی والدہ کو بلقیس مکانی (۲۵)

شاہی بیگمات کو بھی خطابات دیے جاتے تھے۔

مہرالنساء کو جہانگیر کی شادی کے بعد ابتداء میں نورمحل کا خطاب ملا، بعد میں اسے "نورجہاں" کا مشہور و مقبول خطاب دیا گیا شاہ جہاں کی محبوب بیوی ممتاز محل کے خطاب سے یاد کی جاتی تھی۔

اُمراء کے خطابات؛

مغل بادشاہوں کی جانب سے امراء کو جو خطابات دیے جاتے

تھے ان میں اس بات کا خیال رکھا جاتا تھا کہ ان خطابات سے امراء کی بادشاہ کی ذات اور سلطنت سے وفاداری محبت اور تعلق ظاہر ہو ایسے خطابات جن کا تعلق بادشاہ کے خطابات سے ہوتا تھا امراء کو نہیں دیئے جاتے تھے مثلاً ابتدائی دور میں "دین" پر ختم ہونے والے خطاب صرف مغل بادشاہوں کے لئے تھا لیکن عالمگیر کے زمانے میں یہ خطاب بھی امراء کو دیا جانے لگا اس کی وجہ یہ تھی کہ دکن میں مرہٹوں کے خلاف جنگ میں جب میر شہاب الدین نے نمایاں کامیابی حاصل کی تو اسے غازی الدین کا خطاب دیا گیا لیکن یہاں بھی اس بات کا خیال رکھا گیا کہ امراء کو ایسے خطابات نہیں دیئے جائیں جن میں وہ دین کے محافظ یا حامی تصور کئے جائیں یہ صرف بادشاہ کے لئے مخصوص تھے لہٰذا مغل دور میں امراء کو جو خطابات دیئے جاتے تھے وہ خان، ملک، دولہ، بہادر، جنگ اور دین پر ختم ہوتے تھے۔(۲۶)

مغل امراء کو ان کی جنگی اور انتظامی صلاحیتوں اور کارناموں کے صلہ میں خطابات دیئے جاتے تھے دستور یہ تھا کہ تخت نشینی کے وقت مغل بادشاہ اپنے امراء کو خطابات عطا کیا کرتا تھا خاص طور سے ان افراد کو جنہوں نے اس کی تخت نشینی میں مدد اور حمایت کی تھی لیکن اس کے علاوہ جن موقعوں پر یہ خطاب دیئے جاتے تھے ان میں نوروز بادشاہ کی شمسی و قمری سالگرہ، عید الفطر، عید الاضحیٰ اور دوسرے تہوار اور تقریبات ہوا کرتی تھیں کبھی کبھی بہادری اور شجاعت کے جوہر دکھانے پر موقع پر ہی خطاب دیا جاتا تھا جیسا کہ ایک مرتبہ شکار کی مہم کے دوران شیر نے جہانگیر پر حملہ کر دیا اسپر انوپ رائے نے بڑھ کر اس کے منہ میں اپنا ہاتھ ڈال دیا اور بادشاہ کی جان بچائی بادشاہ نے اس کی جرأت و بہادری سے خوش ہو کر فوراً اسے اسی جگہ "سنگھ دلن" کا خطاب عنایت کیا(۲۷) اسی طرح ایک مرتبہ علی قلی استجلو نے جو جہانگیر کی ملازمت میں تھا تلوار سے شیر کا شکار کیا تو بادشاہ نے خوش ہو کر اسے "شیر افگن" کا خطاب دیا(۲۸)

عہد عالمگیری میں میر تقی دارا شکوہ کے خلاف اجمیر کے قریب ہونے والی جنگ میں بڑی بہادری سے لڑا تو عالمگیر نے اس کی بہادری کو سراہتے ہوئے اسے "فتح خان" کا خطاب دیا۔ یہ بھی مغلوں میں دستور تھا کہ اگر باپ کے بعد اسکا بیٹا خود کو لائق اور قابل ثابت کرتا تو اسکے باپ کا خطاب اسے مل جایا کرتا تھا ایسے چند موروثی خطابات یہ تھے:-

الہ وردی خان ، اعتقاد خان ، امیر خان اور فدائی خان وغیرہ (۲۹)
بادشاہ اگر کسی امیر سے ناراض ہو جاتا تھا تو اس کا خطاب ضبط بھی ہو جایا کرتا تھا اور یہ اس کو اسی صورت میں واپس ملتا تھا جب اس کو معافی مل جاتی تھی کبھی کبھی خطابات کو تبدیل کر کے ایک دوسرے امراء کو دے دیا جاتا تھا مثلاً شاہ جہاں نے ایک مرتبہ فدائی خان کا خطاب مرزا ہدایت اللہ خان سے ظریف خان کو دیدیا اور ہدایت اللہ خان کو اس کے بجائے "جاں نثار خاں" کا خطاب دیا لیکن ظریف خاں کی وفات کے بعد اسے دوبارہ اپنا پرانا خطاب واپس مل گیا (۳۰)

پہلا خطاب جو کسی امیر کو ملا کرتا تھا وہ خان ہوا کرتا تھا ابتدا میں اس کے ذاتی نام سے آگے استعمال ہوتا تھا جیسے اگر کسی شخص کا نام حسن ہے تو خان کے خطاب کے بعد وہ حسن خان ہو جاتا تھا دوسرے مرحلہ میں اسے پورا خطاب ملا کرتا تھا اس صورت میں حسن خان عالم خان سیاست خان یا مخلص خان" ہو جاتا تھا اس کے بعد وہ اپنے ذاتی نام سے نہیں پکارا جاتا تھا بلکہ نئے خطاب سے یاد کیا جاتا تھا ایک ہی شخص کو یکے بعد دیگرے تین سے چار تک اس قسم کے خطابات ملتے تھے مثلاً میر عبدالکریم ، ایک عالمگیر امیر کو ابتدا میں "خانہ زاد خان" کا خطاب ملا پھر وہ میر خانہ زاد خان ہوا اور آخر میں امیر خان (۳۱) اسی طرح تربیاش خاں کو پہلے "کار طلب خان" کا خطاب ملا پھر شجاعت خان ہو۔(۳۲) گر ایک امیر کو یکے بعد دیگرے دو تین یا چار خطابات ملتے تھے تو اس سے اس کی اہمیت تو ظاہر ہوتی تھی لیکن ان خطابات میں کون سا ادنیٰ یا اعلیٰ ہوتا تھا، مرکز نہیں ہوتا مغل دربار میں ایک امیر کا رتبہ اور درجہ کا تعین اس کے خطاب سے نہیں بلکہ منصب سے ہوتا تھا۔

مغل امراء حقیقت میں فوجی اور فوج کے کمانڈر ہوا کرتے تھے اور اپنا مقام میدانِ جنگ میں بہادری اور شجاعت کے جوہر دکھا کر بناتے تھے ان کی ترقی اور ان کے خطابات میں ان کی جنگی کامیابیوں کو بڑا دخل تھا اس لیئے ان امراء کو اس قسم کے خطابات دیئے جاتے تھے جن سے ان کی جنگی مہارت ، بہادری اور شجاعت ظاہر ہو مثلاً شہباز خان ، مہابت خان ، تہور خان ، دلاور خان ، لشکر خان ، ہمت خان ، سیف خان ، بہادر خان ، شجاعت خان ، اور غازی خان کچھ امراء کو اس قسم کے خطابات ملتے تھے جن سے ان کی شخصیت کا کوئی وصف

اور خوبی ظاہر ہوتی تھی ، جیسے مروت خان ، دیانت خان ، مخلص خان ، اعتماد خان اور وفادار
خان کبھی ان خطابات کے ذریعے سے امرا سے کام کی نوعیت ظاہر ہوتی تھی جیسے نقیب خان
آتش خان اور نوبت خان (۳۳)

خان کا خطاب اس وقت بڑا اہم ہو جاتا تھا جب خان پہلے آتا تھا اور اس
کے ساتھ کوئی صفت لگائی جاتی تھی اس قسم کے خطاب مغلوں نے سلاطین دہلی سے وراثت میں پائے تھے
بابر نے بابر نامہ میں ان خطابات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے ہندوستان میں یہ اپنے پسندیدہ
امرا کو مستقل خطابات دیتے ہیں ان میں ایک اعظم ہمایوں ہے ایک خانِ جہان ہے اور دوسرا
خانِ خاناں ہے" (۳۴) "اعظم ہمایوں" کا خطاب مغلوں نے کسی امیر کو نہیں دیا لیکن اس کے علاوہ دوسرے
دو خطابات امرا کو دیئے جاتے رہے اور اسی روایت پر چلتے ہوئے انہوں نے خان سے ملا کر
دوسرے خطابات ایجاد کئے مثلاً خانِ اعظم ، خانِ زماں ، خانِ عالم ، خانِ دوران اور خانِ معظم

ان میں سب سے زیادہ قابلِ احترام اور اہم خطاب خانِ خاناں کا تھا اور پورے
مغل دورِ حکومت میں یہ خطاب سلطنت کے انتہائی اہم اور بڑے امیر کو ملا کرتا تھا پہلا امیر جسے یہ
خطاب ملا وہ بیرم خان (وفات ۱۵۶۱) تھا دوسرے اہم امرا جنہیں یہ خطاب ملا ان میں
منعم خان (وفات ۱۵۷۵) عبدالرحیم (وفات ۱۶۲۷) بیرم خان کا لڑکا آصف خان (وفات
۱۶۴۱) اور میر جملہ (وفات ۱۶۶۳) شامل تھے۔

خانِ خاناں کے بعد دوسرا اہم خطاب خانِ جہاں کا تھا یہ ہمیشہ اس امیر کو ملا کرتا
تھا جسنے مغل بادشاہ اور مغل سلطنت کے لیئے اہم کارنامے سرانجام دیئے ہوں اس خطاب کی
اہمیت کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے ابوالمظفر (وفات ۱۶۴۵) جو شاہ جہاں کے دربار کا
ایک ممتاز امیر تھا اور جس کا تعلق "ساداتِ بارہہ" سے تھا اسے اس کی فوجی خدمات کے
صلہ میں خانِ جہاں کا خطاب ملا تھا ایک مرتبہ ایک دعوت کے بعد اس نے بادشاہ کو خوش کرنے
کی غرض سے اس کے جوتے سامنے لاکر رکھے بادشاہ یہ دیکھ کر سخت غصہ ہوا اور اس نے کہا جو امیر جہاں
کا خطاب رکھتا ہے اسے تو شہزادوں اور بڑے بڑے امرا کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس
کا رتبہ دربار کے تمام امرا سے بڑا ہوتا ہے اسے ہمیشہ باوقار اور تمکنت کے ساتھ رہنا چاہیئے۔

اسے چاہیے کہ آداب کے معاملہ میں "تورہ چنگیزی" (۳۵) پر عمل کرے (۳۶) جہاں گیر کے عہد میں یہ خطاب، خان جہاں لودھی (وفات ۱۶۳۱) کو ملا ہوا تھا۔

ایک اور اہم خطاب، آصف خاں کا تھا یہ خطاب مغل وزیر کو دیا جاتا تھا کیونکہ آصف، حضرت سلیمان کے وزیر کا نام تھا جو اپنی دانش مندی اور عقل مندی کی وجہ سے مشہور تھا۔ اکبر نے یہ خطاب اپنے تین وزراء کو دیا تھا: عبدالمجید (وفات ۶۴-۱۵۶۳) خواجہ غیاث الدین علی (وفات ۱۵۸۱) اور مرزا جعفر بیگ (وفات ۱۶۱۲) جہاں گیر نے یہ خطاب اپنے وزیر ابوالحسن (وفات ۱۶۳۱) کو دیا (۴۷) ترخان کا خطاب ایک پرانا منگول خطاب تھا اور اس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس خطاب کو پانے والا کچھ مراعات کا حقدار ہوتا تھا ان میں سے ایک یہ تھی کہ اسے نو جرموں کے بعد سزا ملتی تھی (۴۸) سلطان خواجہ اور نقد الدین کو یہ خطاب ملا ہوا تھا۔ جب نور الدین کو یہ خطاب ملا تو وہ اس کی اہمیت کو نہیں سمجھ سکا اور اس نے اس پر چند طنزیہ اشعار کہے (۴۹)

خان کا خطاب، امراء کو سخت محنت کرنے اور قابلِ قدر کارنامے سرانجام دینے کے بعد ملا کرتا تھا اس لیے ان کی خواہش ہوتی تھی کہ یہ خطابات صرف امراء تک محدود رہے اور ہر کسی کو معمولی بات پر عطا نہ کیا جائے۔ جہاں گیر نے جب محمد شریف (وفات ۱۶۳۹) کو معتمد خان کا خطاب دیا جو ایران کا گمنام شخص تھا تو مغل امراء اس پر سخت ناراض ہوئے اور کسی نے یہ شعر اس موقع کے لیے کہا،

بدورِ جہاں گیر خان ارزاں شُد
شریف بالوٹۂ ما رفت و معتمد خاں شُد (۵۰)

اکبر نے اپنے امراء کو ایسے خطابات دینے شروع کر دیے جو "ملک" اور "دولہ" پر ختم ہوتے تھے ان خطابات سے مغل ریاست کے نظریہ کا اظہار ہوتا تھا کہ بادشاہ کی حیثیت "اس نظام میں" سربراہ کی تھی، جب کہ امراء اس کے ستون تھے ان خطابات کے ذریعہ، بادشاہ اپنے امراء کو بیاست کا مالی، محافظ، مددگار، اور دستِ راست تسلیم کرتا تھا، "ملک" پر ختم ہونے والے خطابات اکثر وزیروں کو دیئے جاتے تھے یا اعلیٰ منصبداروں کو ان میں سے کچھ مشہور خطابات یہ تھے

جملۃ الملک ۔ جمدۃ الملک، نظام الملک ، وزیر الملک ، امین الملک ، مدار الملک اور امیر الملک ۔

دولہ پر ختم ہونے والے خطاب سب سے پہلے اہم عہد اکبری کے امیر فتح اللہ شیرازی (وفات ۱۵۸۹ء) کے ہاں پاتے ہیں جو عضد الدولہ کے خطاب سے موسوم تھا جہانگیر نے اپنے عہد میں یہ خطاب مرزا غیاث بیگ (وفات ۱۶۲۱ء) کو اعتماد الدولہ کی شکل میں دیا شاہ جہان نے یمین الدولہ کا خطاب آصف خاں کو دیا۔

جنگ پر ختم ہونے والے خطابات سب سے پہلے جہانگیر کے عہد سے شروع ہوئے لیکن ان کی مقبولیت عہدِ عالمگیری میں ہوئی کیونکہ اس کے جنرل مسلسل مرہٹوں اور دکن کی سلطنتوں سے جنگ میں معروف رہے اس لیئے ان کی جنگی خدمات کے صلہ میں امراء کی اکثریت کو جنگ پر ختم ہونے والے خطابات ملے ان خطابات سے بھی دو قسم کی علامات کا اظہار ہوتا تھا وہ خطابات جن سے کسی شخص کی جرأت و بہادری ، شجاعت جو اس نے میدانِ جنگ میں دکھائی تھی ظاہر ہوتی تھی جیسے اسد جنگ اور صلابت جنگ وغیرہ دوسرے وہ خطابات جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس شخص نے جنگ کامیابی ، وکامرانی اور فتح حاصل کی ہے ۔ جیسے فتح جنگ ، نصرت جنگ ، ظفر جنگ اور فیروز جنگ وغیرہ ،

مغل دربار کا ایک خطاب "بہادر" تھا جو ان امراء کو ملا کرتا تھا جو میدانِ جنگ میں دشمن سے بہادری سے لڑکر فتح یاب ہوتے تھے یہ بھی ایک قدیم منگول خطاب تھا ، مغل دربار میں یہ دستور تھا کہ یہ خطاب اکیلا نہیں دیا جاتا تھا بلکہ خان ، ملک ، دولہ اور جنگ کے ساتھ دیا جاتا تھا اورنگ زیب کے عہد سے یہ خطاب عام ہوا ،

اس کے علاوہ دوسرے اہم خطابات جو خاص خاص امراء کو دیئے جاتے تھے یہ تھے امیر الامراء ، بگلر بیگی ، صاحب سیف وقلم ، رکن السلطنت اور مہابت خان وغیرہ وغیرہ

ہندو امراء کو جو خطابات دیئے جاتے تھے وہ مسلمان امراء سے مختلف ہوا کرتے تھے یہ خطابات تھے راجہ ، مہاراجہ ، رائے ، رائے رایاں ، راؤ اور رانا ، رائے رایاں کا خطاب امیر الامراء اور خان خاناں کے برابر ہوا کرتے تھے ان کے علاوہ جو خطابات ہندو امراء کو

دیئے جاتے تھے وہ یہ تھے۔

راجہ بکرما جیت ، راجہ کرن ، راجہ دھیراج ، رانا راج سنگھ اور سیوا سنگھ رام راج

دکن میں سب سے بڑا خطاب سمجھا جاتا تھا شاہجہاں نے یہ خطاب "سر بلندراے" کو دیا تھا(۴۱)

خوش نویسوں کے خطابات

مغل دربار سے خوش نویسوں کو جو خطابات ملتے تھے ان میں ان کی فنی مہارت اور خط کی عمدگی وخوبصورتی کا اظہار ہوتا تھا، جیسے "شیریں قلم"(۴۲) "عنبریں قلم اور زریں قلم"(۴۳)

موسیقاروں کے خطابات

مغل دربار میں وسط ایشیا، ایران اور ہندوستان کے موسیقاروں کا مجمع ہوا کرتا تھا جس کے نتیجہ میں ان ممالک کی موسیقی نے آپس میں مل کر موسیقی کے میدان میں نئے نئے اضافے کئے اگر چہ دربار کے عظیم موسیقاروں کی اکثریت ہندوستانیوں کی تھی لیکن دوسرے ملکوں کے موسیقار بھی اپنے کمالات کی وجہ سے اہمیت کے حامل رہے ہندو اور مسلمان موسیقاروں نے ہندو موسیقی کی روایات کو آگے بڑھایا ہندو راگ اور ہندو موسیقی کے آلات میں نت نئے اضافے کئے ان موسیقاروں کو جو خطابات ملتے تھے ان سے ان کی موسیقی کی مہارت اور اس موسیقی کے ساز کا اظہار ہوتا تھا جو وہ بجایا کرتے تھے جیسے سُرگیان خان سرود خان، تنتراق خان ، سرمنڈل خان اور ربوربین خان وغیرہ(۴۴)

دوسرے خطابات

مغل دربار کے عظیم مصور اور مہندس جو بادشاہ اور سلطنت کی خدمت کرتے تھے انہیں بھی ان کی فنی مہارت کے صلہ میں خطابات ملا کرتے تھے جہانگیر نے اپنے دربار کے سب سے عمدہ مصور کو "نادر الزماں"(۴۵) کا خطاب دیا تھا۔

شاہ جہاں نے استاد احمد کو جس نے تاج محل اور لال قلعہ کی تعمیر کی تھی "نادر العصر" کا خطاب دیا تھا۔ مغل دربار کا سب سے بہترین شاعر "ملک الشعراء" کا خطاب پاتا تھا۔ (۲۶)

چھٹا باب

شاہی انعامات و خیرات

نظریہ بادشاہت میں اس بات کی بھی اہمیت تھی کہ بادشاہ وقتاً فوقتاً انعامات، واکرامات اور صدقہ و خیرات دیتا رہے تاکہ امراء اور رعیت میں اسکا احترام بڑھے اور اس کے لئے عقیدت کے جذبات پیدا ہوں اس لئے یہ دستور تھا کہ امراء اور معاشرے کے اعلیٰ طبقہ کے افراد تو بیش قیمت انعامات پاتے تھے جبکہ رعیت کے غریب اور حاجتمند افراد میں خیرات تقسیم کی جاتی تھی۔

انعامات

خصوصیت سے تہواروں اور تقریبات کے موقعوں، بادشاہ، شہزادوں شاہی بیگمات امراء، منصبداروں، سفیروں اور دوسرے اعلیٰ طبقہ کے افراد کو تحفہ تحائف دیا کرتا تھا خاص طور سے شہر ودل کو یہ انعامات دو صورتوں میں ملتے تھے لوگ دربار کے سب سے اعلیٰ امیر اور فوج کے کمانڈر ہونے کی حیثیت سے اور دوم شاہی خاندان سے تعلق رکھنے کیوجہ سے شہزادیاں اور حرم کی دوسری خواتین کو تہواروں کے مواقع پر انعامات دیئے جاتے۔ تہواروں کے علاوہ شاہی خاندان میں بیاہ شادی اور بچوں کی پیدائش پر انہیں خصوصی انعامات سے نوازا جاتا تھا۔

امراء کو ان کی بہادری و شجاعت یا کسی شعبہ میں ان کی بیش بہا خدمات کے سلسلہ میں تحائف دیئے جاتے تھے اس مقصد کے لئے دربار میں "نقدی" ہمیشہ رہا کرتی تھی

عام طور سے دربار میں بحث و مباحثہ مشاعرے اور موسیقی میں بہترین کمالات کا مظاہرہ کرنے پر بھی انعامات ملا کرتے تھے کبھی کبھی کوئی اچھا فقرہ کہہ کر اپنی ذہانت ثابت کرتا اور بادشاہ سے انعام کا حقدار ہو جاتا کامیاب مہم سر کرتے یا فتحیاب ہونے کے بعد بھی انعامات دیئے جاتے تھے[۱] بادشاہ کی بیماری سے صحت یابی بھی انعامات کیلئے ایک موقع ہوا کرتا تھا۔

انعامات اور تحفہ تحائف دینے کی جو رسومات تھیں ان کا مقصد یہ تھا کہ دربار کے امراء اور اعلیٰ عہدے داروں کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی ہمت افزائی کی جائے تاکہ ان میں مزید جوش و ولولہ اور فرماں برداری کے ساتھ بادشاہ اور سلطنت کی خدمت کرنے کا جذبہ و مقابلہ پیدا ہو۔

اعزازات اور تحائف کی مختلف قسمیں ہوا کرتی تھیں اور یہ دربار کے افراد کو ان کے عہدے اور مرتبے کے حساب سے دیئے جاتے تھے ان میں سے کچھ اعزازات شہزادوں کے لیے وقف تھے کچھ اعلیٰ امراء کے لیے مثلاً آفتاب گیر صرف شہزادوں کو عطا کیا جاتا تھا جہانگیر نے ایک مرتبہ اسے شہزادہ پرویز[۲] کو دیا تھا نقارہ صرف شہزادوں اور ان امرا کو دیا جاتا تھا، جن کا منصب کم از کم ۲۰۰۰ سواروں کا ہوا کرتا تھا۔ یہ روایت تھی کہ جب کسی کو نقارہ انعام میں دیا جاتا تھا تو وصول کرنے والا اسے اپنی پشت پر رکھتا تھا یہ انعام ہمیشہ کسی نہ کسی شرط کے ساتھ دیا جاتا تھا مثلاً یہ بادشاہ کی موجودگی میں نہ بجایا جائے وغیرہ، شہزادوں تک کو اس بات کی اجازت نہیں ہوتی تھی کہ ان شرائط کی خلاف ورزی کریں جہانگیر کے عہد میں جب نقارہ نور جہاں بیگم کو انعام میں دیئے گئے تو اسے اجازت تھی کہ وہ شاہی نقارے کے بعد اپنا نقارہ بجا سکتی ہے[۳] ماہی مراتب[۴] شہزادوں اور ان امراء کو ملتا تھا جن کا منصب کم از کم ۲۰۰، سواروں کا ہوا کرتا تھا کبھی کبھی خاص خاص موقعوں پر اس میں تبدیلی بھی کر لی جاتی تھی مثلاً عالمگیر نے ایک مرتبہ، اظہار پسندیدگی کے طور پر اسے نصرت جنگ کو عطاء کیا تھا[۵] تومان توغ یا یاک کی دموں کا جھنڈا، شہزادوں اور ان منصب داروں کو دیا جاتا تھا جو کم از کم ۵۰۰۰ سوار رکھتے تھے[۶] اگر کبھی بادشاہ اپنے خاصہ کے ہاتھیوں سے کوئی ہاتھی کسی امیر کو دیتا تو یہ اس کیلئے ایک بڑے اعزاز کی بات ہوا کرتی تھی۔

خلعت کی بہت سی اقسام ہوا کرتی تھیں[۷] یہ دربار کے امراء یا سلطنت کے عہدے داروں کی، انکی خدمات، اور ان کے رتبہ کے مطابق دی جاتی تھیں یہ خلعتیں، تین، پانچ، چھ اور

سات پارچوں پر مشتمل ہوا کرتی تھیں۔ تین پارچوں پر مشتمل خلعت میں پگڑی، جامہ اور کمربند ہوا کرتا تھا پانچ پارچوں پر مشتمل خلعت میں سرپیچ[۸] بالا بند اور نیم آستین زیادہ ہوا کرتی تھیں سات پارچوں والی خلعت میں پگڑی، قبا، کوٹ دو جوڑے شلوار کے، دو قمیص، دو کمربند اور ایک گردن یا سر کا رومال ہوا کرتے تھے[۹] ایک خاص قسم کا خلعت جو نادری کہلاتا تھا جہانگیر کی اپنی ایجاد تھا۔[۱۰] یہ خلعتیں سال میں دو مرتبہ موسم سرما اور موسم بارش میں دی جاتی تھیں لیکن اس کے علاوہ تہواروں اور تقریبوں پر بھی یہ بطور انعام عطا کی جاتی تھیں[۱۱]۔ اگر بادشاہ کسی کو اپنا ملبوسِ خاص عنایت کرتا تو یہ اس کے لیے ایک بڑے اعزاز کی بات سمجھی جاتی تھی[۱۲] دعو، ایک گرم لبادہ ہوا کرتا تھا جو خاص موقعوں پر دیا جاتا تھا اکبر نے دعو اور قیمتی ملبوسات کو بیرم خاں کی شکست کے بعد اتکہ خاں کو بخشا تھا[۱۳] سراپا، اس خلعت اور لباس کو کہتے تھے جس میں سر سے لیکر پیر تک تمام لباس ہوا کرتے تھے یہ روایت تھی کہ جس شخص کو خلعت ملا کرتا تھا وہ اسے پہن کر تین دن تک دربار میں آئے[۱۴]

سرپیچ، ان امرا کو دیا جاتا تھا جو کم از کم... ہزار سواروں کا منصب دار رکھتے ہوں۔ کبھی کبھی اظہارِ خوشنودگی کے طور پر یہ امراء کے چھوٹے بچوں کو دیا تھا مثلاً عالمگیر نے قیمتی سرپیچ محمد امین خاں کے لڑکے کو عطا کی۔[۱۵] اس انعام کے پانیوالوں کے لئے ضروری تھا کہ وہ اسے اتوار کے علاوہ کبھی دوسرے دن نہیں پہنیں، انہیں اس بات کی بھی اجازت نہیں تھی کہ وہ اس سے ملتے جلتے سرپیچ اپنے روزمرہ کے استعمال کے لئے بنوائیں[۱۶]

پگڑی کی زیب و زینت کے لئے مختلف قسم کی کلغیاں اور جیغے ہوا کرتے تھے۔ کلغی اور جیغہ بھی دربار کے امرا کو ان کی خدمات کے صلہ میں دیئے جاتے تھے اگر بادشاہ اپنی پگڑی کسی امیر کو بطور تحفہ دیا کرتا تھا تو یہ ایک اعزاز کی بات سمجھی جاتی تھی مثلاً جہانگیر نے ایک مرتبہ اپنی پگڑی اپنے خسر اعتماد الدولہ کو عطا کی اور اس طرح اس کا اعزاز بڑھایا[۱۷]

شاہی اصطبل سے گھوڑا انعام میں دینا بھی ایک اعزاز کی بات سمجھی جاتی تھی۔ جہانگیر روزانہ شاہی اصطبل کا معائنہ کرتا تھا اور تیس[۲۰] گھوڑے امرا اور دوسروں کو انعام میں دینے کیلئے وہاں سے لئے جاتے تھے[۱۸] جہانگیر اور شاہجہاں نے یہ روایت شروع کی تھی کہ وہ اپنی تصاویر امرا کو تحفہ کے طور پر دیا کرتے تھے۔ ٹامس رو نے کچھ امرا کو دیکھا کہ وہ بادشاہ کی تصویریں اپنی

گردنوں میں بطور نیکلس ڈلے ہوئے ہیں۔[19] اگر بادشاہ سادہ یا اپنے دستخط کا کوئی خط کسی میر یا کسی شہزادے کو بھیجتا تو وہ اسے ایسا اعزاز کی بات سمجھتا تھا اور شاہی خط کو بڑے احترام اور عزت کیساتھ وصول کیا جاتا تھا۔[20] ہیرے جواہرات لعل و زمرد اور یاقوت کی انگوٹھیاں بطور تحفہ دی جاتی تھیں کبھی کبھی انعام دینے والے کا خطاب اس پر کندہ کرایا جاتا تھا۔[21] جب وزیر کا نیا تقرر ہوتا تھا تو بطور علامت کے اسے سنہری قلمدان اور قلم دیا جاتا تھا۔[22] مرصع عصاء امیر توزک کو دیا جاتا تھا جس سے اس کی قوت و طاقت ظاہر ہوتی تھی۔[23]

کبھی کبھی شاہی کتب خانہ سے اظہارِ خوشنودگی کے طور پر کتابیں انعام میں دی جاتی تھیں جہانگیر نے اپنی توزک کی کاپیاں شاہجہاں، اعتماد الدولہ، شہزادہ پرویز اور دوسرے امراء کو بطور انعام دیں تھیں جب جہانگیر نے الہ آباد کا دورہ کیا تو اس نے وہاں علماء کو زمخشری کی، تفسیر کشاف حسین کاشفی کی تفسیر حسینی، اور امیر جمال الدین کی روضۃ الاحباب پیش کیں۔[24]

بادشاہ امراء کو شکار میں کچھ حصہ بھی بطور تحفہ بھیجا کرتا تھا کبھی کبھی وہ شاہی مطبخ سے کھانا اور پھل بھیجتا تھا گرمیوں میں بادشاہ سے لئے برف شمالی ہندوستان کے پہاڑوں سے لائی جاتی تھی اور ایک نعمت سمجھی جاتی تھی اس لئے بادشاہ پسندیدگی کے طور پر یہ بھی اپنے امراء کو بطور تحفہ بھیجا کرتا تھا۔[25]

کبھی کبھی بادشاہ کسی ایک دن کی وصول ہونے والی تمام پیش کش کسی امیر کو دے دیا کرتا تھا مثلاً جہانگیر نے نوروز کے ایک موقع پر تمام پیش کش حافظ نادعلی کو دے دی ایک دوسرے موقع پر پیر کے دن وصول ہونے والی پیش کش محمود آبدار کو بخشش دی۔[26]

شاعر موسیقار گویے، اور قصہ خوان اپنے فن میں کمالات دکھاتے پر خوشی میں سونے چاندی، یا روپیوں میں تولے جاتے تھے اور یہ رقم ساری کی ساری انہیں بخشش دی جاتی تھی کبھی کبھی خوشی میں ان کے منہ کو ایک یا دو بار موتیوں سے بھر دیا جاتا تھا اور یہ موتی پھر انہیں دے دیے جاتے تھے جہانگیر کے زمانہ میں قصہ خواں، ملا اسد، سعیدا شاعر اور محمد نائی، بانسری بجانے والا ان تینوں کو باری باری سونے اور روپیہ میں تولا گیا تھا۔[27]

جب بھی مغل امراء کو خطابات، اعلیٰ منصب اور عہدے میں ترقی ملتی تھی تو ان کو اس کے ساتھ

ساتھ ان کو ہمیشہ انعام میں جاگیر یا ہاتھی مع ساز و سامان کے یا گھوڑا، سونے یا چاندی کے ساز و سامان اور قیمتی زین کے ساتھ، یا زریں مرصع تلواریں، اور ڈھالیں ملا کرتی تھیں

خطابات، خلعت، نقارہ، جھنڈے، علم، اور دوسری چیزوں کے علاوہ مغل بادشاہ اپنے امراء کو جو انعامات دیئے کرتے تھے ان میں' جواہرات سے مزین خنجر، تیر کمان، ترکش زیورات جیسے پہونچی، بازو بند کڑے، گلوبند سونے چاندی کی پلیٹیں و طشت، پیالے، پاندان ایسی شیشیاں جو قیمتی جواہرات سے مزین ہوں، قیمتی شال' رومال، تسبیح اور خوشبوئیں ہوا کرتی تھیں[۲۸]

خیرات

مغل بادشاہ امراء' منصبداروں اور درباریوں کو قیمتی انعامات سے نوازا کرتے تھے کیونکہ ان افراد پر سلطنت کا انحصار تھا، انہیں سلطنت سے وفادار رکھنے اور بادشاہ و شاہی خاندان سے محبت پیدا کرنے کے لیئے ضروری تھا کہ ان کو بیش قیمت انعامات اور اعزازات سے نوازا جاتا رہے تاکہ یہ وفاداری کے ساتھ ان کی خدمت کریں اور کبھی بغاوت کا خیال اپنے دل میں نہ لائیں

ہندوستان کی اکثریت' جو عوام' یا رعیت کہلاتی تھی غربت و افلاس میں زندگی گذارتی تھی اس لیئے بادشاہ کے لیئے ضروری تھا کہ ان غریبوں اور مفلسوں میں خیرات و صدقہ تقسیم کرے اور لنگر خانے قائم کرکے وہاں انہیں کھانا کھلائے تاکہ اپنے لیئے عزت و احترام کا جذبہ پیدا کیا جائے اور اپنی فیاضی و سخاوت کی شہرت قائم کی جائے نظریہ بادشاہت میں یہ ضروری تھا کہ بادشاہ اپنی فیاضی کا مظاہرہ وقتاً فوقتاً کرے تاکہ رعیت کو اس بات کا احساس ہو کہ بادشاہ ان کا ہمدرد اور ان کا مددگار ہے۔

اسی لیئے مغل بادشاہ تہواروں اور تقریبات پر دریا دلی سے خیرات تقسیم کرتے تھے اور ضرورت کے وقت، ضرورت مندوں اور حاجت مندوں کے لیئے رہائش کا بھی بندوبست کرتے تھے خاص طور سے خشک سالی اور قحط کے زمانہ میں۔

تقریبات کے موقع پر یہ دستور تھا کہ روپیہ و پیسہ بادشاہ کے سر سے گرد گھما کر عوام میں تقسیم کر دیا جاتا تھا، تاکہ بادشاہ تمام بلاؤں اور آفات سے محفوظ رہے یہ رسم نثار کہلاتی تھی[۲۹]

یہ روایت بھی تھی کہ جب کبھی بادشاہ عیدین کی نماز کے لئے یا مزاروں کی زیارت کے لئے جاتا تھا تو راستے میں کھڑے لوگوں میں پیسے بکھیرتا ہوا اور پھینکتا ہوا جاتا تھا اس طرح یہ پیسے تقسیم کرنا ہندوستان میں فیاضی و سخاوت کی علامت سمجھا جاتا تھا اور عوام میں اس سے اس شخص کے لئے عقیدت و احترام کے جذبات پیدا ہوتے تھے جہانگیر نے اپنی توزک میں کئی جگہ اس کا تذکرہ کیا ہے کہ اس نے لوگوں میں پیسے پھینکے اس کے انداز تحریر میں اپنے اس اقدام پر فخر و بڑائی کا احساس جھلکتا ہے[۳۰]

شہزادے کی پیدائش یا شاہی خاندان میں شادی کی صورت میں لوگوں میں روپے تقسیم کئے جاتے تھے جہانگیر نے شہزادے پرویز کی شادی کے موقع پر شریف آملی اور دوسرے امراء کو ہزار روپیہ دیئے تاکہ وہ انہیں غریب لوگوں میں تقسیم کریں[۳۱]

جب جہاں آرا بری طرح آگ میں جل گئی تھی تو اس موقع پر صدقہ و خیرات کا انتظام کیا گیا۔ پہلے دن ساٹھ ہزار روپیہ غریبوں میں تقسیم کیلئے دیا گیا اس کے بعد تین دن تک ۵ ہزار اشرفیاں اور ۵ ہزار روپیہ غریبوں میں تقسیم کئے گئے۔ ایک ہزار روپیہ ہر روز تقسیم کئے گئے جب تک کہ وہ صحت یاب نہیں ہو گئی[۳۲]۔

اکبر کا یہ دستور تھا کہ وہ ہمیشہ اپنے ساتھ نقدی رکھا کرتا تھا اور مانگنے والے کو کچھ نہ کچھ دیتا تھا[۳۳]۔ ایک مرتبہ کابل سے واپسی پر اسے راستے میں ہر ملنے والے فقیر کو ایک سونے کا ٹکہ دیا جن کی تعداد تقریباً ۳۰۰ تک پہنچ گئی[۳۴]۔ ایک مرتبہ اکبر نے فتح پور سیکری میں انوپ تلاؤ کو سکوں سے بھروایا اور بعد میں یہ سکہ اس نے درباریوں اور غریبوں میں تقسیم کئے[۳۵]۔

حج کے موقع پر مغل بادشاہ ایک بڑی رقم حجاز بھیجا کرتے تھے تاکہ اسے وہاں لوگوں میں تقسیم کیا جا سکے ایک مرتبہ اکبر نے چھ لاکھ روپیہ اور بارہ ہزار خلعتیں بھیجیں تاکہ مقدس شہر کے عہدے داروں علماء اور غریبوں میں تقسیم کی جائیں[۳۶]۔

مغل بادشاہ چاند اور سورج گرہن کے موقعوں پر اور شہاب ثاقب کے نمودار ہونے کے وقت بھی خیرات تقسیم کرتے تھے یہ موقعے بادشاہ کیلئے منحوس سمجھے جاتے تھے اس لئے جہانگیر کا دستور تھا کہ وہ ان موقعوں پر سونا چاندی کپڑوں اور اناج میں تلا کرتا تھا اور پھر یہ اشیاء غریبوں میں تقسیم کر دی جاتی تھیں[۳۷]۔

جہانگیر، علماء کے ذریعے سے غریبوں میں خیرات تقسیم کرتا تھا جب وہ سفر پر ہوتا تھا تو گرز برداروں کو حکم دیتا تھا کہ وہ قریبی گاؤں سے بیواؤں اور حاجتمندوں کو بلا کر لائیں تاکہ انہیں خیرات دی جا سکے ایسے موقعوں پر وہ ذاتی طور پر ان میں روپیہ تقسیم کرتا تھا ایک مرتبہ اس نے ۵۵ ہزار روپیہ ایک لاکھ نوّے ہزار بیگہ زمین چودہ گاؤں اور گیارہ ہزار چاول سے لدے ہوئے خچر درویشوں میں تقسیم کئے[۳۸]

شاہ جہاں کا دستور تھا کہ وہ پیغمبرؐ کی پیدائش پر معراج، رمضان کے مہینہ میں اور محرم کے ایام میں، خیرات دیا کرتا تھا وہ ہر سال اپنی محبوب بیوی ممتاز محل کی برسی پر پچاس ہزار روپیہ غریبوں میں تقسیم کرتا تھا[۳۹]

یہ ایک پرانا دستور تھا کہ غریبوں فقیروں اور سیاحوں کیلئے ملک میں جگہ جگہ لنگر خانے کھولے جاتے تھے جہاں انہیں مفت کھانا ملا کرتا تھا مغل بادشاہوں نے بھی پورے ہندوستان میں ریاست کے خرچ پر اس قسم کے لنگر خانے قائم کرائے تھے قحط، یا خشک سالی کے موقعوں پر ان لنگر خانوں میں مزید اضافہ کر دیا جاتا تھا[۴۰]

اکبر نے ہندو اور مسلمان غریبوں کے لئے فتح پور میں لنگر خانے تعمیر کرائے تھے یہ خیر پورہ اور دھرم پورہ کے نام سے موسوم تھے ان کی قربت کر کثیر تعداد میں جوگیوں نے بھی آنا شروع کر دیا اس لئے ان کے لئے ایک علٰحیدہ لنگر خانہ بنایا گیا جو جوگی پورہ کے نام سے مشہور ہوا۔[۴۱]

جہانگیر نے اپنے عہد حکومت میں اس قسم کے مکانات احمد آباد، لاہور، الہ آباد، دہلی اور آگرہ میں قائم کئے تھے یہ جگہائیں بلغر خانہ کے نام سے یاد کی جاتی تھیں ایک مرتبہ اس نے کشمیر کے بلغر خانہ کیلئے تین ہزار روپے دیئے[۴۲] شاہجہاں نے قحط کے زمانے میں مختلف شہروں میں غریبوں کے لئے لنگر خانہ کھلوائے خصوصیت سے برہانپور میں عالمگیر نے اپنے عہد حکومت میں دس دار الحکومت میں اور بارہ دوسرے علاقوں میں کھلوائے[۴۳]

انعامات و خیرات وہ ایسے ذریعے تھے جو بادشاہ کی شخصیت کو محترم بناتے تھے۔ خیرات کے دینے میں مذہبی عنصر بھی شامل تھا کہ غریبوں اور محتاجوں کو مدد دینے سے انہیں ثواب بھی ملے گا اور ان پر سے آفتیں اور بلائیں بھی دور ہوں گی اس لئے ہم عصر مورخوں نے

بادشاہوں کی اس صفت کی تعریف اور توصیف کی ہے اور انہیں غریبوں اور حاجتمندوں
کا ہمدرد اور محافظ بتایا ہے۔ محتاجوں اور فقیروں کی اس قدر بہتات سے یہ اندازہ ہوتا ہے
کہ معاشرے کی اکثریت مفلسی اور عسرت کی زندگی گذار رہی تھی جبکہ دولت صرف امراء کے
طبقے میں تھی

مُغل اُمراء

بادشاہت کے ادارے کا ایک انتہائی اہم ستون امراء کا طبقہ ہوا کرتا تھا اس لئے ہر حکمران خاندان اس بات کی کوشش کرتا تھا کہ ایک ایسے امراء کے طبقہ کو پیدا کرے جو وفاداری اور نمک حلالی کیساتھ اس خاندان کی خدمت و حفاظت کرے مثلاً کبھی حکمران خاندان کو ایک ایسا طبقہ زیادہ اچھا لگا جس کی بنیاد موروثی ہو۔ کیوں کہ موروثی امراء کا طبقہ اپنے مفادات کو حکمران خاندان سے ملا دیتا تھا اور ان کی حفاظت دل و جان سے کرتا تھا کبھی کبھی حکمران خاندان اپنے امراء کے طبقہ کی بنیاد غلاموں پر رکھتے تھے جو تمام تعلقات سے کٹے ہوئے صرف حکمران خاندان کے ساتھ وفادار رہتے تھے اکثر یہ بھی ہوتا تھا کہ حکمران خاندان غیر ملکیوں کی پشت پناہی کرتے اور انہیں اعلیٰ عہدے اور منصب دیکر انہیں اپنا وفادار بناتے اس بات سے ہر شاہی خاندان بخوبی واقف تھا کہ اس کے خاندان کی بقا اور اس کے استحکام کے لئے ضروری ہے کہ قابلِ اعتماد وفادار اور لائق اُمراء کا طبقہ وجود میں آئے اس کے بعد وہ انہیں اعلیٰ عہدے، خطابات اور مراعات دے کر انہیں شاہی خاندان سے وابستہ کر لیتے تھے اور بادشاہ و امراء کا مفاد ایک دوسرے سے مل جاتا تھا۔

مغل حکمرانوں نے اوّل تو اس بات کی کوشش کی کہ وہ اپنے امراء کے طبقہ کو ایران وسطِ ایشیاء اور دوسرے مسلمان ملکوں سے آنے والوں پر تشکیل کریں کیوں کہ یہ نئے آنے والے اپنا وطن خاندان اور رشتہ داروں کو چھوڑ کر آتے اور چونکہ انہیں مغل

حکمران کی جانب سے مراعات اور آسائشیں ملتیں تو ان کی وفاداری مغل خاندان سے زیادہ سے زیادہ ہوتی چلی جاتی انہیں اس بات کا بھی احساس رہتا تھا کہ ان کی بقا مغل حکومت کے استحکام میں ہے۔ اگر اس خاندان میں کمزوری آئی تو اس کے ساتھ ہی ان کے عہدے مناصب اور دولت خطرے میں پڑ جائے گی۔

مغل بادشاہ غیر ملکیوں کو ہمیشہ خوش آمدید کہا کرتے تھے کیوں کہ ان کی سامراجانہ اور جارحانہ پالیسی اس بات کی متقاضی تھی کہ انہیں تجربہ کار جنرل، سپاہی اور منتظمین برابر ملتے رہیں۔ ہندوستان میں جہاں ہندو اکثریت میں تھے انہیں مسلمان عہدے داروں اور فوجیوں کی ضرورت تھی جن کی مدد سے وہ برابر فتوحات کرتے رہیں اور اپنا سیاسی استحکام حاصل کرتے رہیں۔

نئے آنے والوں کو ہندوستان میں آکر آباد ہونے میں اس لئے بھی زیادہ مشکل پیش نہیں آتی تھی کہ یہاں پہلے سے ان کے ہم وطن آباد تھے وہ ہر نئے آنے والے کی مدد کرتے اور اسے ہندوستان میں آباد ہونے میں مدد کرتے۔ یہ غیر ملکی ہندوستان میں مختلف وجوہات کی بنا پر آیا کرتے تھے۔ جب انہیں اپنے ملکوں میں ترقی کرنے کے مواقع نہیں ملتے تو وہ اس امید پر ہندوستان کا رخ کرتے کہ یہاں ترقی کی راہیں ان کے لئے کھلی ہوں گی۔ اور حقیقت میں ان میں سے بہت کم ہندوستان میں آکر مایوس ہوئے جن میں ذرا بھی فوجی یا انتظامی صلاحیت تھی انہیں ترقی کرنے اور دولت کمانے کے پورے پورے مواقع ملے آنے والوں میں وہ لوگ بھی ہوتے تھے جو اپنے ملکوں میں بادشاہوں اور حکمرانوں کے ظلم و ستم کا شکار ہوئے یا بغاوت و سازش کے بعد بھاگ کر ہندوستان آ گئے مثلاً علی مردان خاں جو قندھار کا گورنر تھا اس نے صفوی حکمران کی ملازمت چھوڑ دی اور قندھار کا قلعہ مغلوں کے حوالے کر کے ہندوستان آ گیا۔ اسی طرح بصرہ کے دو عثمانی گورنروں نے مغل دربار میں پناہ لی ان کے علاوہ بہت سے حکمران جنہیں تخت و تاج سے ہاتھ دھونا پڑا مغل دربار میں آکر پناہ گزیں ہوئے۔

اکبر نے اس بات کو محسوس کرتے ہوئے کہ صرف غیر ملکی امراء کے طبقہ پر مغل خاندان کے استحکام کی بنیاد نہ رکھی جائے۔ اس نے ہندوستان میں راجپوت حکمران طبقہ کو بھی حق

امراء میں شامل کیا جس کی وجہ سے مغل خاندان کو ہندوستان کے اِن قدیمی امراء کی حمایت حاصل ہوگئی جن کا یہاں بڑا اثر رسوخ تھا راجپوتوں کے علاوہ کھتری کاستھ بھی امراء کے طبقہ میں شامل ہوئے مگر یہ زیادہ تر انتظامی عہدوں پر تھے جیسے اکبر کے زمانہ میں راجہ ٹوڈر مل اور اورنگ زیب کے عہد میں راجہ رگھوناتھ سترھویں صدی میں جب دکن کی ریاستوں کو فتح کیا گیا تو دکن کی مسلمان ریاستوں کے اُمراء اور مرہٹہ بھی اس طبقہ میں شامل ہوگئے اگرچہ بابر و ہمایوں کے زمانہ میں افغان امراء مغل دربار میں ہوتے تھے مگر ہمایوں کی شکست کے بعد جو انہیں افغانوں کے ہاتھوں ہوئی اور اکبر کی تخت نشینی کے بعد جب کہ اس کا مقابلہ برابر افغانوں سے رہا ان پر اعتماد نہیں کیا گیا لیکن جہانگیر نے بادشاہ بننے کے بعد افغانوں کو اپنے حامیوں میں شامل کیا کیوں کہ اس کی تخت نشینی کی مخالفت کچھ راجپوتوں نے کی تھی اس لئے اس کے دربار کے مشہور افغان امراء میں خان جہاں لودھی اور دلاور خاں تھے۔

مغل دور میں سب سے زیادہ ترقی کرنے والے اور فائدہ اٹھانے والے ایرانی تھے فارسی زبان کے سرکاری زبان ہونے کی وجہ سے انہیں ترقی کے زیادہ مواقع ملے مغل امراء کا طبقہ مختلف پیشوں کے افراد پر مشتمل ہوا کرتا تھا اگرچہ ان میں اکثر کا تعلق فوجی سپہ سالاروں جنرلوں اور منتظمین پر ہوا کرتا تھا ورنہ ان میں شاعر، ادیب، موسیقار، مصور نقاش، کاتب، حکیم علماء مورخ اور معمار بھی شامل ہوتے تھے۔

ہندوستان میں جب تک مغلوں کا سیاسی استحکام رہا وہ یہاں جنگوں اور لڑائیوں کے ذریعہ اپنے اقتدار کو بڑھاتے اور مستحکم کرتے رہے اور ایران وسطِ ایشیا سے آنے والے سیاسی اقتدار اور مال و دولت میں برابر شریک ہوتے رہے اورنگ زیب کی وفات کے بعد مغل حکومت کے استحکام میں دراڑیں پڑنا شروع ہوگئیں اور جب مغلوں کی طاقت و قوت میں کمزوری آئی تو اس کے ساتھ ہی نئے آنے والوں کے لئے عہدے و مناصب اور دولت کے مواقع بھی کم ہوگئے اس طرح آخر عہدِ مغلیہ میں نوواردوں کی آمد کم ہوگئی۔ اس سیاسی کمزوری کے ساتھ ہی مغل امراء کا جو طبقہ ایک شاہی خاندان کی وفاداری میں متحد تھا وہ بھی مذہب نسل، اور عقائد کی بنیادوں پر ٹکڑے ٹکڑے ہونا شروع ہوگیا۔

لیکن حقیقت یہ تھی کہ امراء کی یہ تقسیم مذہب اور نسل سے زیادہ ان کے ذاتی مفادات پر تھی۔

منصب دار اور اُمراء کی قسمیں

مغل حکومت میں منصب داری کو دو اصطلاحات کے ذریعہ واضح کیا جاتا تھا ذات اور سوار، ذات کے عہدہ سے اس کی ذاتی تنخواہ کا تعین ہوتا تھا اور اس تنخواہ سے وہ اپنے نجی اخراجات پورے کرتا تھا ساتھ ہی اسے کچھ سرکاری جانوروں کے اخراجات بھی پورے کرنے ہوتے تھے۔ سوار کے عہدہ سے اس کا تعین ہوتا تھا کہ وہ کتنی تعداد میں حکومت کے لئے سواروں کو رکھے اس کے لئے اسے تنخواہ اور اخراجات علٰیحدہ سے ملتے تھے۔

منصب داری کے تین درجے تھے:۔

(۱) اگر اس کی ذات اور سوار کی تعداد برابر کی ہوتی تو وہ اوّل درجہ میں آتا تھا۔

(۲) اگر اس کے سواروں کی تعداد ذات کی تعداد سے آدھی ہوتی تو وہ دوسرے درجہ میں آتا۔

(۳) اگر سواروں کی تعداد اس کی ذات کی تعداد سے آدھی سے بھی کم ہوتی تو پھر وہ تیسرے درجہ میں آتا۔

اکبر کے زمانے میں ۲۰ سے ۴۰۰ تک کے منصبدار کہلاتے تھے ۵۰۰ سے ۲۵۰۰ تک امراء اور ۳۰۰۰ سے ۷۰۰۰ تک امراء عظام۔ جو امراء دربار میں رہتے تھے وہ "حاضر رکاب"[۸] کہلاتے تھے اور جو صوبوں میں متعین ہوتے تھے انہیں "تابیناں" کہتے تھے[۹]۔ ۷۰۰۰ کا منصب امیر کی حد ہوا کرتا تھا اس کے بعد شہزادوں کو یہ منصب ملتا تھا لیکن اس تقسیم میں اکبر کے بعد برابر تبدیلیاں آتی رہیں مثلاً شاہجہاں کے زمانے میں ۵۰۰ سوار رکھنے والا امیر کہلاتا تھا۔

منصب داروں کو تنخواہ اور جاگیر دی جاتی رہتی انہیں ایک جاگیر میں مستقل نہیں رکھا جاتا تھا بلکہ برابر ان کا تبادلہ ہوتا رہتا تھا مسلسل فتوحات کی وجہ سے منصب داروں

کے لئے نئی نئی جاگیریں پیدا ہوتی رہتی تھیں اگر جاگیروں میں کمی ہو جاتی تو یہ کمی خالصہ جاگیر سے پوری کی جاتی تھی اسی لئے جہانگیر کے زمانے میں خالصہ جاگیر کم ہو گئی شاہجہاں اور اورنگ زیب کے زمانے میں جاگیرداری موروثی ہو گئی جس کی وجہ سے سلطنت کی آمدنی کم ہو گئی سلطنت کی کمزوری کے ساتھ ساتھ موروثی جاگیردار آزاد اور خود مختار ہوتے چلے گئے"[۲]

مغل امراء کی تعداد کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کتنی تھی لیکن اوگلبی نے یورپی سیاحوں کے سفرناموں کی بنیاد پر ان کی تعداد ۲۵ ہزار سے ۳۰ ہزار تک لکھی ہے[۳]۔

نو وارد اور دربار

جب کوئی نو وارد آتا تو ابتداء میں کوئی امیر یا منصبدار اس کو ملازمت دیتا ہر آنے والے کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ اس کی رسائی بادشاہ تک ہو جائے۔ تاکہ وہ اپنی لیاقت و قابلیت و خاندانی شرف و ذاتی وجاہت سے اس کو متاثر کر کے کوئی عہدہ و منصب حاصل کرے

اگر کوئی مشہور شخص جس کا تعلق اعلیٰ خاندان سے رہا ہو یا وہ صفوی دربار میں اعلیٰ عہدے پر فائز رہا ہو یا وہ اپنے علمی و ادبی اور مذہبی کاموں کی وجہ سے مشہور ہو تو اس صورت میں فوراً ہی اس کی آمد کی اطلاع بادشاہ کو دے دی جاتی تھی اور جلد ہی اس کو اس بات کا موقع دیا جاتا تھا کہ وہ بادشاہ کے دربار میں حاضری دے کبھی کبھی مشہور افراد کو بادشاہ کی جانب سے خط لکھ کر دربار میں آنے کی دعوت بھی دی جاتی تھی جیسے شاہی فرمان بھیج کر میر جملہ کو دربار میں بلایا گیا اگر کوئی مشہور شخصیت دربار میں آنے کی خواہش مند ہوتی تو اس کی یہ خواہش بادشاہ تک پہونچا دی جاتی اور بادشاہ فرمان کے ذریعے اسے دربار میں آنے کی دعوت دیتا[۴] کبھی بادشاہ کسی کی شہرت سن کر کسی امیر سے اپنی خواہش بیان کرتا جو اس ملاقات کا انتظام کرتا مشہور شاعر فیضی کی ملاقات اکبر سے اس طرح ہوئی۔ عادل شاہ بیجاپوری نے امیر فتح اللہ دکنی کو بلایا جب اس کی شہرت اکبر تک پہنچی تو اس نے ۱۵۸۳ء میں فرمان بھیج کر اسے اپنے دربار میں طلب کیا[۵]۔ مغل حکمران دکن کی سلطنتوں کے مشہور امراء کی ہمت افزائی کرتے رہے کہ وہ مغل دربار میں آئیں مغل بادشاہ اس بات کو برداشت نہیں کرتے تھے کہ کوئی بھی مشہور شخص

فن کار کسی دوسرے دربار میں سب سے مشہور موسیقار تان سین جو راجہ رام چندر کے ہاں تھا اس کی شہرت سن کر اکبر نے اسے اپنے پاس بلوایا۔ دانش مند خاں ہندوستان میں تجارت کی غرض سے آیا تھا۔ مگر جب اس کی علمی شہرت شاہجہاں تک پہونچی تو اس نے اسے سورت کی بندرگاہ کے منتظمین کو فرمان بھیجا کہ اسے دربار میں بھیج دیں بعد میں وہ قدردانی کے سبب ہندوستان میں رہ گیا۔[6] اسی طرح جب علامی سعد اللہ کی لیاقت و ذہانت کی شہرت ہوئی تو شاہجہاں نے موسوی صدر سے کہا کہ اسے شاہی ملازمت میں لایا جائے[7]

اکثر نو وارد ایران کے اعلیٰ امراء کے خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے ابتدا میں انہیں کوئی بادشاہ سے متعارف کراتا تھا اور پھر اس کی سفارش پر انہیں ملازمت ملتی تھی جیسے غیاث بیگ کا تعارف ملک مسعود تاجر نے اکبر سے کرایا۔[8] آنے والے ان امراء کو خاندان رتبہ اور لیاقت کے مطابق منصب جاگیر عہدہ اور نقدی ملتی تھی۔ مثلاً جہانگیر کے دربار میں میر خلیل اللہ جو عراق و خراسان میں مشہور تھے آئے تو انہیں ایک ہزار ذات و دو سو سوار کا منصب مع جاگیر بطور تنخواہ ملا اور بارہ ہزار روپیہ انہیں مدد کے طور پر ملا۔[9] اورنگ زیب کے زمانہ میں حسین پاشا جو بصرہ کا والی تھا بھاگ کر ہندوستان آیا تو بادشاہ نے اسے خلعت پالکی اور ہتھنی بھیجی۔ جب اس نے دربار میں حاضر ہو کر آداب اور تسلیمات عرض کئے تو بادشاہ نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر کر شفقت کا اظہار کیا اور ایک لاکھ روپیہ دے کر اسلام خاں کا خطاب عطا کیا۔ رستم دکنی کی حویلی رہنے کو دی ساتھ ہی اس کے لڑکوں کو بھی مناسب عہدے پر فائز کیا۔[10]

نئے آنے والوں کی قابلیت و ذہانت اور ان کی پیشہ ورانہ مہارت کا امتحان بادشاہ لیا کرتا تھا جب حکیم گیلانی اکبر کے دربار میں آیا تو بادشاہ نے امتحان کی خاطر صحت مند اور بیمار افراد کے قارورے اس کے سامنے پیش کئے اس نے ان کی صحیح نشان دہی کی جس کی وجہ سے اکبر اس کی قابلیت کا معترف ہو گیا۔[11] شاعر، ادیب، موسیقار، مصور اور کاتب جب دربار میں پہلی بار آتے تو وہ اپنے ساتھ اپنے فن کا نمونہ ضرور لاتے تاکہ بادشاہ کو پیش کر سکیں ابوالفضل نے اپنی پہلی حاضری پر آیت الکرسی کی تفسیر لکھ کر پیش کی تھی[12]

خانہ زاد اُمراء

جن امراء سے خاندانوں نے دو نسلوں سے زیادہ مغل حکمرانوں کی ملازمت کی ایسے امراء خانہ زاد کہلاتے تھے اور مغل بادشاہ ان قدیمی امراء کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے خاص طور سے کوکہ خاندان کے افراد کو شاہی خاندان کا فرد سمجھا جاتا تھا اور انہیں سلطنت میں اعلیٰ عہدے دیے جاتے تھے ان کے خاندان کی لڑکیوں سے شہزادوں کی شادی کی جاتی تھی کوکہ خاندان میں عزیز خاں کوکہ کا خاندان مشہور تھا اس کی ایک لڑکی کی شادی سلطان مراد سے ہوئی اور دوسری کی شہزادہ خسرو سے۔ اکبر کو عزیز خاں کوکہ سے خاص لگاؤ تھا اور کہا کرتا تھا کہ "اس کے اور میرے درمیان دودھ کی نہر بہہ رہی ہے" دوسرے خاندان جنھوں نے مغل دربار میں عروج حاصل کیا ان میں مرزا غیاث بیگ کا خاندان تھا جہانگیر کے عہد سے اس خاندان کا عروج ہوا اور اس کے افراد کو اعلیٰ عہدے و مناصب ملے راجپوتوں میں کچھواہہ خاندان کو مغل دربار میں عزت و احترام سے دیکھا جاتا تھا۔ شیخ سلیم چشتی کی اولاد بھی مغل دربار میں ممتاز ہوئی۔

یا اکثر امراء کے لڑکے بچپن ہی سے شہزادوں کی خدمت میں رہا کرتے تھے اس لئے اسکا ان سے قریبی تعلق ہو جاتا تھا جہانگیر تورک میں باربار ان امراء کا تذکرہ کرتا ہے اور خصوصیت سے محمد شریف امیر الامراء سے اپنے لگاؤ کا اظہار کرتا ہے وفادار امراء کی وفات کے بعد ان کی اولاد کی دیکھ بھال اور پرورش بادشاہ کیا کرتا تھا جیسے بیرم خاں کی وفات کے بعد اس کے بڑے عبدالرحیم خانِ خاناں کی تربیت اکبر نے کی قریبی امراء کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں کو اعلیٰ عہدے مناصب اور انعامات ملا کرتے تھے بادشاہ کی خاص خدمت کے واسطے جو امراء ملازم ہوتے تھے۔ وہ خواص کہلاتے تھے اور سوائے خانہ زادگان و قریبی امراء کے کسی کو یہ خدمت نہیں ملتی تھی ان کا انچارج سردار خواص کہلاتا تھا۔[12] بادشاہ ان خانہ زاد امراء پر خاص مہربانی کرتا تھا اور اکثر انہیں ان کی غلطیوں پر معاف کر دیتا تھا۔ خانہ زاد امراء کا یہ طبقہ مغل خاندان کے ساتھ ساتھ بڑھتا اور ترقی کرتا چلا گیا اس وجہ سے چند امراء کے خاندان پوری طرح سے سلطنت و حکومت پر غالب آ گئے جن میں خصوصیت سے نور جہاں عبدالرحیم خانِ خاناں اور مختلف کوکہ خاندان تھے جو تمام اعلیٰ عہدوں اور بڑی جاگیروں پر قابض تھے

حکمران خاندانوں سے قریبی تعلقات کی بنا پر ان کی سیاسی حیثیت بڑی مضبوط اور مستحکم تھی اور کسی کو ان کے خلاف شکایت کرنے کی ہمت نہیں تھی اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ عہدوں اور منصبوں کا تقرر ہونے لگا جو ذہانت اور لیاقت میں کم درجے کے لوگ تھے جب خانہ زاد امراء کے لڑکوں کو خیر مخت سے عہدے ملنے لگے اور خاندانی امیر ہونے کی وجہ سے انہیں مُراعات دی جانے لگیں تو ان میں بے پرواہی اور غیر ذمہ داری آتی چلی گئی اور وہ دولت کا بے جا اسراف کرتے شراب نوشی اور عیش و عشرت کے دلدادہ ہو گئے ان لوگوں نے رشوت و ظلم سے پیسہ بٹورنے کے ساتھ ساتھ اپنی رعیّت پر بھی ظلم و ستم کرنا شروع کر دیئے کیوں کہ عام آدمی تو کیا سلطنت کے دوسرے عہدے دار بھی ان کے خلاف کچھ کہتے ہوئے ڈرتے تھے اس صورت حال کی وجہ سے نہ صرف رعیّت تے ان کے ظلم و ستم سہے بلکہ مغل انتظام سلطنت میں بھی خرابیاں ہونا شروع ہوگئیں

اُمراء اور رَعیّت

ابتدائی دور میں مغل حکمران امراء کے رویّہ کی دیکھ بھال کرتے تھے اور اگر ان کا رویہ رعیّت کے ساتھ ٹھیک نہیں ہوتا تھا تو ان سے نہمائش کی جاتی تھی مگر جہاں گیر سے آتے آتے اُمراء اپنے اثر و رسوخ میں کافی بڑھ چکے تھے خانہ زاد و موروثی امراء شاہی خاندان سے تعلقات کی بنا پر رعایا پر ظلم کرتے تو ان کے خلاف کوئی کاروائی نہیں ہوتی اس لئے امراء کا رویہ رعیّت کے ساتھ برابر خراب ہوتا چلا گیا تھا ایک یورپی سیّاح اس دور کے حالات لکھتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ صوبوں کے گورنروں نے لوگوں پر ظلم کر کے اور ان سے پیسے وصول کر کے انہیں بالکل ختم کر دیا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ غریب لوگ بادشاہ تک رسائی نہیں پا سکتے اس لئے آگرہ شہر کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ لوگوں میں غربت و افلاس پھیلا ہُوا ہے جس کی وجہ سے ہر طرف مایوسی و بد دلی کا عالم طاری ہے"[۲۵] مرزا رستم صفوی نے ٹھٹھہ میں لوگوں پر بڑے مظالم کئے جب شکایات جہاں گیر کو پہونچیں تو اس نے معزول کر دیا مگر کچھ عرصہ معتوب رہنے کے بعد بہار کا صوبے دار بنا دیا گیا چونکہ ان امراء کو جرائم کی سزا معمولی دی جاتی تھی اس لیے ان کے رویّہ میں زیادہ تبدیلی نہیں

نہیں آتی تھی مغل گورنروں کے اہلِ خاندان بھی رعیت پر ظلم کرتے تھے مگر اپنے اثر ورسوخ کی وجہ سے سزاؤں سے بچ جاتے تھے مرتضیٰ خاں کے بھائیوں کے سلوک سے گجرات کے لوگ تنگ تھے شکایات پر مرتضیٰ خاں کو دربار میں طلب کیا گیا مگر کوئی سزا نہیں دی گئی۔[۱۵]

عہدِ جہانگیری میں لاہور کے صوبیدار مرزا قلیچ بیگ کا لڑکا مرزا لاہوری انتہائی ظالم اور عیاش تھا تقریباً نوکروں کو کوڑے مارا کرتا تھا اور ان کو زندہ زمین میں دفن کردیتا تھا کہ شکر نکیسو کی جرائد جب کسی ہندو کی شادی ہوتی تو اس کی دلہن کو زبردستی اٹھا لاتا اور کہا کرتا کہ ہم نے اس خاندان سے رشتہ داری کرلی ہے۔[۱۶] جہانگیر کے ایک امیر مقرب خاں نے کھمبایت کی ایک بیوہ کی لڑکی کو زبردستی گھر میں ڈال لیا تھا اس پر بیوہ نے کسی نہ کسی طرح بادشاہ تک شکایت پہونچائی جب بادشاہ نے لڑکی طلب کی تو اس نے کہا کہ وہ مرچکی ہے۔ وقتی طور پر اس کا منصب گھٹا کر آدھا کردیا گیا اور بیوہ کو تھوڑا بہت پیسہ دے دیا۔[۱۷] اس قسم کے واقعات جو دور دراز کے صوبوں میں ہوتے تھے ان کی شکایات بادشاہ تک مشکل سے پہنچتی تھیں پھر بادشاہ امراء کو وقتی طور پر معمولی سزائیں دیتا تھا۔ شکایت کرنے والے امراء کے اثر ورسوخ سے ڈرتے تھے اور بعض اوقات شکایات پر وہ مزید ظلم سہتے تھے۔

مثلاً اڑیسہ کے ناظم باقر خاں کی شکایت شاہ جہاں کو پہونچی کہ وہ رعایا کے ساتھ نامناسب سلوک کرتا ہے باقر خاں کو جب اس کا پتا چلا تو اس نے شکایت کرنے والے علاقے کے زمینداروں، مقدموں اور ان کے آدمیوں کو ایک جگہ جمع کیا اور سات سو آدمی قتل کرڈالے ان میں سے ایک آدمی بچ نکلا اور بادشاہ کے دربار میں پہونچ کر تفصیل بیان کی اس پر باقر خاں کے داماد مرزا احمد نے ایک دن موقع پاکر اس زمیندار کو بھی قتل کردیا اور اس کی درخواست پھاڑ ڈالی، اس سارے معاملے کو دبا دیا گیا اور ان امراء کا کچھ نہیں بگڑا۔[۱۸]

شاہجہاں کے ایک امیر اعظم خاں نے ایک مرتبہ اپنی دعوت میں کچھ ناچنے والیوں کو بلایا انہوں نے بیماری کا بہانہ کرکے آنے سے انکار کردیا اس پر اس نے انہیں گرفتار کرکے بلوایا تو انہوں نے اعتراف کیا کہ وہ بیمار تو نہیں تھیں مگر اس لیے نہیں آئیں

کہ انہیں پتہ تھا کہ انہیں معاوضہ نہیں ملے گا اس پر اس نے حکم عدولی کی بنا پر انہیں قتل کر دیا اور کہا کہ اگر اس نے سختی نہیں کی تو اس کا حکم کوئی نہیں مانے گا اور بغیر سختی کے حکومت نہیں ہو سکتی[۱۹] جب اعظم خاں کا تقرر گجرات میں ہوا تو لوگوں نے جو اس کے ظلم و ستم سے واقف تھے شاہ جہاں کو درخواست دی کہ اسے وہاں نہیں بھیجا جائے۔[۲۰] اورنگزیب کے عہد میں نجابت خاں جو والی بدخشاں مرزا شاہ رخ کا بیٹا تھا اس نے ابوالفضل معموری کو قتل کرایا۔ تو اس پر اسے وقتی طور پر یہ سزا دی گئی کہ اس کا منصب و جاگیر اور خطاب واپس لے لئے گئے لیکن بعد میں اورنگ زیب نے اس کے تمام اعزاز بحال کر دیئے[۲۱]

اکثر امراء اپنے علاقے کی رعیت پر ظلم کرتے، کسانوں سے زیادہ سے زیادہ مالیہ لگان وصول کرتے، کاریگروں، صنعت کاروں، اور ہنرمندوں سے بیگاریں کام لیتے تھے لیکن ان کے مظالم کی سزا انہیں نہیں ملتی تھی۔ حسین خاں ٹکریہ جو اکبر کے عہد کا امیر تھا وہ رعایا پر ظلم و ستم ڈھانے میں بدنام تھا[۲۲] رضا بہادر جسے شاہ جہاں نے خدمت پرست کا خطاب دیا تھا اس نے میواتیوں کے خلاف جنگ کی اور بہت خوں ریزی کی جو باقی بچے ان سب کو خصی کرا دیا۔ تاکہ ان کی نسل ختم ہو جائے عورتوں و بچوں کو بڑی تعداد میں گرفتار کر کے لایا جن کی اکثریت بھوکوں مر گئی لیکن اس کے اس رویہ پر کوئی سرزنش نہیں کی گئی۔[۲۳]

خان دوراں نصرت جنگ نے دکن کے صوبے دار کی حیثیت سے رعایا پر سخت ظلم کئے اور ان سے زبردستی جرمانے و ٹیکس وصول کئے اس دولت میں سے ایک کروڑ روپیہ بادشاہ کو بھجوایا جس دن اس کے مرنے کی خبر برہان پور پہنچی تو لوگوں کو اس قدر خوشی ہوئی کہ دوکانوں پر مٹھائی اور شکر باقی نہیں بچی لوگوں نے سب خرید کر خوشی میں تقسیم کر دی۔[۲۴]

امراء کی خود مختاری کی علامت یہ تھی کہ یہ اپنے ماتحتوں کو جو چاہے سزا دیتے۔ عبداللہ خاں، جہانگیر کے زمانہ میں گجرات کا والی تھا۔ اس نے اپنے ایک مصاحب کی گردن محض اس بات پر اڑا دی کہ اس نے نشہ کے عالم میں اس سے کچھ خوش طبعی کی باتیں کہیں تھیں۔[۲۵]

ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ مغل عامل، جاگیردار، اور عہدے دار خود کو قانون سے بالاتر سمجھتے تھے، اور صرف اس صورت میں جب کہ یہ بادشاہ کے خلاف بغاوت کرتے یا سازش کرتے تو انہیں سخت سزا دی جاتی ورنہ اپنے دوسرے جرائم پر یہ سزا سے بچ جاتے تھے۔ رعیت سے پیسے وصول کرنا عورتوں کو اغوا کرنا لوگوں کو قتل کرانا عوام کو مختلف سزائیں دینا جنگ کے موقع پر عورتوں بچوں کو قتل کرنا اور لوگوں کی عزت و آبرو لوٹنا عام باتیں تھیں۔ ان باتوں کی شہادت یوسف میرک کی کتاب مظہر شاہجہانی سے بھی ہوتی ہے جس نے شاہ جہاں کے عہد کے ایک امیر احمد بیگ خاں جو اعتماد الدولہ مرزا غیاث بیگ کا پوتا تھا اور سیوستان (سیہون) کا گورنر تھا اس کے دور میں اس کے بھائی مرزا یوسف نے رعایا پر جو مظالم کئے اس نے ان کی تفصیل دی ہے، مثلاً لوگوں کو بلا قصور کوڑے لگوانا، مالدار اشخاص کو بلا کر ان پر جھوٹے الزامات لگا کر انہیں پٹوانا اور پھر ان کا مال و اسباب ضبط کر لینا خشکی اور دریائی راستوں سے آنے جانے والے سے جرمانے اور محصول وصول کرنا، یہاں تک کہ ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں جانے پر بھی راہداری لینا۔ تاجروں کو اس بات پر مجبور کرنا کہ وہ اسے اپنا مال سستے داموں فروخت کریں کسانوں پر اس قدر مالیہ لگانا کہ وہ پوری فصل دینے کے بعد بھی مقروض رہیں اور بقایاجات کی وصولی کے طور پر ان کے جانور اور مویشی ان سے لے لینا۔[۲۴] اس تمام لوٹ کھسوٹ اور ظلم کی اطلاع بادشاہ کو اس لئے نہیں مل سکی کہ یہ خاندان انتہائی با اثر اور بارسوخ تھا اور واقعہ نویس یا مخبر کی بھی اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ ان مظالم کے بارے میں بادشاہ کو اطلاع دیتے۔ ان واقعات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مغل امراء کا رویہ رعیت کے ساتھ کس قدر معاندانہ اور مخاصمانہ تھا یہی وہ سیاسی حالات تھے جنہوں نے ہندوستان کے سماجی و معاشرتی انداز فکر پر اثر ڈالا اور عوام میں تن بہ تقدیر ہونے اور ہر ظلم کو برداشت کرنے کا مادہ پیدا ہوا۔

امراء اور بادشاہ

امراء اور بادشاہ دونوں کے مفادات ایک دوسرے سے وابستہ تھے اس لئے دونوں کے درمیان روابط اور تعلقات تھے۔ امراء سیاسی نشیب و فراز کے ساتھ ساتھ اپنی وفاداریاں بدلتے رہتے تھے وہ اس وقت تک بادشاہ کے وفادار رہتے تھے جب تک کہ وہ طاقتور ہوں۔ لیکن اگر بادشاہ کی طاقت میں ذرا بھی کمی آتی تو ان کے تعلقات میں بھی فرق آ جاتا مثلاً اکبر کے امراء جنہوں نے زندگی بھر اس کی وفاداری کے ساتھ خدمت کی جہانگیر کی بغاوت پر انہوں نے اندازہ لگا لیا کہ اکبر اپنا وقت پورا کر چکا ہے اور مستقبل جہانگیر کے ساتھ ہے اس لئے اکبر سے ان کی وفاداری متزلزل ہو گئی مرزا ہادی نے تزک کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ "عرش آشیانی کے تمام درباری مستقبل کو سوچ کر اور تمام پر تنفر کر کے جہانگیر کی طرف مائل ہوئے"[۲۵]

جہانگیر کی تخت نشینی میں امراء نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اس کے بعد سے ہر نئے حکمران کی تخت نشینی میں امراء کی جماعتیں اپنے اپنے مفادات کے تحت اپنے اپنے امیدواروں کی حمایت کرتیں اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جن امراء کا امیدوار تخت نشین ہوتا انہیں اعلیٰ مناصب و خطابات ملتے اور سلطنت کے امور میں ان کا اثر و رسوخ بڑھتا جن امراء کا امیدوار ناکام ہوتا وہ معتوب ہوتے تخت نشینی کے ان جھگڑوں نے امراء کے طبقہ کے اتحاد کو ختم کر کے رکھ دیا اور اس عنصر نے آگے چل کر مغل سلطنت کے زوال میں اہم حصہ لیا اورنگ زیب نے امراء کی اس صورت حال کو اپنے ایک خط میں اس طرح سے لکھا ہے :-

" میں نے امراء اور منصب داروں کے مناصب میں جو اضافے کئے ہیں وہ ایسے وقت میں کئے ہیں جبکہ ہر طرف فتنہ و فساد کا غبار اٹھ رہا تھا اگر میں ایسا عمل نہیں کرتا تو یہ ندیشے کے بدلے میرا ساتھ کس طرح دیتے اور ان لوگوں کے بغیر میں کس طرح اس معاملہ سے نپٹتا"[۲۶]

سماجی سطح پر بادشاہ اور امراء سے تعلقات خوش گوار ہوا کرتے تھے اور امراء بادشاہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے اسے قیمتی تحفہ تحائف نذر اور پیش کش دیا کرتے تھے جشن اور تقریب کے موقعوں پر امراء کو پیش کش دینا پڑتی تھی۔ اور بعض امراء انتہائی قیمتی نذرانے دیتے تھے جن میں عمدہ موتی، ہیرے، زمرد، یاقوت، سونے کے مرصع برتن اور نادر اشیاء شامل ہوتی تھیں اس کے عوض ان کے عہدوں میں ترقی ہوتی اعلیٰ خطابات ملتے اور بادشاہ کی قربت ملتی[۲۹]۔ ہر صوبے دار اپنے صوبے کی بیش قیمت اشیاء بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتا تھا مثلاً اعتقاد خاں آصف خاں کے بھائی نے کشمیر کے صوبے دار کی حیثیت سے شاہ جہاں کو قاز کے پر کی کلغیاں شاہیں خوس دکرک (جنگی جانور) کے بشمینہ اور قالین بھیجے[۳۰]۔ جب بھی بادشاہ کی جانب سے اُمراء کو عہدے مناصب اور خطابات ملتے تو اس موقع پر وہ بیش قیمت نذر پیش کرتے تھے میر ابوالبقا، جس کا خطاب میر خاں تھا شاہجہاں کو ایک لاکھ روپیہ نذرانہ دے کر اپنے خطاب میں "الف" کا اضافہ کرایا اور "امیر خاں" ہو گیا[۳۱] اس لئے امراء کی ترقی میں نذرانوں اور تحفوں کو بڑا دخل تھا۔ جو جس قدر قیمتی تحفے دیتا بادشاہ اس سے اسی قدر خوش ہوتا[۳۲]۔

مغل دربار میں یہ دستور ہو گیا تھا کہ بنگال کا صوبے دار اپنی تقرری کے وقت بیش قیمت پیش کش بادشاہ کو دیتا تھا مثلاً فدائی خاں نے جہاں گیر کو ۵ لاکھ اور نور جہاں کو ۵ لاکھ روپے دیئے۔ شائستہ خاں نے بھی بنگال کی تقرری پر اورنگ زیب کو ۳۰ لاکھ نقد اور ۴ لاکھ کے زیورات اور دوسرا قیمتی سامان بطور تحفہ دیا[۳۳]۔ اس کے نتیجہ میں یہ اپنے صوبے میں عوام میں سختیاں کر کے ان سے پیسہ وصول کرتے اسی لئے جب فدائی خاں بنگال سے تبدیل ہو کر آیا تو اس سے خلاف دعویٰ کیا گیا۔ کہ اس نے وہاں ظلم و جبر سے کثیر دولت حاصل کی ہے جب اسے جواب دہی کے لئے طلب کیا گیا تو اس نے جمدھر (خنجر) نکالا کہ اس کا جواب اس کی نوک پر ہے اس پر بادشاہ نے چشم پوشی کی یہی حال شائستہ خاں کا تھا اس کے مرنے پر بے انتہا دولت اس کے ہاں سے نکلی اور بہت سی بیش قیمت اشیاء شاہی خزانے میں داخل ہوئیں۔

امراء بادشاہ کی خوشنودی کی خاطر اس کی بڑی بڑی دعوتیں بھی کرتے تھے اور ان دعوتوں میں اسے قیمتی تحفے تحائف بھی دیا کرتے تھے بادشاہ کا کسی امیر کی دعوت قبول کرنا اور اس میں شرکت کرنا ایک اعزاز کی بات ہوا کرتی تھی زین خاں کوکہ نے جب اکبر کی دعوت کی تو چبوترے کو طوس کی شالوں سے جو اس زمانہ میں کم یاب ہوتی تھیں، آراستہ کیا، تین حوض تھے جن میں سے ایک کو گلاب، دوسرے کو رنگِ زعفران اور تیسرے کو ارگجے (پھولوں سے تیار شدہ خوشبو) سے بھر دیا اور ایک ہزار سے زیادہ اشرفیوں کو ان حوضوں میں اتار دیا۔ صحن میں پانی کی بجائے عرقِ گلاب سے چھڑکاؤ کرایا جواہرات ٹوکریوں میں بھر کر، ہاتھیوں کے ساتھ بادشاہ کو دیئے[۳۴] مرزا عزیز کوکہ نے بادشاہ کی ضیافت کی تو عربی و عراقی گھوڑے جو طلائی و نقرئی ساز و سامان سے آراستہ تھے، برتن ظروف تخت و کرسی کپڑا، اور قیمتی جواہرات بادشاہ کے حضور میں پیش کیے، شہزادوں اور بیگمات کو علیحدہ سے تحفے دیئے[۳۵] اعتماد الدولہ نے جہانگیر کو دعوت میں بلایا (۱۶۱۹ء) تو دور دراز تک کا علاقہ سجایا گیا اور روشنی کا انتظام کیا گیا تحفہ میں بادشاہ کو ایک قیمتی تخت دیا جو تین سال کی مدت میں تیار ہوا تھا۔ اس پر بادشاہ نے کہا کہ "بلا مبالغہ حضرت عرش آشیانی کے ابتدائے عہدِ سلطنت سے لیکر آج تک جب کہ میری سلطنت کو چودھواں سال ہے بڑے امراء میں سے کسی نے بھی ایسی پیش کش نہیں کی۔"[۳۶]

آصف خاں نے جہانگیر کی ایک بہت ہی پرتکلف دعوت کی۔ اس کے بارے میں جہانگیر نے لکھا کہ:-

"میرے دولت خانے سے اس کے گھر تک تقریباً ایک کوس کا فاصلہ تھا نصف راستے میں اس نے مخمل، زربفت دارائی باف زربفت اور سادہ مخمل بچھایا تھا جس کی قیمت دس ہزار بتائی گئی ..... جو پیش کش اس نے میرے لئے تیار کی تھی تفصیل سے میری نظر سے گذری جواہر، مرصع آلات، طلائی آرت اور قیمتی سامان جس کی قیمت ایک لاکھ چودہ ہزار روپیہ تھی"[۳۷]

بادشاہ امراء کی سماجی و معاشی امور میں رہنمائی کرتا تھا امراء کے خاندانوں میں شادی بیاہ اس کی مرضی سے ہوا کرتے تھے کبھی کبھی دو مختلف خاندانوں کو شادی کے ذریعے ایک دوسرے سے ملاتا تھا امراء کو اس بات کی اجازت نہیں تھی کہ وہ بادشاہ کی مرضی کے بغیر اپنے لڑکے یا لڑکی کی شادی کریں مہابت خاں نے جب اپنے لڑکے کی شادی بادشاہ کی مرضی کے بغیر کی تو جہانگیر نے اس کے لڑکے کو سزا دی[۳۸] شاہی خاندان کے افراد اعلیٰ امراء کے خاندانوں میں شادیاں کیا کرتے تھے بادشاہ خود بھی امراء کا احترام کرتا تھا اور شہزادوں کو بھی اس کی تلقین کرتا تھا کہ وہ ان کے ساتھ بہتر سلوک کریں۔ اگر کوئی امیر بادشاہ کے خلاف بغاوت کرتا تو اسے اکثر معافی مانگنے پر معاف کر دیا جاتا خان زمان جس نے اکبر کے خلاف ۱۵۶۵ء میں بغاوت کی کئی بار معافی دی گئی باغی امیر عام طور سے دوسرے امیر کی معرفت معافی کا خواستگار ہوتا اور وہ امیر اس کی وفاداری کی ضمانت دیتا۔ بیرم خاں نے بغاوت کے دوران منعم خاں سے درخواست کی تھی کہ وہ اس کے لئے اکبر سے معافی کے لئے کہے اور اس کی ضمانت دے[۳۹]

جب کبھی امراء کو کسی مہم پر بھیجا جاتا تو انہیں یہ اختیارات دیئے جاتے تھے کہ وہ جنگ ختم کر سکتے ہیں اور اپنی مرضی سے صلح کر سکتے ہیں صرف ایک بار ایسا ہوا کہ اکبر نے راجہ بھگوان داس کے معاہدے کو، جو اس نے یوسف خاں والی کشمیر سے کیا تھا تسلیم نہیں کیا راجہ کو اس بات کا اسقدر افسوس ہوا کہ اس کے بعد اس نے خودکشی کی کوشش کی[۴۰]

جو امیر دربار میں رہتے تھے ان پر پابندی تھی کہ وہ ہر صبح دس یا گیارہ بجے اور شام کو تسلیمات کے لئے دربار میں حاضری دیں اگر وہ بغیر کسی وجہ کے غیر حاضر ہوتا تو اسے جرمانہ ادا کرنا پڑتا[۴۱] مغل دربار کا ماحول چونکہ سازشی تھا اور امراء ایک دوسرے کے خلاف مخالفت کے تانے بانے بننے میں مصروف رہتے تھے اس لئے وہ کوشش کرتے تھے کہ دربار میں ہر صورت میں حاضر ہوں اور دربار کے حالات سے مکمل طور پر باخبر رہیں۔ جو امیر صوبوں میں متعین ہوتے

تھے وہ دربار میں اپنے وکیل اور جاسوس رکھا کرتے تھے تاکہ انہیں واقعات کی اطلاع مل جائے اور خود کو سازشوں سے محفوظ رکھ سکیں عبدالرحیم خانِ خاناں سے دو تین آدمی اسے روزانہ دربار کی خبریں بھیجا کرتے تھے اس کے علاوہ اس نے عدالت کچہری کوتوالی اور بازاروں میں بھی جاسوس چھوڑ رکھے تھے جو ہر خبر اس تک پہونچاتے تھے وہ ان کو پڑھ کر جلا دیتا تھا۔[۴۲]

امراء کو ان کے منصب کے اعتبار سے علم، ہاتھی، نقارے ماہی مراتب اور پالکی ملا کرتی تھیں جہانگیر نے اعتمادالدولہ کو تمن توغ عطا کیا اور اعزاز دیا کہ وہ شہزادہ خرم کے بعد اپنا نقارہ بجا سکتا ہے۔[۴۳]

شاہانِ مغلیہ میں یہ دستور تھا کہ جب بادشاہ جلوس کی شکل میں نکلتا تو امراء اس کے ہمراہ ہوتے برنیر اس سلسلہ میں لکھتا ہے کہ یہ امراء بادشاہ کے جلوس میں ساتھ ساتھ چلتے ہیں ان کی سواریاں بادشاہ کی سواری کے پیچھے ہوتی ہیں اور بغیر کسی ترتیب کے یہ دھوپ و گرمی میں ادھر سے اُدھر پریشان پھرتے رہتے ہیں۔[۴۴]

امراء کو اس بات کی اجازت نہیں تھی کہ وہ بادشاہ کی اجازت کے بغیر دربار سے جائیں حج کریں یا کوئی سفر کریں اگر امیر کا تبادلہ کسی دوسری جگہ ہوتا تو وہ دربار میں آکر جانے کی اجازت لیتا اگر تبادلہ کسی قصور کی وجہ سے ہوا ہوتا تو دربار میں آنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔[۴۵] اگر بادشاہ کسی امیر پر نوازش کرتا تو اس کے گھر جاتا اس کے بیمار ہونے کی صورت میں اس کی مزاج پرسی کرتا وفات کی صورت میں اس کے گھر جا کر اہلِ خاندان سے اظہارِ تعزیت کرتا۔

جو امراء کسی قصور یا غلطی کے مرتکب ہوتے تو بادشاہ مختلف طریقوں سے ان پر اپنے غصہ و ناراضگی کا اظہار کرتا تھا۔ مثلاً ایسے امراء کو اجازت نہیں ہوتی تھی کہ وہ دربار میں آئیں اور کورنش و تسلیم بجا لائیں اسے کسی دور دراز صوبے میں بھیج دیا جاتا تھا جیسے بنگال و سندھ یا اسے اس کے گھر میں نظر بند کر دیا جاتا تھا اور کسی کو اس سے ملنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی اگر اس کا جرم زیادہ سخت ہوتا

تو اس کا منصب گھٹا دیا جاتا یا ضبط کر لیا جاتا اس کا خطاب واپس لے لیا جاتا اور جاگیر ضبط کر لی جاتی ایک سزا یہ بھی تھی کہ جلا وطنی کے طور پر اسے حج پر جانے کا حکم دیا جاتا تھا امراء کے لئے جیل خانے نہیں ہوتے تھے اس لئے انہیں کسی امیر کے سپرد کر دیا جاتا کہ وہ ان کی نگرانی کرے بعض اوقات انہیں گوالیار کے قلعہ میں بھیج دیا جاتا تھا۔

خانہ نشینی

امراء کے لئے ملازمت سے ریٹائر ہونے کا کوئی تصور نہ تھا اگر وہ خود ریٹائر ہونا چاہتا تھا تو بادشاہ کو درخواست دیتا تھا کہ اس کے گذارے کے لئے کوئی جاگیر دی جائے مثلاً ٹھٹھہ کے گورنر خان دوران نے درخواست دی کہ بوڑھے ہونے کی وجہ سے اس کی بینائی کمزور ہو گئی ہے اور اب وہ اس قابل نہیں کہ مزید خدمات سرانجام دے سکے لہٰذا اسے ریٹائر کیا جائے بادشاہ نے اسے خوشاب کا پرگنہ جس کے محاصل ۳۰ لاکھ درہم تھے اسے دیدیا[۱۴۱]

آغائے آغایاں نے جہانگیر کی خدمت میں ۴۳ سال گذارے بوڑھاپے میں اس نے درخواست دی کہ وہ اب دربار میں حاضری نہیں دے سکتا اور بقیہ عمر دہلی میں گذارنا چاہتا ہے لہٰذا اسے ریٹائر کیا جائے[۱۴۲] بعض اوقات بادشاہ امیر کے بوڑھے ہونے پر اسے خانہ نشینی یا گوشہ نشینی کی اجازت دے دیتا تھا اور ان کے گذارے کے لئے وظیفے مقرر کر دیتا تھا یہ وظیفے ۲۰ ہزار سے ۴۰ ہزار روپیہ سالانہ ہوا کرتے تھے اور ان میں وقتاً فوقتاً اضافے بھی ہوتے رہتے تھے۔

ضبطی

مغل سلطنت کا یہ دستور تھا کہ اُمراء کے مرنے

سے بعد ان کی جائیداد سلطنت سے قرضوں کی ادائیگی کے سلسلہ میں ضبط کرلی جاتی تھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امراء اپنی زندگی میں اخراجات کا باقاعدہ حساب کتاب نہیں دیا کرتے تھے اور انہیں جو آمدنی ہوتی تھی وہ اسے بلا دریغ خرچ کردیتے تھے اس لئے ان کے مرنے پر ان کی جائیداد کی تمام تفصیلات جمع کی جاتی تھیں اور بیش قیمت اشیاء مثلاً ہیرے، جواہرات، ہاتھی اور محلات کو ضبط کرلیا جاتا تھا اور بقایا اس کے وارثوں میں تقسیم کردیا جاتا تھا لیکن جائیداد کی یہ تقسیم شریعت کے مطابق نہیں ہوتی تھی بلکہ بادشاہ کی مرضی کے مطابق ہوتی تھی جائیداد کی اس ضبطی سے مرنے والے امراء کے اہل خاندان پریشان ہوتے تھے برنیر لکھتا ہے کہ بعض امراء کے مرنے کے بعد ان کے بیٹے اور پوتے غریب ہوجاتے تھے اور کسی امیر کی فوج میں ملازمت کرنے پر مجبور ہوجاتے تھے۔[۴۸]

عام طور سے بادشاہ متوفی امیر کے وارثوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا اور باپ کی جائیداد لڑکوں میں تقسیم کردیتا تھا۔ اکثر بڑے لڑکے کو باپ کا خطاب بھی دے دیا جاتا تھا۔[۴۹] بہادر خاں روہیلہ کے مرنے پر اس کے بڑے لڑکے دلاور خاں کو ایک ہزار ذات اور ۵۰۰ سوار کا منصب دیا۔ چھ لڑکے جو چھوٹے تھے انہیں مناسب عہدے دیئے ہاتھیوں کے علاوہ بقیہ مال لڑکوں کو دے دیا۔[۵۰] خانِ دوراں کی وفات پر اس کا مال واسباب اس کے لڑکوں میں تقسیم ہوا۔[۵۱] اعتماد الدولہ کے مرنے پر اس کی تمام جاگیر اور اسباب نور جہاں کو ملا۔[۵۲]

۱ آصف خاں نے مرنے سے پہلے لاہور کی حویلی جو ۲۴ لاکھ میں تیار ہوئی تھی، آگرہ، دہلی، اور کشمیر میں اپنی عمارات، باغات، اور جواہرات سونا، چاندی، و دوسری قیمتی اشیاء جن کی قیمت دو کروڑ پچاس لاکھ روپیہ ہوتی تھی بادشاہ کو دے دی کہ اس کے مرنے کے بعد ضبطی میں لے لیا جائے بادشاہ نے اس کی وفات کے بعد اس کے تین لڑکوں اور پانچ لڑکیوں کو ۲۰ لاکھ روپیہ دیا باقی سامان ضبط کرلیا۔[۵۳]

بعض امراء کے خاندان اس ضبطی کے خلاف باقاعدہ مزاحمت کرتے تھے جب مرزا یتیم صفوی مرا اور آگرہ کے حکام نے اس کا مال و اسباب ضبط کرنا چاہا تو اس کی بیوہ نے کنیزوں کو مردانہ کپڑے پہنا کر بند وقیں تھما دیں اور لڑنے پر تیار ہو گئی۔ اس کا کہنا تھا کہ ان کے ساتھ دوسرے عام امراء جیسا سلوک نہیں کرنا چاہیئے۔ اس پر بادشاہ نے ہاتھیوں کے علاوہ دوسرا سامان انہیں بخش دیا۔(۵۴) شاہ جہاں کے ایک امیر اسلام خاں کا آخری وقت قریب آیا تو اس نے اپنے تمام کاغذات جلا دیے اور اپنا سارا سامان لڑکوں اور بھائیوں میں تقسیم کر دیا اور بادشاہ کے پاس ۲۵ لاکھ روپیہ کا حساب بھیج دیا۔(۵۵)

ہندو امراء کی جائداد اور دولت ضبط نہیں کی جاتی تھی کیونکہ ان میں اکثریت کے پاس موروثی جاگیریں ہوتی تھیں لیکن جن کی جائدادیں موروثی نہیں تھیں وہ ضبطی کے دائرے میں آتی تھیں ہاکنس نے لکھا ہے کہ راجہ جگن ناتھ راجہ بہاری مل کا لڑکا مرا تو بادشاہ نے اس کی جائداد پر قبضہ کر لیا اس میں جواہرات کے علاوہ ۶۰ من سونا بھی شامل تھا۔(۵۶)

ضبطی کے عمل کے دوران اہلِ خاندان یقیناً ایک اذیت ناک عمل سے گذرتے ہوں گے ان سے چھپے ہوئے خزانے اور مال و اسباب کے بارے میں معلومات لی جاتی ہوں گی حکومت کے کارندوں کا رویہ خراب ہوتا ہوگا حساب کتاب اور اخراجات کو کم دکھانے کے لئے رشوت بھی دی جاتی ہوگی، درحقیقت امیر کے فوائد اس کے اہلِ خاندان کی بربادی کے خواہش مند ہوتے ہوں گے اس لئے کہا جاتا ہے کہ اکثر امراء مرنے سے پہلے یہ دولت اصل خاندان میں منتقل کر دیتے ہوں گے یا اپنی زندگی ہی میں خرچ کر کے تمام کر دیتے ہوں گے

طرزِ معاشرت

اکبر کے زمانہ میں جب مغل سلطنت کو استحکام ہوا

اور جب فتوحات کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوا تو اس کے ساتھ ہی بادشاہ اور امراء طبقوں میں خوشحالی و فارغ البالی آئی مختلف ذرائع سے دولت جمع کی جانے لگی اور زندگی کی آسائشیں اور ضروریات بڑھنے لگیں۔ مغل امراء کی شاندار حویلیاں، باغات بارہ دریاں اور مقبرے تعمیر ہونے لگے۔ لباس کی نفاست و خوبصورتی میں اضافہ ہوا کھانوں میں جدتیں پیدا ہونی شروع ہوئیں جلسے وجلوسوں کی رونق بڑھنے لگی خدمتگاروں اور نوکروں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہاتھی گھوڑے اور پالکیاں خوبصورتی و آرائش میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے لگیں ہیرے جواہرات، اور سونے چاندی کے سامان اور زیورات کا استعمال بڑھ گیا" دعوتوں تقریبات اور تفریحات پر بڑھ چڑھ کر پیسہ خرچ کیا جانے لگا حرم میں عورتوں کی تعداد بڑھنے لگی اور فیاضی و سخاوت کا اظہار زیادہ سے زیادہ ہونے لگا مغل امراء نے ایک ایسی ثقافت کو پیدا کیا جس کا تعلق معاشرے کے اعلیٰ، دولت مند اور حکمران طبقہ سے تھا یہی ثقافت مغل ہندوستان کی ثقافت بنی اور اس کی بنیاد پر ہندوستان کی دولت و خوشحالی اور شان و شوکت کے تذکرے ہوئے

دولت و آمدنی، اور خوش حالی کے لحاظ سے مغل امراء اپنے وقت کے لحاظ سے سب سے زیادہ دولت مند لوگ تھے' ان کے آمدنی کے ذرائع میں تنخواہ جاگیر و زمین سے لگان و مالیہ فتوحات کے نتیجہ میں مال غنیمت، تجارت میں آمدنی سود پر قرضہ دینے سے آمدنی، ماتحتوں اور رعیت سے تحفہ و تحائف و نذرانے اور رشوت و ناجائز طریقوں سے دولت حاصل کرتا تھے دولت کی بہتات کی وجہ سے یہ انتہائی فضول خرچ ہوتے تھے اور اپنے عہدہ و مرتبہ کے مطابق بڑی شان و شوکت سے رہتے تھے آمدنی سے زیادہ خرچ کرتے تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ ان کے مرنے پر ان کی جائیداد ضبط ہو جائے گی پھر بھی مرنے پر جائیداد کے علاوہ خطیر رقم چھوڑ کر مرتے تھے دولت خاں جو اکبر کے زمانہ کا ایک امیر تھا خواجہ سراؤں کا سردار تھا مرنے کے بعد اس نے دس کروڑ اشرفیاں چھوڑیں' یہ جواہرات سونا اور چاندی، برتنوں کے علاوہ ہے جس کی قیمت ۳ کروڑ بنتی تھی:۹ آصف خاں کی جاگیر کی آمدن ۵۰ لاکھ سالانہ تھی دارا شکوہ کی بارہ مہینے

کی تنخواہ دو کروڑ سات لاکھ پچاس ہزار بنتی تھی ہفت ہزاری منصب دار کی تنخواہ ۳۰ لاکھ سالانہ تھی دوسرے ذرائع آمدنی اس کے علاوہ تھے[۵۸] آصف خاں کے اخراجات اس قدر تھے کہ سمجھ میں نہیں آتے تھے یہ بادشاہ شہزادوں اور بیگمات کی دعوتیں کرتا رہتا تھا اور بادشاہ کو قیمتی تحفے اور پیش کش دیا کرتا تھا کھانے اور دعوتوں کا بڑا اہتمام کرتا تھا[۵۹]

عہدِ شاہ جہاں کے ایک امیر اعظم خاں کے ۵۰۰ ملازم تھے، یہ غلام تھے۔ اس کا ماہانہ خرچہ دس ہزار روپیہ تھا اس میں اس کے اصطبل کا خرچہ شامل نہیں تھا جس میں ۵۰۰ گھوڑے اور ۵۰ ہاتھی تھے اس کے ملازمین زرق برق لباس پہنتے تھے اور جب وہ باہر نکلتا تو اس کے ساتھ ۲۰۰ سپاہیوں کا ایک دستہ ہوتا تھا[۶۰]

مانڈیلسلو جب اس سے ملا تو یہ گجرات کا گورنر تھا اس وقت اس کے پاس ۱۰ کروڑ روپیہ تھا اس کی لڑکی کی شادی شاہ شجاع سے ہوئی تو اس نے بیس ہاتھی ۱۰ ہزار گھوڑے اور ۶ ہزار سازوسامان سے لدی گاڑیاں جہیز میں دیں[۶۱] بڑے امراء نے اخراجات اور خرچے کا جو معیار قائم کیا اس کی وجہ سے چھوٹے امراء مالی لحاظ سے پریشان رہتے تھے کیونکہ انہیں فوج اور ملازمین اور نوکروں کی بڑی تعداد کا خرچہ برداشت کرنا پڑتا تھا بادشاہ کو جشنوں اور دیگر موقعوں پر تحفے دینا پڑتے تھے[۶۲] اس لئے ان اخراجات کی وجہ سے یہ اکثر مقروض رہتے تھے۔ اور ضرورت پر مہاجنوں سے قرضہ لیا کرتے تھے۔

برنیئر نے امراء کے اخراجات اور طرزِ معاشرت پر تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دہلی میں متوسط طبقہ کا کوئی شخص نہیں یا تو بڑے لوگ ہیں یا غریب بازار میں اکثر وہی چیزیں ملتی ہیں جن کو امراء ناپسند کر کے چھوڑ دیتے ہیں پھل میوہ اور گوشت مہنگا ہے اور امراء کے علاوہ دوسرے لوگ نہیں کھاتے[۶۳]

اُمراء کے گھروں میں ضرورت مند لوگوں کا ہجوم لگا رہتا تھا ان میں ملازمت کے خواہش مند لوگ بھی ہوتے تھے اور وہ بھی ہوتے تھے جو معاشی مدد چاہتے تھے یا

کسی کی شکایت کرنا چاہتے تھے اور انصاف کے طلبگار ہوتے تھے ان حالات میں امراء کے طبقہ سے عوام کی امیدیں وابستہ ہوئیں اور عوام یہ سمجھنے لگے کہ صرف ان کے ذریعہ ان تمام مسائل و معاملات حل ہو جائیں گے اس لئے وہ ان کا احترام کرتے تھے اور انہیں اپنے سے برتر سمجھتے تھے محفلوں میں آتے وقت یہ امراء اس بات کا پورا پورا خیال رکھتے تھے کہ ان کی نشست و برخاست گفتگو اور حرکات و سکنات میں سنجیدگی ہو تاکہ ان کی شخصیت کا رعب لوگوں پر پڑ سکے ان کی محفلوں میں "امیر توزک" ہوا کرتا تھا جس کے فرائض میں یہ شامل تھا کہ وہ لوگوں کو مجلس کے آداب سے آگاہ کرے مجلس میں امیر خود تخت پر جھولداری کے نیچے بیٹھا کرتا تھا ملاقاتی امیر سے ملتے وقت اسے نذر دیتے تھے اور پھر کورنش و تسلیمات بجا لاتے تھے آنے والوں کے نام کا اعلان کیا جاتا تھا اور تعارف کے بعد اسے اس کے مرتبہ کے مطابق جگہ دی جاتی تھی محفل میں سب خاموش اور باادب بیٹھے رہتے اور کوئی اپنی جگہ سے نہیں ہلتا تھا گفتگو کے خاص آداب تھے نہ کوئی زور سے بولتا تھا اور نہ جسم کو حرکت دیتا تھا اگر کوئی راز کی بات کہنا چاہتا تھا تو اپنے منہ پر رومال رکھ کر آہستہ سے بولتا تھا ہر شخص اپنا جواب پانے کے بعد رخصت ہو جاتا تھا لیکن دوست اور برابر کے رتبہ کے لوگ بیٹھے رہتے تھے جب تک کہ وہ محل سرا میں نہیں چلا جاتا[۶۴]

اگر برابر اور ہم رتبہ امیر ملنے آتا تو اس کا آگے بڑھ کر استقبال کیا جاتا تھا معانقہ اور بغل گیر ہونے کے بعد اسے برابر میں جگہ دی جاتی اگر وہ کسی کو اپنی محفل میں بلانا چاہتا تھا تو اس کو لانے کے لئے سواروں کا دستہ بھیجتا تھا[۶۵] اگر امیر اپنے مہمانوں کی خدمت میں پان کا بیڑہ پیش کرتا تو یہ ایک بڑے اعزاز کی بات سمجھی جاتی تھی[۶۶] امیر اپنے مہمانوں کو باورچی خانے سے انواع و اقسام کے کھانے پھل اور میوے بھیجا کرتا تھا[۶۷]

امراء بغیر ملازموں، خادموں، فوجیوں اور سپاہیوں کے نہ گھر سے باہر نہیں نکلا کرتے تھے ایک مرتبہ عتقاد خاں ایک مجذوب سے ملنے کے لئے پیادہ

بغیر ملازمین کے چلا گیا چونکہ یہ شانِ امارت کے خلاف تھا اس لئے بادشاہ نے اس سے باز پرس کی(۶۸)" امراء ہمیشہ جلوس کی شکل میں باہر نکلا کرتے تھے اور ان کے ساتھ تقریباً ۲۰۰ سے ۵۰۰ تک سوار ہوا کرتے تھے ۴ یا ۵ جھنڈے ہوا کرتے تھے جو ان کی سواری کے آگے آگے چلتے تھے وہ اپنے گھوڑے کی غذا کا بہت خیال رکھتے تھے اور انہیں گھی و شکر کھلاتے تھے جس کی وجہ سے وہ خوبصورت اور نازک ہوتے تھے(۶۹)" جب ان کی سواری نکلتی تو ان کے ملازمین راستے سے لوگوں کو ہٹاتے ہوئے چلتے اور جو راستے میں آجاتا اسے بلا کسی لحاظ کے مارتے(۷۰)" ان کے ساتھ مورچھل بردار چھڑکاؤ کرنے والے خادم، خلال، پیک دان اور پانی کی صراحی لئے ملازم ہوتے تھے کچھ ملازمین کتابیں اور لکھنے کا سامان لئے ہوتے تھے(۷۱)" ان کی سواری بند یا کھلی پالکی ہوتی تھی جس میں یہ لیٹے ہوئے یا نیم دراز حالت میں سفر کرتے تھے سواری سے اتر کر یہ سیدھے اپنے مکان میں چلے جاتے تھے(۷۲)"

چھوٹے منصب دار اور امراء دو قسم کے مکان بنایا کرتے تھے اینٹ اور پتھر کے یا کچے اور خس پوش ۔ مکانات عمدہ اور ہوا دار ہوا کرتے تھے اکثر مکانوں میں باغیچہ ہوتے تھے اور اندر سے آرام دہ اور ہر قسم کے سامان سے آراستہ بڑے امراء کے مکانات دریا کے کنارے اور شہر سے باہر ہوا کرتے تھے مکان میں بڑا صحن، باغیچہ، حوض، اور دالان ہوا کرتے تھے اندر و باہر چھوٹے چھوٹے فوارے لگے ہوتے تھے اور تہہ خانے ہوتے تھے جہاں گرمیوں میں دوپہر کو آرام کرتے تھے اکثر امراء تہہ خانوں کی بہ نسبت خس خانوں کو زیادہ پسند کرتے تھے(۷۳)" ان کے مکانات میں بہت کمرے ہوتے تھے لیکن دوسری منزل نہیں ہوا کرتی تھی چھت خالی ہوتی تھی جہاں رات کو ہوا کھائی جاتی تھی تالاب و فواروں کے لئے پانی بیل کنوؤں سے کھینچ کرلاتے تھے ان مکانات کی زندگی چند سالہ ہوتی تھی کیونکہ ان کی دیواریں گارے سے بنی ہوتی تھیں(۷۴)"

امراء ہر بڑے شہر میں شاہی محلات کے ساتھ ساتھ اپنی حویلیاں تعمیر کراتے تھے آگرہ میں ان کے محل جمنا کے کنارے پھیلے ہوئے تھے فتح پور سیکری میں بھی انہوں نے اپنے محلات بنائے جو بعد میں کھنڈر ہوگئے امراء جو عمارتیں تعمیر کراتے ان

کے مرنے کے بعد ان کے لڑکے یا متوسلین ان کی مرمت کی طرف توجہ نہیں دیتے تھے اس لئے یہ بہت جلد ویران ہو جاتی تھیں کیونکہ ہر ایک کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ وہ اپنی عمارتیں خود بنوائے[۷۵]"

مکانوں میں پلنگ سونے یا چاندی کے ہوتے تھے محل کے باہر دیوان خانہ ہوتا تھا جہاں خوبصورت قالین بچھے ہوتے تھے یہاں امیر ہر روز صبح کے وقت آکر بیٹھتا تھا اور اپنے معاملات نمٹاتا تھا[۷۶]" گھر میں میز یا کرسی نہیں ہوتی تھی بلکہ نشست کیلئے ایک گدیلا بچھا ہوتا تھا جس پر گرمیوں میں چاندنی پڑی ہوتی اور جاڑوں میں ریشمی قالین گدیلے پر کمخواب کا ایک گاؤ تکیہ ہوتا تھا اس کے علاوہ ارد گرد مخمل اور ریشمی کپڑے کے چند اور تکیہ ہوتے تھے دیواروں میں طاق ہوتے تھے جن میں چینی کے برتن اور گلدان رکھے ہوتے تھے دالان کی چھت منقش ہوتی تھی[۷۷]"

امراء کثرت سے عورتیں اپنے محل میں رکھتے تھے اس لئے کثیر العیال بھی ہوتے تھے پہلی بیوی کا حرم میں اعلیٰ مقام ہوتا تھا۔ سب بیویاں بیگمات اور کنیزیں محل میں ساتھ رہتی تھیں ہر بیوی کا علیحدہ کمرہ اور علیحدہ ملازم ہوتے تھے جن کی تعداد ۱۰ سے ۱۰۰ تک ہوتی تھی شوہر ہر ایک کو ماہانہ خرچہ زیورات اور کپڑے دیتا تھا ان کا کھانا باورچی خانہ سے آتا تھا[۷۸]" ہر رات وہ ایک بیوی کے ساتھ گذارتا تھا جہاں اس کا پرجوش استقبال کیا جاتا ملازمین اس کو نیا لباس پہناتے اگر گرمی کا موسم ہوتا تو صندل اور گلاب کے عرق سے جسم کی مالش کرتے اس کے ہاتھ پیر دباتے اور اسے موسیقی و رقص سے محظوظ کرتے اس دوران اس کی بیوی اس کے پاس بیٹھی رہتی خوشبوؤں کا استعمال بہت ہوتا تھا اور اکثر امیر شراب پیا کرتے تھے اگر اسے کوئی خوبصورت خواص یا کنیز پسند آجاتی تو اس کے ساتھ رات گذارتا تھا ہر بیگم کے لئے بنگال سے خریدے ہوئے خواجہ سرا ہوتے تھے[۷۹]"

امراء کی بیگمات قیمتی لباس زیب تن کرتیں بہترین غذا استعمال کرتیں اور آرام و آسائش کی زندگی گذارتی تھیں مگر ان کی جنسی لذت پوری نہیں

ہوتی تھی اس لئے ان کے اور خواجہ سراؤں کے تعلقات کے بارے میں کہانیاں مشہور تھیں[۸۰]
بعض امراء اپنے محل میں بہت سی عورتیں جمع کر لیتے تھے جیسے مرزا عزیز کوکہ جس کی ایک ہزار
پانچ سو بیگمات تھیں جن سے اس کے چار ہزار بچے ہوئے[۸۱] اسمٰعیل قلی خاں اکبر کے عہد کا ایک
امیر تھا اس کے حرم میں ایک ہزار دو سو عورتیں تھیں جب وہ دربار میں جاتا تو ان کے کمر بندوں
پر مہر لگا کے جاتا تھا[۸۲]۔ راجہ مان سنگھ ایک ہزار پانچ سو عورتیں رکھتا تھا اور ہر ایک سے دو یا
تین بچے تھے[۸۳]۔

باورچی خانہ امراء کے سماجی رتبہ کی علامت ہوا کرتا تھا کوئی امیر تنہا کھانا نہیں
کھاتا تھا کیونکہ اس کے ہمراہ ہمیشہ مہمان ہوا کرتے تھے کھانوں کی تعداد اور لوازمات کی وجہ
سے باورچی خانے کے اخراجات بہت ہوا کرتے تھے باورچی خانے سے نہ صرف امراء اور
حرم کی بیگمات کو کھانا جاتا تھا بلکہ یہ کھانا بطور تحفہ دوستوں اور مہمانوں کو بھیجا جاتا تھا

دستور تھا کہ کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھوئے جاتے تھے پھر دستر خوان بچھتا
اس کے بعد مختلف قسم کے کھانے آتے کھانے کا انچارج درمیان میں بیٹھتا تھا اور ہر
مہمان کی خدمت میں کھانا پیش کرتا تھا کھانے کے وقت جس قدر مہمان ہوتے تھے وہ
سب شریک ہوتے تھے[۸۴]۔ امیر جب کسی کی دعوت کرتا تو اس موقع پر زیادہ اہتمام کیا جاتا
سیف خاں مرزا صفی نے جب خان جہاں لودھی کی گجرات میں دعوت کی تو کھانوں کی آرائش
کا نہایت اہتمام کیا خوان سے لیکر لنگری تک سب سونے چاندی کے تھے[۸۵]۔ کسی امیر کی شہرت
اس کے وسیع دستر خوان کی وجہ سے بھی ہوا کرتی تھی۔ رضا بہادر، خدمت پرست عہد شاہجہان
کا ایک ادنیٰ امیر تھا اس کے دو سو نوکر تھے اور یہ روزانہ پچاس آدمیوں کے ساتھ کھانا کھاتا
تھا[۸۶]۔ شجاعت خاں بہادر عہد عالمگیری کا ایک امیر تھا یہ روزانہ اپنے قاعدے سے کھانے
کے خوان اپنے ماتحتوں کو بھیجتا تھا اس کے علاوہ اس کے دو سو ہم جنس دونوں وقت کا
کھانا اس کے باورچی خانے سے کھاتے تھے[۸۷]۔

کچھ امراء اپنی خوش خوراکی کی وجہ سے بہت مشہور تھے ابو الفضل
کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ ۲۲ سیر کھانا کھاتا تھا اس کا لڑکا عبدالرحمٰن دستر خوان کا

نگران ہوتا تھا اور دیکھا کرتا تھا کہ اسے کون سا کھانا پسند آیا جس کھانے کے دو چار لقمے لیتا تھا وہ اسے دوسرے دن نہیں پکوایا جاتا تھا اگر کوئی چیز بدمزہ ہوتی تھی تو کچھ کہتا نہیں تھا بلکہ اپنے لڑکے کو کھلاتا تھا دکن کی مہم میں اس کے لئے روزانہ ایک سو بیس خوان خاصے کے تیار ہوتے تھے اور تمام سرداروں میں تقسیم ہوتے تھے عام لوگوں کے لئے دن بھر کھچڑی پکا کرتی تھی۔[88] شاہجہاں کے عہد میں پرتکلف لباس نفیس کھانے در آرائش و زیبائش میں آصف خاں، مرزا ابوسعید اور باقر خاں نجم ثانی مشہور تھے لیکن اعتقاد خاں (آصف خاں کا بھائی) اس سے بھی بازی لے گیا جب وہ کشمیر میں تھا تو اس کے لئے دودھیا چاول برہانپور سے اور پان کھنگیری سے آتے تھے۔[89]

بڑے بڑے امراء شورہ سے پانی ٹھنڈا کرکے پیتے تھے، خواہ سفر میں ہوں یا گھر میں۔[90] دولت کی بہتات خوش حالی اور فراغت کی وجہ سے امراء کے مختلف شوق اور مشغلے ہوا کرتے تھے جن میں یہ اپنا پیسہ اور وقت صرف کرتے تھے اس کے پس منظر میں نام و نمود و شہرت کی خواہش، خود کو دوسروں سے ممتاز کرنا۔ اور اپنی شخصیت کو اُبھارنا ہوا کرتا تھا۔ یہ فیاضی و سخاوت کا مظاہرہ بھی کرتے تھے اور دین سے لگاؤ ظاہر کرنے کے لئے مسجدیں بنواتے مذہبی جلسے و وعظ و قرآن خوانی کی محفلیں منعقد کراتے تھے۔ شیخ فرید کے بارے میں یہ شہرت تھی کہ ان کے در سے کوئی خالی ہاتھ نہیں جاتا تھا جب وہ دربار میں جاتا تو راستے میں درویشوں کو قبائیں، کمبل، چادریں اور جوتے تقسیم کیا جاتا درویشوں، بیواؤں اور حاجت مندوں کے اس نے سالانہ وظیفے مقرر کر رکھے تھے گجرات میں سادات کے لڑکے اور لڑکیوں کی فہرست تیار کرا رکھی تھی ان کی شادیوں کے اخراجات خود دیتا تھا سال میں تین مرتبہ اپنے ملازمین کو خلعتیں دیتا۔ پیادہ سپاہیوں کو ایک کمبل اور خاکروبوں کو جوتے دیتا تھا روزانہ ایک ہزار آدمیوں کو کھانا کھلاتا تھا پانچ سو آدمی اس کے ساتھ کھاتے اور پانچ سو کھانا ان کے گھر بھیجا۔[91]

اسلام خاں چشتی (سلیم چشتی کے پوتوں میں سے تھے) جب یہ صوبہ بنگال میں تھے تو وہاں کی تمام طوائفیں، ڈومنیاں، کنچنیاں نوکر رکھ لی تھیں۔

ان پر سال میں ۹ لاکھ ساٹھ ہزار روپیہ خرچ کرتے تھے اس کے علاوہ ریشمی کپڑوں کے خوان اور زر لبود انعام میں دیا کرتے تھے ان کے دستر خوان پر کھانے کی ایک ہزار رکابیاں (لکڑی کی روغن کی ہوئی سینی) ہوتی تھیں جب کہ وہ خود جوار باجرہ کی روٹی ساگ اور نمک سے کھاتے تھے[۹۲]۔

جہاں گیر قلی خاں، عہد جہانگیر کا ایک امیر تھا اس نے سو حافظِ قرآن ملازم رکھ رکھے تھے۔ جو سفر و حضر میں قرآن خوانی میں معروف رہتے تھے خود بہت سخت دِل تھا لوگوں کو کوڑے مارنے اور ذرا سی خطا پر پھانسی دینے سے باز نہیں آتا تھا ایک سو بگل بجانے والے ملازم تھے جو لڑائی کے وقت بگل بجاتے تھے ایک سو کشمیری غلیل باز ملازم تھے کہ کوئی پرندہ اس کے سر پر سے اڑ کر نہ جائے مار گراتے تھے[۹۳]۔

اسی طرح مختلف امراء کو مختلف شوق تھے سعید خاں کو خواجہ سراؤں کا شوق تھا ایک ہزار خوبصورت خواجہ سرا ملازم رکھے تھے چار سو خواجہ سرا رات کو اس کی حفاظت کرتے تھے[۹۴]۔ خان بہادر ظفر جنگ کی محفل میں نظم و نثر نوادرِ جواہر، گھوڑے ہاتھی اور قوتِ باہ کی ادویات کے تذکرے ہوتے تھے[۹۵] حکیم صدرا کے پاس تین سو کنیزیں تھیں اس نے ہر ایک کے ذمہ ایک کام سپرد کر رکھا تھا اور صبح سے شام تک انہیں معروف رکھتا تھا[۹۶]۔

جعفر خاں اورنگ زیب کا وزیر بہت نازک مزاج تھا سفید قیمتی کپڑا پسند کرتا تھا ایک بار صوبہ مالوہ کے قاضی نے بہت باریک سوت سے کپڑا تیار کرایا اور چند تھان کہ جن کی قیمت اس وقت ۵۰ روپیہ فی تھان تھی اس کے تحفہ کے لئے لایا جعفر خاں نے انہیں دیکھ کر پیشانی پر بل ڈالے اور کہا کہ کپڑا بہت موٹا ہے واپس لے جا سکتے ہو قاضی نے ازراہ ادب کہا کہ چاندنی کے فرش کے لئے لایا ہوں اس پر خوش ہوا اور تحفہ قبول کر لیا[۹۷]۔

جس طرح یہ امرانہ زندگی گذارتے تھے اسی طرح ان کی خواہش ہوتی تھی کہ مرنے کے بعد بھی ان کا نام باقی رہے اس لئے ان میں اکثر باغات کی بنیاد رکھتے

اور مرنے پر انہی میں دفن ہو جاتے اسی لئے لفظ "روضہ" جو باغ کے معنوں میں ہے مقبرہ کے مفہوم میں استعمال ہونے لگا اگر یہ اپنی زندگی میں اپنا مقبرہ نہ بنوا سکتے تو ان کی اولاد بنواتی اس کی تزئین و آرائش پر خوب پیسہ خرچ کیا جاتا اس لئے امراء اور بادشاہوں کے مقبرے عوام کی تفریح کے لئے استعمال ہوتے تھے جہاں ان کے اہل خاندان ثواب کی خاطر حافظِ قرآن ملازم رکھتے غریبوں کے لئے لنگرخانہ ہوتا اور اس کی برسی کے موقع پر روپیہ پیسہ غریبوں میں تقسیم کیا جاتا ان اخراجات کے لئے گاؤں وقف کر دیے جاتے تھے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عوام میں ان کی بزرگی اور عقیدت کے جذبات پیدا ہوئے اور جس طرح وہ اس دنیا میں انہیں اعلیٰ و افضل سمجھتے تھے اس طرح وہ اگلی دنیا میں ان کی بزرگی کے قائل ہو گئے ان کے مزاروں پر منتیں مانگتے اور یہ سمجھتے کہ ان کے وسیلے سے ان کی دعا ضرور قبول ہوگی ان کے مرنے کے بعد ان کی عیاشیوں ظلم و ستم لوٹ کھسوٹ، ایذا رسانی رشوت اور بددیانتی کو بھلا دیا جاتا تھا اور صرف ان کی نیکیوں کو یاد کیا جاتا۔

آٹھواں باب

مُغل مُعاشرہ اور عوام

عام طور سے مغل معاشرہ اور اس کی ثقافت کو دربار کی شان و شوکت، مغل حکمرانوں کے جاہ و جلال اور امراء کی خوشحالی سے جانچا پرکھا اور دیکھا گیا ہے اور اسی وجہ سے مغل دورِ حکومت کو ہندوستان کی تاریخ کا سنہری دور کہا جاتا ہے۔ اس سنہری دور کی نشانیاں آج تک محلات، باغات، قلعے، دروازے اور بارہ دریوں کی شکل میں موجود ہیں جو عظمتِ رفتہ اور قصہ پارینہ کی یاد دلاتی ہیں اس طرح جب تاریخوں میں مغل دربار کی رسومات، تفریحات، تہوار، جشنوں اور جلوسوں کی شان و شوکت کے بارے میں تفصیلات پڑھتے ہیں تو ذہن یہی تصور قبول کرتا ہے کہ مغلوں نے ہندوستان کو عظمت کی بلندیوں تک پہونچا دیا مغل دور کی مصوری، موسیقی، علم و ادب، شعر و شاعری، فنِ تعمیر اور انتظامِ سلطنت نے ان کی حکومت کو دنیا کی دوسری عظیم سلطنتوں سے ممتاز کر دیا مغل حکمرانوں کی انسان دوستی اور انصاف پسندی کے واقعات سے یہی تاثر دیا جاتا ہے کہ ان کے عہد میں رعیت خوش حالی، امن و امان اور چین کی زندگی گذار رہی تھی۔

تاریخ میں مغل خوش حالی اور سنہری دور کا تصور اس لئے اُبھرا کہ مورخوں نے ہندوستان کے عوام کی اقتصادی و سماجی زندگی کا جائزہ نہیں لیا مغل طبقاتی معاشرہ

میں رعیت کی کوئی حیثیت نہیں تھی اور نہ ہی بادشاہ اور امراء کے مقابلے میں انہیں کسی قسم کے حقوق حاصل تھے رعیت کا اکثریتی طبقہ بے حس بے جان اور مظلوموں کا ایک ایسا طبقہ تھا جو ہر قسم کے شعور سے عاری تھا اس لئے یہ طبقہ محض محنت مزدوری کر کے حکمران طبقوں کو دولت فراہم کرتا تھا اور سلطنت و حکومت کے معاملات میں اس کا کوئی عمل و دخل نہیں تھا اس لئے مغل مورخوں نے اس بات کی کوشش نہیں کی کہ عوام اپنی محنت سے مغل معاشرے کی تعمیل و تشکیل میں جو حصہ لے رہے ہیں اس کی نشاندہی کریں ان کے نزدیک عوام جاہل بے شعور اور کمتر درجہ کے لوگ تھے جن کا نہ تو معاشرہ میں کوئی مقام تھا اور نہ ہی وہ تاریخ ساز تھے ان کی نگاہوں میں حکمران طبقے کا کردار اہمیت کا حامل تھا جو جنگوں میں بہادری و شجاعت دکھاتے اور زمانہ امن میں دعوتوں و محفلوں کے ذریعے ثقافتی سرگرمیوں میں حصہ لیتے اس لئے انہوں نے عوام کی زندگی کو نظرانداز کر کے صرف حکمران طبقے اور ان کی سرگرمیوں پر توجہ دی اور تاریخ کی تشکیل میں صرف انہیں کا ذکر کیا اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ مختصراً اس کا جائزہ لیا جائے کہ معاشرہ کی ثقافت کن حالات میں پیدا ہوتی ہے اور کس طرح ترقی کرتی اور تکمیل کو پہونچتی ہے ؟

معاشرہ میں ثقافت کی بنیاد ہمیشہ شہروں میں پڑی جہاں حکمران طبقہ اور اس طبقہ کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ہنرمند و کاریگر جمع ہو جاتے تھے حکمران طبقہ اپنے اقتدار اور طاقت کو فوج کی قوت سے محفوظ رکھتا تھا اور اپنے اقتدار کے خلاف ہونے والی ہر مزاحمت کو سختی سے دبا دیتا تھا جب ایک مرتبہ ملک کے نزدیک و دور کے علاقوں میں اس کے خلاف بغاوتیں ختم ہو جاتیں اور اسکا اقتدار مستحکم ہو جاتا تو وہ انتظام سلطنت کی طرف توجہ دیتا اور اپنے کارندے ملک کے کونے کونے میں مقرر کر کے حکومت کے نام پر ٹیکس جمع کرتا۔ زمینیں جاگیروں کی شکل میں سلطنت کے عہدے داروں میں تقسیم کر دی جاتیں تھیں جو اس کی آمدنی سے اپنا حصہ لے کر بقایا مرکزی حکومت کے خزانے میں جمع کر دیتے تھے اس کا نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ گاؤں اور دیہاتوں سے لگان، مالیہ، خراج اور ٹیکسوں کا پیسہ صوبوں کے مرکزی مقامات اور

وہاں سے وارا لحکومت میں آنا شروع ہو جاتا تھا اسی پیسہ بادشاہ و امراء اور حکمران طبقہ اپنی جداگانہ اور علیحدہ ثقافت کی بنیاد ڈالا کرتے تھے جس قدر کسانوں اور کاشتکاروں سے لگان و مالیہ لیا جاتا تھا جس قدر رعیت پر ٹیکس لگائے جاتے اسی قدر بادشاہ کے خزانے میں اضافہ ہوتا اور اسی پیسہ سے بادشاہت کے اداروں کی تشکیل ہوتی فوج میں اضافہ ہوتا اس کے لئے نئے نئے ہتھیار اور اسلحہ تیار ہوتا جرنیلوں اور سپہ سالاروں کے آرام و آسائش کے لئے خیمہ و شامیانے، پالکیاں، ہاتھیوں اور گھوڑوں کے ساز و سامان اور آلات مہیا کئے جاتے طاقت ور فوج کے وجود میں آنے بغاوتوں کے خاتمہ اور چھوٹی ریاستوں کی فتح کے بعد اب شہری زندگی میں ثقافت کے دوسرے پہلوؤں پر توجہ دی جاتی تھی۔

مثلاً قلعے جو پہلے حفاظت کے لئے بنتے تھے اب خوبصورتی کے لئے تعمیر ہونے لگے۔ محلات و باغات، مینارون و برجوں اور مقبروں کی عمارتوں میں نزاکت آنے لگی۔ لباس کھانے رہائش کے ساز و سامان، تہوار جشن، تفریحات مشغلوں اور کھیلوں میں جدتیں ہوتے گئیں اور اسی مرحلہ پر ان ماہرین فن کاروں، اور کاریگروں کی ضرورت ہوتی تھی جو حکمران طبقے کیلئے جدید سے جدید چیز تیار کریں۔ حکمران طبقے کی خوش حالی کے ساتھ ہی شاعروں ادیبوں اور مورخوں کی سرپرستی کی جاتی موسیقی و رقص کی محفلیں منعقد ہوتیں اور جمالیاتی احساسات کی تکمیل کیلئے مصوری کو ترقی دی جاتی یہ سرگرمیاں معاشرہ میں ایک اعلیٰ ثقافت کو جنم دیتیں مغل ثقافت بھی ان ہی مرحلوں سے گذر کر اپنے عروج پر پہنچی۔ مغل ثقافت ایک طبقاتی ثقافت تھی کیونکہ حکمران طبقہ جس نے ریاست کے اداروں کی مدد سے پیداوار کے ذرائع اور دولت پر قبضہ کیا تھا وہ اس حیثیت میں تھا کہ فرصت اور فارغ البالی کے لمحات میں ایک اعلیٰ ثقافت کو تخلیق کر سکے جب کہ عوام کی اکثریت جو محنت و مشقت میں مصروف تھی اس کے پاس نہ تو وقت تھا اور نہ ذرائع کہ کوئی اعلیٰ ثقافت پیدا کر سکیں اس لئے مغل معاشرہ میں امراء کی اور عوام کی ثقافتیں پہلو بہ پہلو چلیں یہاں

مغل عہد کی علامتی ثقافت کی ایک تصویر ، جو محدود مواد سے تیار ہوتی ہے پیش کی جا رہی ہے۔

مغل دور کے شہروں میں آبادیاں اور محلے سماجی و معاشی لحاظ سے علیحدہ علیحدہ ہوا کرتے تھے امراء کی حویلیاں شہر کے خوبصورت ترین حصوں میں ہوتی تھیں جب کہ غریب لوگ چھوٹے اور کچے مکانوں میں کئی خاندان مل کر رہتے تھے اس لئے ان کی آبادی گنجان ہوتی تھی، سڑکوں اور پانی کے نکاس کے انتظام نہ ہونے کی وجہ سے یہ آبادیاں انتہائی گندی اور غلیظ ہوتی تھیں اس لئے ان علاقوں میں بیماریاں عام تھیں بارش کے موسم میں مختلف وبائیں پھوٹ پڑتیں تھیں اور ان کی روک تھام اور طبی سہولتیں نہ ہونے کی وجہ سے ہزارہا افراد ان کا شکار ہو جاتے تھے، اسپتالوں کی کمی، اور علاج معالجہ کی سہولتیں نہ ہونے کے سبب اکثریت ان بیماریوں کا علاج جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈے سے کرتی تھی جس کی وجہ سے توہم پرستی اور ضعیف الاعتقادی کا عام رواج تھا۔

شہروں میں غریب اور بے روزگار افراد کی بہتات تھی اور یہ معمولی اجرت پر کام کرنے کو تیار رہتے تھے اس لئے بادشاہ و امراء کو بھی ملازم اور نوکر کو نئے سپاہی آسانی سے مل جاتے تھے ملازمت کی کمی کی وجہ سے ہر ایک کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ وہ کسی امیر کے ہاں ملازمت کرنے کے بعد اسے نہ چھوڑے اور وفاداری و نمک حلالی کے ساتھ اس کی خدمت کرتا رہے اگرچہ ان کی تنخواہیں بہت کم ہوتی تھیں مگر یہ بھی انہیں پابندی سے نہیں ملتی تھیں اس لئے ان کی زندگی غربت و مفلسی میں گذرتی تھی عام ملازمین کی تنخواہ ۲ سے ۴ روپیہ ماہانہ ہوا کرتی تھیں[1]۔ کبھی یہ تنخواہ نقد ملتی تھی اور کبھی جنس کی صورت میں یعنی پرانے برتن اور کپڑے اگر ان ملازمین کا آقا طاقتور ہوتا تو یہ بھی اس سے فائدہ اٹھا کر رعیت کو لوٹتے جب یہ اپنے آقا کیلئے خریداری کرتے تو اس میں سے اپنا کمیشن جسے "دستوری" کہا جاتا تھا کاٹ لیتے تھے کیونکہ ان کی تنخواہیں اس قدر کم تھیں کہ ان کا تدارک کی صورت

میں یہ اپنا اور اپنے اہل خاندان کا گذارہ نہیں کر سکتے تھے۔[۲]

کم اجرت کی وجہ سے ہر امیر کے پاس خدمتگاروں کی بڑی تعداد ہوا کرتی تھی جب وہ باہر جاتا، تو اس کے ملازمین اس کے گھوڑے کے ساتھ ساتھ بھاگتے رہتے تھے عام طور سے ایک امیر کے مزدوری ملازموں میں سائیس، گاڑی بان، فراش، مشعل چی، ساربان، مہاوت، مورچھل بردار اور پیغام بردار ہوتے تھے پیغام بردار کی کمر میں دو گھنٹیاں بندھی ہوتی تھیں جب وہ پیغام لے کر بھاگ کر جاتا تو یہ گھنٹیاں بجتی رہتی تھیں۔[۳]

کاریگروں میں معمار، بڑھئی، لوہار اور دوسرے پیشہ ور تھے جو صبح سے کر شام تک کام کرتے تھے اور مشکل سے روزانہ ۵ سے ۶ ٹکے کماتے تھے۔ اگر حکومت کے افسروں، منصب داروں جیسے دیوان، کوتوال، یا بخشی کو کسی کاریگر کی ضرورت ہوتی تو اس سے زبردستی کام کرایا جاتا بعض اوقات یا تو اسے اجرت بالکل نہیں ملتی تھی یا تھوڑی بہت دے دی جاتی تھی۔[۴]

عوام اپنے رہنے کے لئے کچی مٹی سے مکان بناتے تھے جس کی چھت چھپر کی ہوتی تھی مکانات عام طور سے ایک کمرے کے ہوا کرتے تھے کمروں میں کوئی کھڑکی نہیں ہوتی تھی روشنی و ہوا صرف دروازے سے آتی تھی۔ فرش اور دیواروں پر گوبر ملا کر پلاسٹر کر دیتے تھے۔ فرنیچر یا تو کچھ نہیں ہوتا تھا یا برائے نام۔ مٹی کے برتن ہوتے تھے جن میں کھانا کھایا جاتا تھا بستر کیلئے صرف ایک چادر ہوتی تھی سردیوں میں اپلے جلا کر کمرہ کو گرم رکھتے تھے آگ کمرے کے دروازے پر جلاتے تھے کیونکہ کمرہ میں کوئی آتش دان نہیں ہوتا تھا۔[۵]

غریب لوگ دن میں صرف ایک مرتبہ کھانا کھا سکتے تھے اگر چہ تھوڑے بہت خوشحال لوگ دن میں دو مرتبہ کھا لیتے تھے اس صورت میں خاص کھانا دوپہر کا ہوا کرتا تھا کھانے میں چھاچھ ہوتی تھی اور بقدر ہمت گھی استعمال کیا جاتا تھا کیونکہ گھی کو شمالی ہندوستان میں طاقت کی غذا سمجھا جاتا تھا۔ دہی بستی مٹھائیاں اور گڑ خاص خاص موقعوں پر کھائے جاتے تھے[۶] نمک کا ٹھیکہ چونکہ حکومت کے پاس تھا اس

لئے بہت مہنگا تھا۔ مصالحوں میں زیرہ، دھنیہ، اور ادرک کا عام استعمال ہوتا تھا۔ الائچی، لونگ اور کالی مرچ مہنگی تھی سُرخ مرچ کا استعمال نہیں ہوتا تھا ہندوستان میں پیدا ہونے والے پھل اور خشک میوہ بہت مہنگے ہوتے تھے اوران کی قوت خرید سے باہر تھے(۷)۔ عام آدمی گوشت کے ذائقے سے ناواقف تھا اوراس کا پسندیدہ کھانا کھچڑی ہوا کرتا تھا اسے گھی اچار اور نمک کے ذریعہ کھایا جاتا تھا جو لوگ دن میں کھانا نہیں کھا سکتے تھے وہ بھنے ہوئے چنے یا اناج کے دانے کھا کر گذارہ کر لیا کرتے تھے(۸)۔ غریب آدمی کی غذا میں گیہوں شامل نہیں تھا بلکہ چاول جوار یا جرد اور دالیں کھاتا تھا اور ترکاریوں کا استعمال زیادہ کرتا تھا(۹)۔

عام آدمی کا لباس محض ایک بغیر سلا ہوا کپڑا ہوا کرتا تھا جس سے وہ اپنی برہنگی چھپا سکتا تھا۔ سردیوں میں موٹی اون یا روئی کے کپڑے پہنتا تھا اگرچہ ہندوستان میں کپڑا بنایا جاتا تھا مگر اس کے باوجود غریبوں کے لئے بہت مہنگا تھا عورتوں کا لباس ساڑھی تھا جس پر وہ بلاؤز نہیں پہنتی تھیں کچھ علاقوں میں چولی اور انگیہ کے ساتھ لہنگا پہنا جاتا تھا(۱۰)۔ لوگوں کے پاس عام طور سے ایک جوڑے سے زیادہ لباس نہیں ہوتا تھا(۱۱)۔ غریب لوگ جوتے نہیں پہنتے تھے ور ننگے پیر چلتے تھے(۱۲)۔ مگر جو تھوڑی بہت استطاعت رکھتے تھے وہ چپل استعمال کرتے تھے(۱۳)۔

غریب عورتیں چاہے مسلمان ہوں یا ہندو پردہ نہیں کرتی تھیں اور ملازمت وکام کاج کی غرض سے گھر سے نکلا کرتی تھیں یہی غریب عورتیں تھیں جو امراء کے ہاں کھانا پکانے صفائی کرنے اور دوسرے نجی کاموں پر ملازم ہوا کرتی تھیں۔

غریب لوگوں کی تفریح میں باغات، دریا یا جھیل کے کناروں پر جانا اور مزارات کی زیارت کرنا تھی۔ خصوصیت سے عورتوں کی تفریح مزارات جانا اور وہاں چڑھاوے چڑھانا اور مرادیں مانگنا تھا۔ اس کے علاوہ لوگ سانپ کے تماشہ بندروں کی حرکتوں، اونٹوں کے کرتبوں سے لطف اندوز ہوتے تھے یہ تماشہ کرنے والے شہر شہر اور گاؤں گاؤں پھر کر عام لوگوں کو سستی تفریح فراہم کرتے تھے۔

گاؤں اور دیہاتوں میں زندگی اور بھی غیر دلچسپ اور یکساں ہوتی تھی اگر کوئی گاؤں فصل خراب ہونے کی وجہ سے مالیہ ادا نہیں کر پایا تو اس کے عوض میں کسانوں اور ان کی عورتوں و بچوں کو فروخت کر دیا جاتا تھا اس خوف سے اکثر کسان بھاگ کر دوسرے علاقوں میں پناہ لیتے تھے جس کی وجہ سے زمینیں بنجر اور جنگل ہو جاتی تھیں"[۱۴]۔ انتظام کی خرابی اور موسمی حالات سے اکثر قحط پڑتے رہتے تھے اور وبائیں آتی رہتی تھیں ان دونوں صورتوں میں کسان متاثر ہوتا تھا کیونکہ حکومت کی جانب سے بہت کم صورتوں میں مدد کی جاتی تھی"[۱۵]۔

شہروں اور دیہاتوں میں مفلسی اور غربت کا علاج اکثر بادشاہ اور امراء اس میں سمجھتے تھے کہ غریبوں، محتاجوں، فقیروں اور درویشوں کے لئے بڑے شہروں میں لنگر خانے کھول دیئے جائیں اس قسم کے لنگر خانے احمد آباد، الہ آباد، لاہور، آگرہ اور دہلی میں کھولے گئے قحط کے زمانہ میں ان لنگر خانوں کی تعداد بڑھ جاتی تھی مغل دورِ حکومت میں ہندوستان میں سخت قحط پڑے جس کے نتیجے میں لوگوں نے اپنے گھر بار چھوڑ دیئے اور ملازمت و غذا کی تلاش میں دوسرے علاقوں میں چلے گئے اکثر نے بھوک سے تنگ آ کر اپنے بچوں تک کو فروخت کر دیا اورنگ زیب کے زمانہ میں قحط اور مہنگائی سے لوگ اس قدر پریشان ہوئے کہ غذا کی تلاش میں اپنے علاقے چھوڑ کر دارالحکومت میں آگئے جہاں اسقدر ہجوم ہُوا کہ چلنے پھرنے کے راستے بند ہو گئے اسی طرح مفلسی کا علاج خیرات کے ذریعہ کرنے کی کوشش کی جاتی تھی لیکن اس سے مفلسی کا خاتمہ تو نہیں ہُوا مگر خیرات دینے والے فیاض و سخی ضرور مشہور ہوئے مفلسی و غربت، مالی پریشانیاں ماحول کی گندگی، غذا کی کمی محنت و مشقت کی زیادتی کی وجہ سے لوگوں کی عمر کم ہوا کرتی تھی اس لئے یہ رواج تھا کہ جلدی عمر میں شادی ہو جاتی تھی اور ۳۵ سے ۴۰ سال کا آدمی خود کو بوڑھا تصور کرتا تھا امراء کے طبقہ میں جلدی اموات کی وجہ ان کی خوش خوراکی جنسی امراض اور سستی و کاہلی تھی اس لئے اس معاشرہ میں ضروری تھا کہ جو کچھ حاصل کرنا ہو وہ بیس سے تیس سال کی عمر میں کر لیا جائے۔ عوام میں سیاسی شعور کا فقدان تھا انہیں ایک ہی بہتر کا سبق

دیا جاتا تھا کہ بادشاہ سے ساتھ وفادار رہنا چاہیے اور حکومت کے ہر ظلم وستم کو خاموشی سے برداشت کرنا چاہیئے ظلم کے خلاف آواز اٹھانا اور نظام کے خلاف انتقامی جذبات پیدا کرنا سماج کی روایات کے خلاف تصوّر کیا جاتا تھا اس لئے قناعت وصبر و شکر سے زندگی بسر کرنا قابلِ فعل اور قابلِ تقلید کام ہوا کرتے تھے یا پیروں وصوفیوں کی تعلمات میں پناہ لے کر ترکِ دنیا کے اصولوں کو اختیار کیا جاتا تھا۔ معاشرے اور اس کے نظام سے مزاحمت کرنے کے بجائے یہ کام خدا کے سپرد کر دیئے جاتے تھے کہ ظالم کو اس کے ظلم کی سزا ملے گی اور بدی کا انجام خراب ہوگا۔

صدیوں کے ظلم وستم نے عوام کی شخصیت کو کچل دیا تھا وہ اس بات کے عادی ہو چکے تھے کہ بادشاہ کو حکومت کرنے اور حکومت کے عہدے داروں کو ان پر ظلم کا حق ہے وہ حکمران طبقہ کی شان وشوکت سے ہیبت زدہ ہو جاتے تھے اور ان کی برتری کو خاموشی سے بغیر کسی دلیل کے تسلیم کرتے تھے وہ سلطنت اور اس کی انتظامی پیچیدگیوں کو نہیں سمجھتے تھے اسی لئے درباری مورخوں کو ان کی سیدھی سادھی زندگی میں کوئی کشش نظر نہیں آتی اور وہ انہیں تاریخی عمل میں ایک بہتا ہوا دھارا سمجھے۔

حوالہ جات

پہلا باب

۱۔ تفصیل کے لئے دیکھئے:

L' Orange, H.P. : Studies on the iconography of Cosmic kingship in the ancient World. Oslo 1953.

Widengren, G.: The Sacral Kingship in Iran. In: Numen. Supplement IV. Leiden 1959. pp.242-257

Smith, S.: Myth Ritual and Kingship. Ed. S.H. Hooke. London.

۲۔

Frazer, J.G.: The Golden Bough. Abridged. London 1963, pp.109-119.

۳۔ ایضاً: ص ۱۳۷ - ۱۳۹

۴۔ ایضاً: ص ۱۳۱

۵۔ ایضاً: ص ۳۱

۶۔ ایضاً: ص ۳۵۵ - ۴۰۲ - ۴۲۲

۷۔

Azarpay, Guitty: Crown and some Royal Insignia. In: Iranica Antiqua. Vol. IX. Leiden 1972. p.113.

۸۔ فریزر: ص ۱۳۷

۹۔ ایضاً: ص ۳۴۲ - ۳۴۵

۱۰۔ الماوردی نے "الاحکام السلطانیہ" میں یہ شرائط رکھی ہیں کہ جسمانی نقائص کی بنا پر کوئی حکمران تخت پر نہیں بیٹھ سکتا اندھے ہونے کی صورت میں وہ امامت کے قابل نہیں۔ دیکھئے الاحکام السلطانیہ اردو ترجمہ کراچی ۱۹۶۵ء ص ۳۶،۳۵

بادشاہت سے امیدوار کو اندھا کرنے کی رسم سلجوق حکمرانوں نے اختیار کرلی تھی مسلمانوں میں یہ رسم بازنطینی روایات سے آئی پہلا شخص جسے اس مقصد کے لئے اندھا کیا گیا وہ خلیفہ قاہر تھا۔

۱۱- فرنیر، ص۔ ۱۱۷
۱۲- ایضاً، ص۔ ۱۱۸
۱۳- ایضاً، ص۔ ۱۳۷ – ۱۳۸
۱۴- محسن فانی: دبستانِ مذاہب۔ انگریزی ترجمہ۔ ڈیوڈ شی۔ پیرس ۱۸۴۳ء
جلد اوّل: ص ۱۸۵ – ۱۸۶
۱۵- ایضاً، ص۔ ۳۲
۱۶- کرسٹن سین ایران بعہد ساسانیاں (اردو ترجمہ۔ ڈاکٹر محمد اقبال) دلی ۱۹۴۱ء
ص۔ ۵۳۰ – ۵۳۷

۱۸-
Frye, R.N.: Gestures of Deference to Royalty in Ancient Iran.
In: Iranica Antiqua. Vol.ix. 1972. pp.102-107.

۱۹- ایضاً، ص۔ ۱۰۷
۲۰- ایضاً: ص۔ ۱۰۶ (نوٹ ۲)
۲۱- Azarpay, Guitty, pp.108-115.
کرسٹن سین ۵۳۰ – ۵۳۱

۲۲-
Frye, R.N.: The Chrisma of Kingship in Ancient Iran. In:
Iranica Antiqua.vol.iv. pp.38 (note).

۲۳- کرسٹن سین: ص۔ ۶۳

۲۴۔ ایضاً: ص۔۵۴۸ — ۵۴۹

۲۵۔

Gibb, H.A.R.: Arab-Byzantine Relation under the Umayyad Caliphate.

In: Studiea on the Civilizstion of Islsm. London 1962. Repr.London 1969, p.50.

۲۶۔

Browne, E.G.: A Literary Hiatory of Persia. London 1920. Repr. Cambridge 1964, i.p.259. Watt, W.M.: The Majesty thst was Islsm. London 1974, p.118.

۲۷۔ ایرانی دربار کے لئے دیکھئے: ابن ہشام، سیرۃ رسول اللہ گوٹن گن ۱۸۵۹ء
ص: ۴۲

محسن فانی، ج، ص۔ ۶۸ — ۶۹

Frye, R.N.: The Chariama of Kingahip in Ancient Iran. In: Iranica Antiqua, 1964, vol.iv. pp.36-54. Idem:Geaturea of Deference to Royalty in Ancient Iran. Ibid., 1972. vol.ix.pp.102-7.

۲۸۔

Watt, W.M., pp.108-120. Cf. Muhammad Rabi: The political theory of Ibn Khaldun, Leiden 1967, pp.90-92.

۲۹۔

Barthold, W.: Turkestan down to the Mongol Invasion. London 1968, p.209. Spuler, B.: Iran in fruh-islamischer Zeit.Wieabadi 1952, p.354.

۳۰۔

Busse, H.: The Revival of Persian Kingship under the Buyida. In: Islamic Civilization (950-1150) Ed.D.S.Richarda. Oxford 1923, pp.47-69. Brown.E.G.: I,p.128.

۳۱۔ نظام الملک: سیاست نامہ: طہران (؟) ص۔ ۵ — ۶

۳۲. ابنِ خلدون: مقدمہ ابن خلدون (اُردو ترجمہ، کراچی: ۹) ص۔ ۱۹۲

۳۳. ہلال الصابی: رسوم دارالخلافہ، بغداد ۱۹۶۴ء ص۔ ۳۱-۳۵-۷۷
۸۵-۹۰-۹۱

مزید تفصیل کیلئے دیکھئے عمرابن بحرالجاحظ بکتاب التاج (احمد ذکی پاشا)
قاہرہ ۱۹۱۴ء ص۔ ۷-۹-۱۱-۲۰-۲۱-۴۳-۱۵۳-۱۵۴
قطب الدین ایزدانی کتاب العلم باعلام بیت الحرام (ایف وستنفلڈ)
لائپزگ ۱۸۵۷ء ص۔ ۱۶۸-۱۶۹

۳۴. ایضاً۔ ص۔ ۱۶۸-۱۶۹

۳۵. محسن فانی۔ I۔ ص۔ ۱۶۸

۳۶. سیاست نامہ۔ ص۔ ۹۹-۱۰۰-۱۲۷-۱۲۸
ضیاءالدین برنی، فتاویٰ جہانداری۔ لاہور ۱۹۷۲ء ص۔ ۹۵-۱۰۸
۱۱۴-۱۱۷

۳۷. محمد حبیب وبیگم افسر عمر، سلاطینِ دہلی کا سیاسی نظریہ۔ نئی دہلی ۱۹۶۹ء
ص۔ ۱۰۶-۱۰۷

۳۸. آئینِ اکبری۔ I۔ ۲-۴

۳۹.

Bosworth, C.E.: The Ghaznavids, their empire in Afghanistan and Eastern Iran (994-1040). Edinburgh 1963, pp.34, 42, 57. Frye, R.N.: Bukhara, The Medieval Achievement. Norman 1965. p.45.

۴۰. آئینِ اکبری۔ I۔ ۱۵۷

۴۱. خافی خان، منتخب اللباب۔ جلد دوم۔ کلکتہ ۱۸۶۹ء ص۔ ۱۵۷

Sharma, S.R. Mughal Government and Administration. Bombay 1951, pp.182, 187.

دوسرا باب

۱. نورجہاں کا بھائی اور ممتاز محل کا باپ ۱۶۲۱ء میں جہانگیر نے اسے اپنا وزیر مقرر کیا تھا۔

۲. شاہ جہاں کا سب سے بڑا لڑکا

۳. Sharma, S.R.: Mughal Government and Administration Bombay 1951, p.25.

۴. قدیم ایرانی بادشاہوں کے تخت سونے، ہاتھی دانت اور ساگون کی لکڑی کے ہوتے تھے اور قیمتی پتھر، ہیرے، جواہرات اور قیمتی موتیوں سے مزین ہوتے تھے سونے کا تخت رکھنا صرف بادشاہ کا استحقاق تھا اس کے اوپر ایک سائبان ہوتا تھا جس پر قیمتی پتھر جڑے ہوتے تھے اور سونے کے ستون کے ذریعہ سے اس کو سہارا دیا ہوتا تھا اور بادشاہ اس کے سایہ میں بیٹھا کرتا تھا تفصیل کیلئے ملاحظہ کیجئے۔

Olmstead, A.T.: History of the Persian Empire. Chicago 1966, p.283).The throne was placed.

شاہی تخت ہمیشہ دربار میں پردوں کے پیچھے رکھا ہوتا تھا تفصیل کے لئے دیکھئے

Girshman, R.: Iran. Harmondsworth 1954, pp.166-7.

۵. شرما، ایس۔ آر: ص۔ ۲۵

۶. تفصیل کے لئے دیکھئے۔

Manucci, i, p.89. Blochet, E.: Mussalman paintings. Engl. tr.by Binyon, C.M. London 1929. P.11. CLXXXVII (Babur's throne), CLXXXIII, (Humayun's throne), CLXXVIII, CLXXIX, CLXXX, CLXXXII, CLXXXIII (Akbar's thrones). Stanley, C.: Indian Drawings (Thirty Mogul Paintings of the school of Jahangir). London 1922, Pl.6.(Akbar's throne), Pl.7. (Jahangir's throne), and pl.10 (Shahjahan's throne). Percy Brown: Indian Painting under the

Mughals. Oxford 1024, Pl. XLIX (Jahangir's throne). Binyon, R.L.: Asiatic Art in the British Museum. Paris & Brussels 1925, Pl .ILVI, No.2 (Jahangir's throne).

۷- Tavernier, p.81.

۸- Roe, p.253.

۹- آئین-I- ۴۵

۱۰- Monserrate, p.199.

۱۱- Roe, pp.325-26.

۱۲- Terry, p.328.

۱۳- Tavernier, pp.80, 303, 306, 308.

۱۴- Manucci, I, p.88.

۱۵- Ogilby, pp.163: Mandelslo, p.30.

۱۶- تخت طاؤس کا تصور شاند تخت سلیمان سے لیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کس پر طاؤس کی شکل بنی ہوئی تھی عباسی اور فاطمی درباروں میں بھی جواہرات سے مزین تخت طاؤس ہوا کرتے تھے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے۔
Jairazbhoy, R.A.: Oriental influence in Western Art. Bombay 1965, p.22).

شاہ جہاں کے تخت طاؤس کیلئے دیکھئے، لاہوری - II - ص - ۸۰ — ۸۱
برنیر - ص - ۲۶۸

۱۷- Thevenot, p.42.

۱۸- Tavernier, pp.303-4.

۱۹۔ ایضاً۔ ص۔ ۳۰۵۔

۲۰۔ ایضاً۔ ص۔ ۳۰۵، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے برہمن کی "قواعد سلطنت شاہجہانی" جس میں اس نے تخت طاؤس کے بارے میں دلچسپ معلومات دی ہیں۔
ص - ۶۳۔

" تخت کے اوپر ایک سائبان تھا جو آسمان سے ملتا تھا اسپر قیمتی موتیوں سے کشیدہ کاری کیگئی تھی ... اسپر دو چیتر بھی تھے جن پر قیمتی موتی جڑے ہوئے تھے اور جس کی جھالر پر بھی قیمتی موتی لگے ہوئے تھے یہ دو ستونوں کے سہارے کھڑے تھے جو ایک کرسی میں جڑے ہوئے تھے، ان پر بھی قیمتی پتھر جڑے ہوئے تھے... اس پر ستارے بھی جگہ جگہ جڑے تھے جن میں سے ہر ایک کی ۷۵ ہزار روپیہ قیمت تھی جو ایک دوسرے سے مناسب فاصلہ پر ٹنکے ہوئے تھے شاہی تخت کے گرد سونے اور چاندی کا کٹہرا تھا"

۲۱- دہلی سے چالیس میل کے فاصلہ پر۔

۲۲- یہ سلیمان عظیم الشان (۱۵۲۰ – ۱۵۶۶) کے بحری بیڑہ کا امیر تھا اس نے اپنے سفرنامہ پر ایک کتاب "مرآۃ الممالک" لکھی ہے، جس میں اس نے ہندوستانی ساحل سے استنبول تک کے خشکی کے سفر کے حالات لکھے ہیں۔

یہ ۱۵۵۶ء میں ہمایوں کے دربار میں آیا تھا ہمایوں کی وفات کے بعد ایک شخص کو ہمایوں کے لباس میں کھڑا کر کے عوام کو دکھایا گیا یہ اس کی ترکیب تھی اس کے بارے میں وہ لکھتا ہے۔

" اس کا چہرہ اور آنکھیں ڈھکی ہوئی تھیں خوشحال بیگ مصاحب اس کے پیچھے کھڑا تھا ... جبکہ بہت سے عہدیدار اور اُمراء دربار کی دوسری جانب کھڑے تھے جب انہوں نے بادشاہ کو دیکھا اور نوبت کی آواز سنی تو وہ فرطِ مسرت سے احتراماً جھک گئے"

تفصیل کے لئے دیکھئے۔

Vambery, A: The travela and adventures of the Turkish Admiral Sidi Ali Reis. London 1899, p.57.

۲۳- امرتسر سے ۴۰ میل کے فاصلہ پر

۲۴- لاہوری، I - ص ۸۲ – ۹۱ - صالح - I - ص ۴۷۶

معتمد خاں - ص - ۲ - ۵

۲۵- ہندوستان میں دن اور رات ۸ پہر میں تقسیم کئے جاتے تھے۔ ۸ پہر ۶۰ گھڑیوں کے

برابر تھے اور ایک گھڑی ۶۰ پلوں سے۔ ایک گھڑی ہمارے زمانے کے وقت کے حساب سے ۲۴ منٹ کی ہوا کرتی تھی۔

۲۶۔ وہ تحفہ جو بادشاہ کو اپنی وفاداری اور اطاعت کے اظہار کے طور پر دیا جاتا تھا

۲۷۔ یہ شاہجہاں کی محبوب بیوی تھی۔

۲۸۔ نثار کی رقم، بادشاہ کے سر پر گھما کر غریبوں میں تقسیم کردی جاتی تھی اور یہ خیال عام تھا کہ اس طرح سے وہ نظرِ بد، بلاؤں اور آفتوں سے محفوظ رہیگا

۲۹۔ یہ شاہ جہاں کی سب سے بڑی لڑکی تھی۔

۳۰۔ شاہ جہاں کا لڑکا دارا سے عمر میں چھوٹا تھا۔

۳۱۔ شاہ جہاں کا سب سے چھوٹا لڑکا

۳۲۔ یہ عہدِ اکبری، وجہانگیری، وشاہ جہاں کا مشہور ومعروف جنرل تھا

۳۳۔ فوجی معاملات کا مشیر ہوتا تھا

۳۴۔ ۵۰۰۰ سواروں کو رکھنے والا'

۳۵۔ مغل سلطنت سے ابتدائی بتدا میں وکیل السلطنت کا عہدہ وزیرِ اعظم کے برابر ہوا کرتا تھا۔ لیکن بعد میں یہ ایک غیر اہم عہدہ ہوگیا۔ اور اس کے اختیارات دیوان نے لے لئے۔ مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے:

لاہوری۔ I ص ۔ ۱۲۸

۳۶۔ لاہوری، I ص ۸۲ ۔ ۹۶

۳۷۔ کاظم ۔ ص ۔ ۳۵۴ ۔ ۳۰۳'

مستعد خاں ص ۔ ۲۲ ۔ ۲۳

۳۸۔ آئین ۔ I ص ۔ ۱۱۸ ۔ ۱۱۹ ۔ یہ ایک ترکی لفظ ہے جس کے معنی اسلحہ کے ہیں ۔ سے اسلحہ خانہ کے لئے لفظ قورخانہ، اور اس کے انچارج کے لئے قورچی، نکلا۔ حوالے کیلئے دیکھئے:

Doerfer, G.: Turkische und mongolische Elemente im Neupersischen. Wiesbaden, 1963-1975, I-p.427.

چنگیز خاں کے زمانہ میں چار آدمی اس بات کے ذمہ دار ہوتے تھے کہ وہ اسکا
تروکمان تیار کریں یہ تورچی کہلاتے تھے، حوالے کیلئے دیکھئے۔
Barthold, W.: Turkistan down to the Mongol invasion. London 1968, p.382..

۳۹۔ غسل خانہ میں بادشاہ خصوصی امراء اور اہم منصب داروں اور عہدے داروں کو مشورے کے لئے بلاتا تھا۔

۴۰۔ کاظم۔ ص۔ ۳۵۱ ۔ ۳۵۲

۴۱۔ شاہ جہاں کی سب سے چھوٹی لڑکی۔

۴۲۔ عالمگیر کی لڑکی۔

۴۳۔ عالمگیر کی لڑکی۔

۴۴۔ عالمگیر کا سب سے بڑا لڑکا،

۴۵۔ عالمگیر کا دوسرا لڑکا،

۴۶۔ عالمگیر کا تیسرا لڑکا،

۴۷۔ عالمگیر کا چوتھا لڑکا،

۴۸۔ بختاور خاں، مرآۃِ عالم، برٹش میوزیم۔ ADD. ۷۶۵۷،
ص۔ ۳۸۲

۴۹۔ Tavernier, p.297.

۵۰۔ ایضاً ص، ۲۹۷

۵۱۔ اووِنگٹن (Ovington.) ص۔ ۱۷۷ ۔ ۱۷۸ پر ملاحظہ کیجئے:
"جب کبھی ہندوستان میں بادشاہت کا اعلان ہوتا تھا تو اس موقع پر ہمیشہ خوشی ومسرت کا اظہار کیا جاتا تھا، موسیقی، آتش بازی تماشہ اور خوشی کے مناظر سلطنت کے تمام حصوں میں دیکھنے میں آتے تھے اس موقع پر ان کے جہازوں پر بھی جھنڈے اور علم لہرائے جاتے تھے"

۵۲۔ لاہوری، I ص ۱۱۳ ۔ ۱۱۵ صالح ۔ I ۔ ص ۔ ۲۱۲

۵۳ شاہ جہاں نے اپنی تخت نشینی کے بعد جو فرمان، آصف خاں کو لاہور بھیجا تھا اس کیلئے تفصیلات دیکھئے، لاہوری - I - ص ۱۱۴ ،۵
صالح - I - ص ۲۱۲ -
Pirzada, M.H.: Coronation of Muhammadan Sovereigns of India. In: JPHS, 1911-12, p.149.
"دانش کے پیکر، عموی آصف خاں، آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ۸ جمادی الثانی ۱۰۳۷ھ کو چار گھڑی دن سے وقت ہم آگرہ میں تخت پر جلوہ افروز ہوئے اس موقع پر ہم نے صاحب قرآن ثانی شہاب الدین محمد شاہ جہاں بادشاہ غازی کا خطاب اختیار کیا۔ اس کا اعلان بھرے دربار میں کیا گیا اور خطبہ کے ... یز ... ختاب درج کرایا گیا۔ ہمیں امید ہے کہ خدائے ذوالجلال، جس نے اپنی رحمت سے تمام ہندوستان کی بادشاہت ہمیں عطا کی ہے، ہمارے دور حکومت کو بابرکت بنائے گا، تمہارے لئے جو ہمارے ساتھی و رفیق ہو، اور تمام رعیت کے لئے"

۵۴۔ توزک جہانگیری - I - ص۔ ۸ — ۹ یہ ۱۲ احکامات اس طرح سے تھے:
۱۔ تمغہ، میر بحری اور دوسرے غیر واجبی ٹیکس بند کئے جائیں۔
۲۔ ویران راستوں پر، مسجدیں، سرائیں اور کنوئیں بنائے جائیں۔
۳۔ اگر کوئی کافر یا مسلمان مرجائے تو اس کا مال و متاع اس کے وارثوں کو دیا جائے اگر کوئی وارث نہ ہو تو حکومت اس کے خرچے سے مساجد، سرائیں اور پلوں کی تعمیر کرائے۔
۴۔ شراب اور دوسری نشہ آور چیزوں کی فروخت بالکل بند کیجائے۔
۵۔ حکام کسی کے گھر میں مہمان نہیں ٹھہریں۔
۶۔ جرم کی سزا میں ناک، کان نہیں کاٹے جائیں۔
۷۔ سرکاری عہدے دار رعایا کی زمین پر قبضہ نہیں کریں گے۔
۸۔ خالصہ کے عامل اور جاگیر، جس پرگنہ میں وہ ہوں۔ بغیر اجازت کے وہاں کے لوگوں میں شادیاں نہیں کریں،

۹۔ بڑے شہروں میں شفاخانے کھولے جائیں۔

۱۰۔ خاص دنوں میں جانوروں کا ذبیحہ بند کیا جائے

۱۱۔ اکبر کے عہد کے عہدے دار اور جاگیردار اسی طرح برقرار رہیں گے۔

۱۲۔ وہ تمام قیدی جو طویل مدت سے قید تھے انہیں رہا کیا جائے۔

۵۵۔ صالح ۔ I ۔ص ۔ ۲۵۸

۵۶۔ خافی خاں II ۔ص ۔ ۷۷

۵۷۔ اکبر نے اپنے جلوس سے ۲۹ سال میں الہی سال کا اجراء کیا (۱۵۸۲) اور اس کو اپنی تخت نشینی سے شروع کرایا (۱۵۵۶) یہ شمسی حساب سے تھا اور اس کی ابتداء ۱۱ مارچ سے ہوئی تھی اس میں ۱۲ مہینے ہوا کرتے تھے جن میں ۲۹ سے لیکر ۳۲ دن ہوا کرتے تھے الہی سال کے مہینوں کے نام فارسی نام تھے، فروردین، اردی بہشت، خورداد تیر، امرداد، شہریور، مہر، آبان، آزار، دی، بہمن اور اسفندارمذ۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: آئین، I ۔ص ۔ ۲۶۵ ۔ ۹

بدایونی، II ۔ص ۔ ۳۰۶

Cambridge History of India. Delhi 1963, iv, p.130.

۵۹۔ خطبہ جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں دیا جاتا تھا ابتداء میں اس کی سیاسی و مذہبی نوعیت ہوتی تھی لیکن بعد میں صرف مذہبی رہ گئی

۶۰۔ راقم الحروف کا مضمون، دیکھئے۔

The Khutba: A symbol of Royalty in Islam. In: Sind University Research Journal, Arts Series. Vol. xvii & xviii-1978-79. pp.89-96.

مزید تفصیلات کے لئے ایک دوسرا مضمون "ہندوستان کے مسلمان حکمران اور خطبہ" المعارف (لاہور) جولائی ۱۹۸۰ء ص ۔ ۲۲ ۔ ۲۷

ابن خلدون (انگریزی): مقدمہ ابن خلدون II ص ۔ ۷۱

پیرزادہ ۔ ایم ۔ ایچ ۔ ص ۔ ۱۱۳ ۔ ۱۱۴

۶۱۔ سلطان محمد خدابندہ یا الجائیتو (۱۳۰۴ – ۱۳۱۶) نے اپنے عہد میں ۱۲ شیعہ اماموں کے نام خطبہ میں پڑھوائے حوالے کیلئے دیکھئے:

Hawoith, H.H.: History of the Mongols. London 1888. Repr. New York 1966, iii, p.559.

بابرنامہ ۔ص ۔ ۲۵۱

Siddiqui, A.H.: Caliphate and Kingship in Medieval Persia. In:IC x, 1936, p.262.

۶۲۔ خطبہ میں نام اس ترتیب سے پڑھے جاتے تھے، قطب الدین امیر تیمور، جلال الدین میراں شاہ، سلطان محمد مرزا، سلطان ابوسعید مرزا، عمر شیخ مرزا، ظہیر الدین بابر، ناصر الدین ہمایوں، جلال الدین اکبر، نور الدین جہانگیر، شہاب الدین شاہجہاں اور محی الدین اورنگ زیب عالمگیر

۶۳۔ پیرزادہ ۔ ص ۔ ۱۴۶

۶۴۔ صالح ۔ I ص ۳۲۶ ، قواعد سلطنت شاہجہانی ص۔ ۶۸

Cambridge History of India, iv, p.95. ۶۵۔

۶۶۔

Lane Poole S.: The Coins of the Eastern Khaleefehs in the British Museum. London 1875. Repr. Bologne 1967, pp.viii, ix, (introduction).

۶۷۔ خافی خان II ۔ص ۔ ۷۷

۶۸۔ پیرزادہ ۔ص ۔ ۱۴۹

Tavernier, p.324. ۶۹۔

۷۰۔ EI-I. میں خاتمہ پر دیکھئے۔

۷۱۔ سٹر ما ایس آر ۔ ص ۔ ۲۷ ۔

۷۲۔

Felix, P.: Mughal Seals. In: JPHS 5, 1916, pp.110-111 Terry, p.447. Pietro della Valle, p.1.

۷۳۔ ایک خصوصی مہر دیکھئے، آئین، I ۔ص ۔ ۴۸

Doerfer, G., ii, p.148.

Monserrate, p.209.

۷۴۔

۷۵۔ مآثر الامراء I، ص ۷۸۵

۷۶۔ توزک، I، ص ۱۸ ؛ ٹامس رو، ص ۹۷

۷۷۔ توزک، II، ص ۱۸ - ۱۹

۷۸۔ لاہوری - ص - ۱۳۸

۷۹۔ صالح - I - ص - ۲۷۹

۸۰۔

Ibn Hasan: The Central Structure of the Mughal Empire London 1936, p.102.

۸۱۔ یہ مہر منصبداری کی تقرری، جاگیر کی عطائیگی ورسیورغل کی بخشش سے کاغذات پر لگائی جاتی تھی حوالے کیلئے دیکھئے۔

آئین، I، ص ۴۸

۸۲۔ آئین، I، ص ۴۸

۸۳۔ وزیرانصاف وندہبی امور وشاہی خیرات کی تقسیم کا انتظام کرنے والا

۸۴۔ یہ مغل دربار کا سب سے اعلیٰ خطاب تھا

۸۵۔ استاد اور شہزادوں کی تعلیم وتربیت کی دیکھ بھال کرنے والا

۸۶۔ آئین، I، ص ۴۷ - ۴۸

Ibn Hasan, pp.94-95. Monserrate, p.209.

۸۷۔ التمغہ، یا سرخ مہر۔ منگولوں میں یہ مہر سرکاری کاغذت پر لگائی جاتی تھی حوالے کے لئے دیکھئے۔

Juwaini, Ata-Malik: The History of the World Conquerer. Translated by A.J. Boyle. Manchester 1968, i.p.145.

۸۸۔ دیکھئے توزک، I، ص ۲۳۰ "میں نے حکم دیا کہ مہر لگانے کی جگہ کو صدائی

کرکے اس پر مہر لگائی جائے اور میں نے اس کا نام التون تمغا رکھا"

۸۹۔ Felix, p., p.118.

۹۰۔ Percy Brown: Indian Painting under the Mughals A.D. 1550 to A.D. 1750. Oxfòrd 1922, p.152.

۹۱۔ مامون (۸۱۳ – ۸۳۳) نے عباسی جھنڈے کا رنگ سیاہ سے تبدیل کرکے سبز کر دیا اس تبدیلی کی وجہ یہ تھی کہ اس نے اپنے بعد علی رضاؒ (وفات ۸۱۸) کو اپنا جانشین نامزد کیا تھا جن کا تعلق اہلِ بیت سے تھا۔ علی رضاؒ پر تفصیل کے لئے مقالہ EI (2) میں

۹۲۔ Spuler, B.: Iran in fruh-islamischer Zeit. Wiesbaden 1953 pp. 348-49.

۹۳۔ دربار کے وقت یہ تخت کے نزدیک رکھے ہوتے تھے جبکہ شاہی جلوس میں یہ ہاتھی پر رکھے ہوتے تھے۔
حوالے کیلئے دیکھئے۔ آئین، ج ا ص ۱۱۸

۹۴۔ تومان کے معنی دس ہزار والے سردار کے ہیں اور تورغ، یاک کی دموں کے جھنڈے کو کہتے ہیں یہ منگول حکمران دس ہزار سواروں کے کمانڈر کو دیا کرتے تھے چار تورغ بھی، یاک کی دموں کا جھنڈا ہوتا تھا جو کہ شاید چار ہزار سواروں کے کمانڈر کو دیا جاتا تھا ہندوستان میں مغل حکمرانوں نے ان دو جھنڈوں کو صرف اپنے لئے مخصوص کر رکھا تھا اور بہت کم یہ شہزادوں یا امراء کو عطا کیا کرتے تھے۔ حوالے کیلئے دیکھئے۔
آئین ج ا ص ۔ ۴۶
اور محمد حسین آزاد دربارِ اکبری لاہور ۱۵۳۹ء ص ۔ ۱۳۹

۹۵۔ Qureshi, I.H.: Administration of the Mughal Empire. Karachi 1966, p.105.

۹۶۔ حوالے کیلئے: Peter Mundy, p.199.
جوان جھنڈوں کے بارے میں دلچسپ تفصیلات دیتا ہے" ہر جلوس میں مختلف قسم کے جھنڈوں، خاص خاص نشانات کے ساتھ ہوا کرتے تھے، جیسے ہاتھ، بڑی گیند، اژدہے کا سر یا عقاب"
مزید حوالوں کے لئے دیکھئے: Terry, p.364. Irvine. W.: The Army of the Indian Moghuls. London 1903. pp.32–33

۹۷۔ تفصیل کیلئے دیکھئے، توزک، I ص ۲۰۵، (اردو ترجمہ I ص ۳۴۴)
"میں نے بخشیوں کو حکم دیا کہ وہ احکام جن کی پابندی ضروری ہے امرائے سرحد سے نام جاری کریں، تاکہ اس کے بعد وہ ایسے امور کے مرتکب نہ ہوں کہ جو بادشاہوں کے لئے خاص ہیں ان میں سے اوّل یہ کہ وہ جھروکے میں نہ بیٹھیں، اپنے امراء اور مددگار سرداروں کو چوکی اور تسلیمات کی زحمت نہ دیں اور ہاتھیوں کو لڑائی میں نہ لائیں، سزا دیتے وقت کسی کو اندھا نہ کریں، اور نہ کسی کی ناک اور کان کاٹیں اور نہ کسی کو زبردستی مسلمان بنائیں نہ اپنے ملازمین کو خطاب دیں، اور شاہی ملازمین کو کورنش اور تسلیم بجا لانے کی زحمت نہ دیں، اور گانے والوں کو اس طرز پہ جس کا شاہی دربار میں معمول ہے، چوکی کی زحمت نہ دیں باہر نکلتے وقت نقارہ نہ بجوائیں اور لوگوں میں سے شاہی ملازمین کو یا اپنے ماتحت ملازموں کو اگر گھوڑا یا ہاتھی دیں تو ان کے کندھوں پر لگام یا آنکس رکھ کر ان سے آداب و تسلیمات ادا نہ کرائیں اور شاہی ملازموں کو اپنی سواری سے آگے آگے پیدل نہ لے جائیں، اگر شاہی ملازمین کو کچھ لکھیں تو اس پر مہر نہ لگائیں اور یہ وہ قوانین ہیں جو "آئینِ جہانگیری" کے نام سے موسوم کئے گئے ہیں"

دورِ حکومت میں عباسی حکمرانوں نے نوبت اور نقارخانہ کو صرف اپنے لئے مخصوص کر رکھا تھا، ہندوستان میں بھی سلاطینِ دہلی اسے شاہی استحقاق کے طور پر استعمال کرتے تھے: مزید حوالے کیلئے دیکھئے،

Busse, H.:Chalif und Grosskonig. Wiesbaden 1969, p.186.

۹۹- Tavernier, p.80

۱۰۰- Mathur, N.L.: Red Fort and the Mughal Life. Delhi 1964. P.12

۱۰۱- Irvine, W., p.30.

۱۰۲- توزک، II، ص۔ ۲۲۹

۱۰۳- Sarkar, p.133.

۱۰۴- ایضاً، ص۔ ۹۳

۱۰۵- مشرقی ممالک میں چیت یا چھتر، شاہی علامت کے طور پر استعمال ہوتا تھا قدیم ایران میں اسیری سارگون بادشاہوں کے زمانہ سے اسکا استعمال صرف حکمرانوں کے لئے تھا (Olmstead, A.T., p.64.)

اور یہ چھتر کہیں بھی بادشاہ جاتا تھا اس کے ساتھ ساتھ جاتا تھا یہاں تک کہ میدانِ جنگ میں بھی۔ Olmstead, A.T., p.283

ہندوستان میں بھی چھتر، شاہی علامت ہوا کرتا تھا چھتر کی شکل اور ڈیزائن مختلف ہوا کرتے تھے۔ چین کے راجہ کے پاس ایک پالکی ہوا کرتی تھی جس پر شاہی علامت کے طور پر چھتر لگا ہوا تھا۔ ہندوستان کے حکمرانوں کے خطابات میں سے ایک خطاب چھتراہی ہوا کرتا تھا،

حوالے کیلئے دیکھئے،

Balfour, E.: The cyclopaedia of India and Southern Asia, Graz 1967, iii, pp.897-99.

۱۰۶۔ آئین، III ص: ۴۵

۱۰۷۔ سرکار ص۔ ۱۳۳

۱۰۸۔ ایضاً۔ ص۔ ۶۲

۱۰۹۔ ایضاً ص۔ ۶۴۰

۱۱۰۔ نجیب اشرف ندوی: مقدمہ رقعاتِ عالمگیری، اعظم گڑھ (؟)
ص۔ ۳۹۱

۱۱۱۔ شیر کے شکار کیلئے۔ مزید تفصیلات کیلئے دیکھئے۔
Jairazbhoy, R.A.: Oriental Influence in Western Art. Bombay 1965, p.91.

۱۱۲۔ گلبدن بیگم۔ ص۔ ۹۲

۱۱۳۔ بدایونی۔ II ص۔ ۴۸

۱۱۴۔ Tavernier, p.111.

۱۱۵۔ Sharma, S.R., p.27

۱۱۶۔ نقاب، ہندوستان کی اعلیٰ طبقہ کی خواتین اسے چہرہ پر ڈالتی تھیں تاکہ اجنبی مردوں سے پردہ کیا جاسکے۔

۱۱۷۔ مغل بادشاہ کے سامنے بغیر نقاب کے آنا اور اسے آداب بجا لانا ایک روایت تھی اس کی بہت سی مثالیں مغل تاریخ میں بکھری ہوئی ہیں۔
حوالے کے لئے دیکھئے:
محمد حسین آزاد۔ ص۔ ۶۹۷

۱۱۸۔ گلبدن بیگم۔ ص۔ ۵۳۔

تیسرا باب

۱۔ مغل سلطنت کے شہری اور فوجی عہدیدار اور حکام منصبدار کہلاتے تھے۔

۲۔ ایک ایسے ہی موقع پر راجہ بہارمل جو ریاست امبر کا فرماں روا تھا اکبر سے ملا اور اپنی لڑکی کے ساتھ اکبر سے شادی کی پیشکش کی۔ ایک دوسرے موقع پر، سندھ کا حکمران جان بیگ، اکبر کے دربار میں نہیں آیا تو اکبر اس کی اس حرکت پر اتنا غصے ہوا کہ اس نے فوری طور پر اس کے خلاف ایک فوجی مہم بھیجی تاکہ اس کی خود مختاری کا خاتمہ ہو اور وہ دوبارہ سے بادشاہ کی اطاعت کا اقرار کرے۔

۳۔ Havell, E.B.: A Handbook of Agra and the Taj. Calcutta 1924, p.47.

۴۔ احدی وہ سپاہی تھے جو بلا واسطہ اکبر کے ماتحت تھے یہ اکبر کی اپنی انفرادی حیثیت میں خدمت کرتے تھے یہ ابتداء میں "یکے" کہلاتے تھے، بعد میں اکبر نے انہیں احدی کا خطاب دیا حوالے کیلئے دیکھئے:

آئین۔ I۔ ص۔ ۱۸۷

Bashir: Akbar, the Great Mughal. Lahore 1967, p.165.

۵۔ توزک، I۔ ص۔ ۲۴۲ ٹامس رو، ص۔ ۱۱

" یہ جگہ ایک بڑا دربار ہے جہاں ہر قسم کے لوگ آتے ہیں۔ بادشاہ اوپر جھروکہ میں بیٹھتا ہے، سفیر، بڑے لوگ اور رتبہ و مرتبہ کے اجنبی تخت کے برابر والے کٹہرے میں، جھروکہ کے نیچے ہوتے ہیں "

۶۔ دو سو سواروں کے سربراہ کو کہتے ہیں۔

۷۔ میر بخش، فوجی امور کا انچارج ہوا کرتا تھا اور اس حیثیت میں وہ بخشی اوّل کہلاتا تھا، اس کے دو مددگار، بخشی دوم و سوم کہلاتے تھے ان میں

سے پہلا شہزادوں، اور اعلیٰ عہدیداروں کے معاملات کی دیکھ بھال کرتا
جب کہ دوسرا دوسرے درجے کے افسروں کا، اور تیسرا سب سے نچلے درجے
کے عہدیداروں کا، حوالے کیلئے دیکھئے: Sharma, S.R.: Mughal Government and Administration Bombay 1951, p.46. Qureshi, I.H.: Administration of the Mughal Empire. Karachi 1966, p.78. Ibn Hassan: The Central Structure of the Mughal Empire. London 1936, p.210.

۸۔ صالح - I - ص ۲۴۴ – ۲۴۵

۹۔ منوچی، I - ص ۸۸ – ۸۹

۱۰۔ قواعدِ سلطنت شاہجہانی - ص - ۴۷
Elliot & Dowson, v, p. 122.

۱۱۔ منوچی - II - ص ۴۲۳

۱۲۔ Elliot & Dowson, y, p.121.

۱۳۔ Monserrate, p.211

۱۴۔ Manrique, p.163.

۱۵۔ Careri, G.: Indian Travels of Thevenot and Careri, Delhi 1967, p. 220.

۱۶۔ Manrique. p.163.
قدیم ایران میں بادشاہ کی خدمت میں ایک مگس ران رہا کرتا تھا حوالے کیلئے دیکھئے:
Olmstead, A.T., p.182.

۱۷۔ آئین، I ص - ۱۵۶ اُردو ترجمہ آئینِ اکبری، حصہ اوّل، مولوی محمد فدا علی طالب۔ لاہور (؟) ص - ۳۰۰

"جہاں پناہ نے ایک روز فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت جنت آشیانی نے کلاہِ خاص مجھ کو مرحمت فرمائی، میں نے ٹوپی کو اپنے سر پر رکھا۔ چونکہ ٹوپی بڑی تھی میں نے اس کو ہاتھ سے پکڑ کر مذکورہ بالا طریقے کے مطابق اظہارِ شکر

کیا بادشاہ کو یہ جدید روش پسند آئی اور حضرت نے اسی طریقہ پر کورنش تسلیم کے آداب مقرر فرمائے"

۱۸۔ آئین، I ص ۱۵۷ ، بدایونی ، II ص ۳۰۱ ۔ ۲۵۹

۱۹۔ اکبرنامہ III ص۔ ۲۷۲

۲۰۔ صالح ۔ I ص۔ ۲۵۸ لاہوری، I ۔ص ۱۱۰ ۔ ۱۱۲

۲۱۔ Manucci, i. p.88; Ovington, p.183.

۲۲۔ صالح ۔ I ص ۲۵۸

۲۳۔ آئین، I ص۔ ۱۵۶ ۔ ۱۵۷

قواعد سلطنتِ شاہجہانی ، ص۔ ۴۷

۲۴۔ ایضاً ، ص۔ ۴۸ ۔ ۴۹

۲۵۔ آئین، I ۔ص۔ ۱۵۷

اکبرنامہ، I ۔ص ۔ ۳۵۸

۲۶۔ ساسانی بادشاہوں کے دربار میں ، درباریوں کو تین جماعتوں میں تقسیم کیا جاتا تھا اوّل، پیدائش اور عہدے کے حساب سے ، دوم شاہی خاندان کے اراکین اور شاہی عہدیدار ، سوم کرتب دکھانے والے مسخرے اور موسیقار۔ حوالے کیلئے دیکھئے:

Girshman, R.: Iran.Harmondsworth 1954, p.312

نظام الملک نے سیاست نامہ میں بادشاہوں کو مشورہ دیا ہے کہ درباریوں کو مختلف جماعتوں میں تقسیم کرنا چاہیے مثلاً بادشاہ کے رشتہ دار امراء دوسرے عہدیدار اور ملازم، اگر تمام دربار ایک ہی جگہ جمع ہو جائیں تو پھر ادنیٰ و اعلیٰ کی کوئی تمیز باقی نہیں رہتی ہے حوالے کیلئے دیکھئے:

نظام الملک ۔ سیاست نامہ ، تہران (؟) ص ۱۸۲

۲۷۔ آئین، I ص ۔ ۱۵۷

قدیم ایران میں یہ دستور تھا کہ درباری بادشاہ کی موجودگی میں، اپنے ہاتھ آستینوں
میں چھپائے رکھتے تھے۔ یہ طریقہ اس وجہ سے اختیار کیا گیا تھا کہ سب سے بادشاہ
کے قتل کے امکانات ختم ہو جاتے تھے،
حوالے کیلئے دیکھئے: Olmstead, A.T., p.283.
مغل درباری دربار میں اپنے ہاتھ سینہ پر رکھ کر کھڑے ہوتے تھے یہ
اس بات کا اظہار تھا کہ وہ بادشاہ کے احکام کی تعمیل میں "آمادۂ خدمت" ہیں

۲۸- آئین، I، ص ۱۵۲

۲۹- قواعد سلطنت شاہجہانی۔ ص۔ ۴۷

Hawkins, p.115; Bernier, p.260; peter Mundy p.200; Manucci, ii, p.330

۳۰- قواعد سلطنت شاہجہانی۔ ص۔ ۴۹

۳۱- منوچی۔ I ص۔ ۸۷ – ۸۸

۳۲- Elliot & Dowson, ii, pp.534-35.

۳۳- اکبر نامہ، II۔ ص۔ ۳۸۴

۳۴- ٹامس رو۔ ص۔ ۳۰۴

۳۵- اورنگ زیب عالمگیر، رقعات عالمگیر، کانپور ۱۸۸۴ء
ص ۲۶ (انگریزی ترجمہ: جوزف ارلسی، کلکتہ ۱۸۹۸ء ص ۶۰)
"مرحمت خاں آج دربار میں شاہانہ لباس میں آیا اس کے لباس کا دامن اس
قدر لمبا تھا کہ اسکے پاؤں اس میں چھپ گئے تھے۔ اس وجہ سے ہم نے مرحمت خاں
کو حکم دیا کہ وہ اپنے دامن کو دو بٹیوں سے برابر تراش لے۔ ہمیں مرحمت خاں سے
کہنا چاہیے کہ وہ اپنے لباس کی لمبائی کو اس حد تک رکھے جس حد تک
کہ دربار کا قانون اجازت دیتا ہے"

۳۶- Tavernier, p.81.

۳۷- Athar Ali: The Mughal Nobility under Aurangzeb. London 1966, p.138.

۳۸۔ بدایونی، II ص۔ ۳۲۲

۳۹۔ قیمتی تحائف جو شہزادوں اور اپنے سے اعلیٰ رتبہ کے افراد کو دیئے جاتے تھے۔

۴۰۔ بابر کا دوسرا لڑکا۔

۴۱۔ Bayazid Bayat: Memoirs of Batzid (Bayazid). In: Allahabad Uniyersity Studies. Vol. vi. part i, 1930, p.108.

۴۲۔ اس کا خطاب خان خاناں تھا ہمایوں کا ممتاز جنرل تھا، اور اکبر کے ابتدائی عہد میں اس کا اتالیق، اور حکومت کا نگراں رہا۔

۴۳۔ جہاں گیر کا سب سے بڑا لڑکا۔

۴۴۔ توزک، I۔ ص۔ ۶۱

۴۵۔ شیواجی کا لڑکا، جو مشہور مرہٹہ سردار تھا،

۴۶۔ Elliot & Dowson, vii, p.340.

۴۷۔ قدیم ایران میں بادشاہ کے تخت پر بیٹھنے کی کوشش بغاوت کے مترادف سمجھی جاتی تھی حوالے کے لئے دیکھئے: Olmstead, A.T., p.283.

۴۸۔ Sarkar, p.73; Manrique, p.163.

۴۹۔ Peter Mundy, p.204.

۵۰۔ توزک، I۔ ص ۲۹۵

۵۱۔ منوچی۔ I۔ ص ۸۸

۵۲۔ توزک۔ I۔ ص۔ ۲۷۷

۵۳۔ منوچی۔ III۔ ص ۲۵۵ بادشاہ چونکہ خود کو دوسرے افراد کے مقابلہ میں اعلیٰ و برتر سمجھتے تھے اس لئے وہ تکلیف یا جسمانی کمزوری کے وقت اسے برداشت کرتے تھے اور اس کا اظہار دوسروں کے سامنے نہیں کرتے تھے۔ تاکہ ان کی شخصیت کی کمزوری ظاہر نہ ہو۔

اس سلسلہ میں بازنطینی حکمرانوں کے لئے دیکھئے:

Peter Arnat: The Byzantines and their World. London 1973, p.199.

بازنطینی حکمران، مائیکل چہارم جس پر دورے پڑا کرتے تھے، جب تخت پر بیٹھتا تھا تو ارغوانی پردے اس پر پڑے رہتے تھے۔ جب اسے دربار میں دورہ پڑتا تو، پردے کھینچ دیئے جاتے تھے اور دورہ کے خاتمہ پر دوبارہ انہیں ہٹا دیا جاتا تھا۔

Sarkar pp.73-74 ۵۴-

Manucci, ii, p.461. ۵۵-

Elliot & Dowson, v, p.122. ۵۶-

Ibn Hassan, p.282 ۵۷-

۵۸- قواعدِ سلطنتِ شاہجہانی ص۔ ۴۸

۵۹- نجیب اشرف ندوی: مقدمہ رقعاتِ عالمگیری، اعظم گڑھ (؟) ص۔ ۱۱۷۔

Elliot & Dowson, v.p.122 Manucci, ii, p.444.

۶۰- آئین۔ I ۔ص ۱۹۲ - ۱۹۳

۶۱- ایضاً۔ ص۔ ۱۹۲ - ۱۹۳

Foster, W., p.55 ۶۲-

Monserrate, p.205. ۶۳- تفصیل کے لئے دیکھئے:

"وہ ہر اس بات کو لکھتے ہیں جو بادشاہ کہتا ہے اور اسقدر تیزی سے لکھتے ہوئے ہر جملہ کو لکھتے ہیں کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ادا ہونے سے پہلے ہی اس کو سمجھ کر تحریر کر لیتے ہیں، اس سے پہلے کہ وہ بولا جائے اور گم ہو جائے"

مزید حوالوں کے لئے دیکھئے: چہار چمن، ۱۲۷ - ۱۳۱

Hawkins, p.400; Thevenot, p.26.

۶۴۔ Roe p.209.

۶۵۔ Bernier, pp.146-47.

۶۶۔ خافی خاں: II۔ ص۔ ۱۲۶ — ۱۲۷

۶۷۔ اکبرنامہ۔ II ص۔ ۱۸۸ — ۲۶۲ — ۲۹۵ — ۳۵۸
III۔ ص۔ ۷۲۱

Monserrate, pp.28, 37, 50, 64, 133-34.

۶۸۔ ۱۶۶۱ء میں ایرانی سفیر عالمگیر کے دربار میں آیا اور اپنے ایرانی طریقہ سے بادشاہ کو آداب کیا، حوالے کیلئے دیکھئے: منوچی۔ II۔ ص۔ ۴۸ — ۵۰

۶۹۔ اکبرنامہ، II۔ ص ۱۸۸

۷۰۔ برنیر۔ ص۔ ۱۱۸

۷۱۔ ایضاً۔ ص۔ ۱۱۹

۷۲۔ خافی خاں۔ III۔ ص۔ ۱۲۶ — ۱۲۷

۷۳۔ برنیر۔ ص۔ ۱۴۸
منوچی۔ II۔ ص۔ ۴۸

۷۴۔ برنیر۔ ص۔ ۱۲۰

۷۵۔ شاہ عباس صفوی کا سفیر جب مغل دربار میں آیا تو اس نے یہ رُباعی پڑھی:
زنگی بہ سپاہ و خیل و لشکر نازد — رومی بہ سنان و تیغ و خنجر نازد
اکبر بہ خزینہ پر از زر نازد — عباس بہ ذوالفقار حیدر نازد
اس کے جواب میں، ملک الشعراء فیضی نے فوراً یہ رباعی پڑھی:
فردوس بہ سلسبیل و کوثر نازد — دریا بہ گہر، فلک بہ اختر نازد
عباس بہ ذوالفقار حیدر نازد — کونین بہ ذات پاک اکبر نازد
حوالے کے لئے دیکھئے:

Cf. Ghani, A.: A History of Persian Language

and Literature at the Mughal Court. Allahabad 1929, iii p.64.

۷۶- Roe, p.295.

۷۷- ایضاً ۔ص۔ ۲۹۶

۷۸- ایضاً ۔ص ۔ ۲۰۲ — ۲۰۳

۷۹- توزک، I ۔ص ۔ ۲۴۸ — ۲۴۹

۸۰- منوچی ۔ II ۔ص ۔ ۴۸ — ۵۱

بادشاہ اور سفیر کے درمیان جن تحائف کا تبادلہ ہوتا تھا اس میں زیورات، زرلفت اسلحہ، خوشبوئیں، گھوڑے، غلام، قیمتی پتھر، اور ان کے اپنے ملکوں کی خاص خاص چیزیں ہوا کرتی تھیں۔ صفوی حکمران، مغل دربار کو جو تحائف بھیجا کرتے تھے ان میں عربی و عراقی گھوڑے، ہوا کرتے تھے، مغل حکمران، ایران کے دربار کو ہاتھی، چیتے، تیندوے، ہرن، گینڈے، طوطے اور سمندری گھوڑے بھیجا کرتے تھے۔ حوالے کیلئے: EI ۔ ۲ میں مقالہ "ہبہ"

۸۱- اکبرنامہ ۔ III ۔ص۔ ۴۸۶

۸۲- توزک ۔ I ۔ص ۔ ۱۰

۸۳- ایضاً ۔ ص۔ ۱۳

۸۴- ایضاً ۔ ص ۔ ۲۷۷

۸۵- آئین، I ۔ص۔ ۲

۸۶- ایضاً، ص ۲ — ۳

۸۷- توزک، II ۔ص ۔ ۱۴

Roe, pp.107-8: Bernier, p.360.

۸۸- ۱۶۶۲ء میں عالمگیر سخت بیمار ہوگیا اور اس کی وجہ سے دربار میں نہیں آسکا اسنے پورے ملک میں بے چینی و غیر یقینی کی کیفیت پیدا کردی بادشاہ پر سخت بیماری کا

حمد ہوا اور اس کی پسلیوں میں سخت تکلیف ہوگئی، جسکی وجہ سے لوگوں میں خوف
پیدا ہوگیا لیکن اسنے اپنی بیماری پر قابو پانے کی کوشش کی، اور دربار میں حسبِ معمول
اپنی نشست پر بیٹھا اور سلطنت کے معاملات میں خود کو مشغول رکھا جس سے
لوگوں میں غیر یقینی کی کیفیت ختم ہوگئی، لیکن اس کی بیماری بڑھ گئی اور اس پر
غشی کے دورے پڑنے لگے جسکی وجہ سے اس کے ہوش و حواس جاتے رہے
اور باہر بڑی تشویشناک افواہیں پھیلنے لگیں دس بارہ روز تک فوج اور
کیمپ میں افراتفری رہی۔ خدا کی مہربانی سے اس کے بعد اس کی حالت بہتر ہونی
شروع ہوئی، اور اس نے کبھی کبھی دربار میں عوام کے سامنے آنا شروع
کردیا"

حوالے کیلئے دیکھئے:

Elliot & Dowson, vii pp.382-83.

۸۹۔ یہ وزیر کے برابر ہوا کرتا تھا اور تمام انتظامِ سلطنت کا ذمہ دار تھا
خصوصیت کے ساتھ، مالی انتظامات کا۔

۹۰۔ یہ شاہی خاندان اور حرم کا انچارج ہوا کرتا تھا۔

۹۱۔ یہ ہندی کا لفظ ہے، جس کے معنی "دیکھنے" کے ہیں ہندوستان میں عوام کا یہ عقیدہ
تھا کسی درگاہ، یا پاک مقام کی زیارت یا درشن سے، یا کسی اعلیٰ ہستی و شخصیت کے
درشن سے سارا دن خوشگوار گذرتا ہے حوالے کیلئے دیکھئے:

اکبرنامہ: III - ص - ۲۵۶ - ۲۵۷

لاہوری I - ص - ۱۴۳ - ۱۴۴

صالح - I - ص - ۲۶۲ - ۲۶۳

De-Laet, pp.92-93, 97.

Hawkins, p.115,

۹۲۔ دیکھئے بدایونی، II - ص ۳۲۶

"ادنیٰ و کمتر لوگ جو دولت خانہ میں نہیں آسکتے تھے، وہ سورج کے طلوع ہونے کے بعد جھروکے کے نیچے جمع ہو جاتے تھے، اور جب تک کہ وہ مقدس بادشاہ کا چہرہ نہیں دیکھ لیتے تھے، وہ کچھ کھاتے پیتے نہیں تھے"

مزید تفصیل کیلئے دیکھئے:

لاہوری، I - ص - ۱۴۳ - ۱۴۴

"یہ ادارہ حضرت عرش آشیانی (اکبر) کی ایجاد تھا اسے اعلیٰ حضرت (شاہجہاں) نے بھی جاری رکھا تاکہ رعیت بادشاہ کو کام شروع کرنے سے پہلے دیکھ کر برکت حاصل کرے، مزدور، مند اور مظلوم لوگ بغیر کسی رکاوٹ، اور تکلف کے اپنی تکالیف کا مداوا کر سکیں، اور انصاف حاصل کریں۔"

۹۳۔ اکبرنامہ، III ص - ۲۵۶ - ۲۵۷

۹۴۔ آئین، I - ص - ۱۵۵

ابنِ حسن، ص - ۶۶ - ۷۰

۹۵۔ قواعد سلطنتِ شاہجہانی - ص - ۴۵

جھروکہ درشن کی بالکونیاں، دہلی، آگرہ اور لاہور میں تھیں سفر کے دوران کیمپ میں بھی عارضی طور پر بالکونی بنائی جاتی تھی۔

۹۶۔ صالح - I - ص - ۱۴۳

۹۷۔ قواعد سلطنتِ شاہجہانی - ص ۴۵ Manrique, pp.269-70.

۹۸ ابنِ حسن - ص ۶۹

۹۹۔ صوبہ میں میر ساماں کی نمائندگی کرتا تھا، یہ سڑکوں، شاہی عمارتوں اور کارخانہ جات کی تعمیر و نگہداشت کرتا تھا۔

۱۰۰۔ یہ شاہی توپ خانہ کا انچارج ہوتا تھا

۱۰۱۔ توپ خانہ کا اکاونٹنٹ،

۱۰۲ Ogilby, p.161.

١٠١- لاہوری، I - ص - ١٤٦ - ١٤٨

ابوالفضل اسکے لئے دولت خانہ کی اصطلاح استعمال کرتا ہے، شاہجہاں اسے
دولت خانہ خاص کہا کرتا تھا، اسے خلوت خانہ بھی کہا جاتا تھا۔

١٠٤- Peter Mundy, p.201.

١٠٥- قواعد سلطنت شاہجہانی - ص - ٥٨
صالح - I - ص - ٤٩ - ٥٠ - ٢٤٦
چہار چمن - ص - ١١ - ٢٣
لاہوری، I - ص - ١٤٦ - ١٥٣
ابو حسن - ص - ٧٥ - ٨٢ - ٨٤
Saksena, B.P.: History of Shah Jahan of Dilhi. Allahabad 1932, pp.241,43.

١٠٦- خافی خاں - II - ص - ٢١٣

١٠٧- کلمات طیبات - ص - ١٠٩٦ - ١١٠٦
رقعات عالمگیری، (کانپور) ص - ٦ - ٧
Sarkar, J.: Studies in Mughal India. Calcutta 1933, p.31.

١٠٨- منوچی - II - ص - ٣٣٢

چوتھا باب

۱۔ اکبر نامہ۔ III ۔ ص۔ ۴۳
۲۔ ادنیٰ رتبہ کے شخص کا اعلیٰ رتبہ کیلئے تحفہ۔
۳۔ قیمتی تحائف، جو بادشاہ کو اظہارِ وفاداری کے طور پر دیئے جاتے تھے۔
۴۔ توزک۔ I ۔ ص۔ ۵۰
۵۔ ہخا منشی عہد میں سرکاری سال نوروز سے شروع ہوتا تھا عہدِ ساسان میں نوروز دعوتوں کے ساتھ منایا جاتا تھا۔ مسلمانوں میں سب سے پہلے نوروز کی ابتداء عباسیوں کے دورِ حکومت میں ہوئی یہاں سے دوسرے مسلمان حکمرانوں کے دربار میں پہونچا۔ حوالے کیلئے دیکھئے۔
ابوریحان البیرونی، آثار الباقیہ (انگریزی ترجمہ) فرنیکفرٹ ۱۹۶۹ء ص۔ ۱۹۹ — ۲۰۴۔
۶۔ آئین ۔ I ۔ ص۔ ۲۰۰ "جب آفتاب سال کا دورہ تمام کر کے برج حمل میں داخل ہوتا اور اپنی برکات سے اہلِ عالم کو مستفید کرتا تو انیس روز کامل عیش ونشاط کی ہنگامہ آرائی ہوتی ہے جس زمانہ میں دو روز عید کا تہوار منایا جاتا ہے اور بے شمار نقد و طرح طرح کی اشیاء بطور صدقے و ہدیئے کے تقسیم کی جاتی ہیں، یکم فروردین اور انیس فروردین جو یوم شرف ہیں، عید کیلئے مخصوص ہیں۔
نوروز کے جشن کیلئے مزید تفصیل کیلئے دیکھئے:
اکبر نامہ۔ III ص۔ ۳۷۸ ۔ ۳۷۹
بدایونی۔ II ص۔ ۱۶۲ ۔ ۲۶۱ ۔ ۳۳۸
توزک۔ I ص۔ ۴۸ ۔ ۸۵ ۔ ۱۳۸ ۔ ۱۵۴ ۔ ۱۶۵ ۔ ۱۹۱ ۔ ۲۰۶ ۔ ۲۳۵ ۔ ۲۵۹ ۔ ۲۸۰ ۔ ۳۱۶ ۔ ۳۷۰

لاہوری - I - ص - ۱۷۷ - ۲۵۶ - ۲۹۷ - ۳۶۲ - ۴۱۸ - ۴۷۳
مستعد: ص ۱۶۲
مونسیراٹ: ۱۷۶
ایضاً ۱۴۳
پیٹر منڈی ۲۳۸
۷- مان رتی - ۱۹۴
۸- مونسیراٹ - ۱۷۵
۹- ملا عبدالباقی نہاوندی: ص ۸۸۳
۱۰- توزک - I - ص - ۴۹
۱۱- بدایونی - II - ص - ۳۲۱
۱۲- Thevenot ص - ۵۰
۱۳- توزک - I - ص - ۴۹
۱۴- لاہوری - I ص - ۱۸۶ - ۱۸۸ - صالح - I - ص - ۲۸۲ - ۲۸۳
۱۵- بختاور خاں: مرآۃ عالم - برٹش میوزیم ADD ۵۷ ۶۷ ص ۳۸۵
کاظم: ص - ۳۹۰ - ۳۹۱ -
ایلیٹ اینڈ ڈاؤسن - VII - ص - ۲۴۱
۱۶- رقعاتِ عالمگیری (انگریزی ترجمہ - جوسف ادلنر) کلکتہ ۱۷۸۸ء ص ۱۲
۱۷- بدایونی - II - ص - ۸۴
۱۸- توزک - I - ص - ۱۶
۱۹- Tavernier - ص - ۴۷
Thevenot - ص - ۲۰۶
۲۰- آئین - I - ص - ۱۹۸
اکبرنامہ - III - ص - ۳۹۲ - ۳۹۳
توزک: I - ص - ۳ - ۳۳۲

۲۱- ایضاً - ص - ۸۸

۲۲- Thevenot - ص - ۴۷

۲۳- Terry - ص - ۳۲۸

۲۴- توزک ج ۱- ص ۸۹

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے ٹامس رو : ص - ۴۱۱ - ۴۱۲

رو نے جہانگیر کی وزن کی تقریب جو ۱۶۱۶ء میں منعقد ہوئی تھی اس کی دلچسپ تفصیل لکھی ہے ؛

"تمام امراء حاضر تھے اور ایک قالین پر بیٹھے ہوئے تھے کہ (انتظار کے بعد) بادشاہ برآمد ہوا وہ شاہی لباس میں ملبوس تھا یا یوں کہنا چاہیئے کہ وہ ہیروں، موتیوں، یاقوتوں اور دوسرے قیمتی پتھروں سے لدا ہوا تھا۔ یہ نظارہ بڑا عظیم اور پر جلال تھا... اچانک وہ ترازو میں داخل ہوا ... اور اس کے مخالف پلڑے میں روپیوں کی تھیلیاں وزن کے لئے رکھی گئیں جو چھ مرتبہ تبدیل ہوئیں لوگ کہتے ہیں کہ وہ چاندی تھی... اس کے بعد سونا ہیرے اور قیمتی پتھر... اس کے بعد سونے کے تاروں سے بنا ہوا کپڑا، سلک ململ، مصالحہ، اور دوسری اشیاء... آخر میں کھانے کی چیزیں جیسے مکھن اور اناج ... "

۲۵- ایضاً - ص - ۲۵۷ - ۴۱۳

Marique -ص- ۲۰۳ Ogilby ص - ۱۹۶

۲۶- Manrique -ص- ۲۰۳

۲۷- Thevenot -ص - ۵۰ - Roe -ص- ۴۱۳

۲۸- Roe. - ص ۲۵۲ - ۲۵۳ Thevenot -ص - ۴۷

Tavernier - ص - ۳۰۷ - ۳۰۸

۲۹- Manrique -ص- ۲۰۱

۳۰- ایضاً - ص ۲۰۱ - ۲۰۴ Tavernier -ص - ۳۰۲ - ۳۰۳

۳۱۔ آئین ۔ I ۔ص ۔ ۱۹۷

۳۲۔ ایضاً ۔ ص ۔ ۲۰۲

۳۳ ۔ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا۔ IV ۔ص ۔ ۸۸ ۔ ۸۹

۳۴ ۔ نجیب اشرف ندوی : مقدمہ رقعات عالمگیری اعظم گڑھ (؟)
ص ۔ ۳۹۱

۳۵۔ وہ شخص جو شاہی کبوتروں، بازوں، اور عقابوں کا انچارج ہوتا تھا

۳۶ ۔ لڑائی وجنگ لڑنے والے۔

۳۷۔ آئین ۔ I ص ۲۰۴

۳۸ ۔ اکبر نامہ ۔ III ۔ص ۔ ۶۰۰ ۔ توزک ۔ I ۔ ۱۹۲ ۔ ۱۳۰
معتمد ۔ص ۔ ۵۸ ۔ ۵۹ ۔ ۲۶۵ ۔ ۲۷۹

۳۹۔ Monserrate ۔ص ۔ ۷۷

۴۰۔ Tavernier ۔ص ۔ ۳۱۲

۴۱۔ Ogilby ۔ص ۔ ۱۲۸
ایلیٹ اینڈ ڈاؤسن ۔ V ۔ص ۔ ۲۷۲

۴۲۔ توزک ۔ I ۔ص ۔ ۸۳ ۔ ۱۰۳ ۔ ۱۲۰ ۔ ۱۲۲ ۔ ۱۲۵ ۔ ۱۲۹
۲۰۳ ۔ ۲۰۴
قواعد سلطنتِ شاہجہانی ۔ص ۔ ۷۴
اکبر نامہ ۔ III ۔ص ۔ ۲۴۱
معتمد ۔ص ۔ ۳۰ ۔ مستعد : ص ۔ ۳۸
Manucci ۔ I ۔ ص ۔ ۱۹۱ ۔ Ogilby ۔ص ۔ ۱۲۸
Bernier ص ۔ ۳۷۸ ۔ ۳۷۹ W.Foster ص ۔ ۱۵۴

۴۳۔ بدایونی ۔ II ۔ص ۔ ۹۲
اکبر کے اس مشہور شکار کی ایک خوبصورت تصویر ہے، جس کا خاکہ "مسکین" نے تیار کیا تھا اور رنگ بھرنے والا "سروق" تھا۔

۴۴ - قواعد سلطنتِ شاہجہانی - ص - ۴۷

Roe - ص - ۲۰۲ - Terry - ص - ۲۰۲ - ۲۰۳

Tavernier - ص - ۳۱۲ Ogilby - ص - ۱۲۹

Bernier - ص - ۳۷۸ - ۳۷۹ - ۳۸۱

۴۵ - I-Manucci - ص - ۱۹۱ - ۱۹۲

۴۶ - Ogilby - ص - ۱۲۹ Bernier - ص - ۲۷۸ - ۲۷۹

I-Manucci ص ۱۹۱ - ۱۹۲

۴۷ - Moorserrate - ص - ۹۱ De-laet - ص - ۹۷

W.Foster - ص - ۲۴۷ Hawkins - ص - ۱۰۶-۱۰۸

Peter Mundy - ص - ۱۲۷ -

Bernier - ص - ۳۷۶ - ۳۷۷

۴۸ - آئین - I ص - ۱۳۶

Peter Mundy - ص - ۱۲۷

۴۹ Maulwi Nur Bakhsh: A Historic Elephant Fight. In: JPHS 2. 1913-14, pp.53-54.

۵۰ - Peter Mundy - ص - ۱۲۷

۵۱ - آئین - I - ص - ۱۳۹

۵۲ - ایضاً - ص - ۱۳۹

۵۳ - منوچی - II - ص - ۳۶۴

۵۴ - اکبرنامہ، III ص - ۱۷۳ - آئین - I - ص - ۲۱۴

۵۵ - ایضاً - ص - ۲۱۴ - ۲۱۵ - اکبرنامہ III ص - ۲۳۶ - ۲۷۲

۵۶ - آئین - I - ص - ۲۱۵

بدایونی II ص - ۸۴

۵۷ - آئین - I - ص - ۲۱۵

۵۸۔ حوالے کے لئے دیکھئے:
تزک ۔ I ۔ ص۔ ۲۶۷ – ۲۶۸

۵۹۔ Bernier, p.371.

۶۰۔ قواعد سلطنت شاہجہانی ۔ ص۔ ۶۷ – ۶۸

Manucci, ii, pp.71-72.

۶۱۔ Peter Mundy,
Tavernier, p.308. Ovington, pp.194-97.

۶۲۔ Tavernier, p.311.

۶۳۔ Percy, B.: Indian Painting under the Mughals. Oxford 1924, plate No.xxxi

۶۴۔ ایضاً ۔ ص۔ ۱۳۰ ۔

۶۵۔ Peter Mundy, pp.193-94.

۶۶۔ ہاتھی یا اونٹ کی پشت پر رکھی ہوئی نشست کو ہودہ کہتے تھے۔

۶۷۔ Monserrate: p.79.

۱۶۳۶ء میں، شاہجہاں کے ایک جلوس کے بارے میں دیکھئے۔

Ogilby, pp.160-61.

"بادشاہ خرم آگرہ سے لاہور تک معہ اپنے پورے دربار کے گیا اس کا جلوس اس ترتیب کے ساتھ تھا: سب سے پہلے، اس کا وزیر آصف خاں تھا جو پانچ ہزار سواروں کا کمانڈر تھا یہ ایک ہتھنی پر چاندی کے پتروں سے مزین ہودے پر بیٹھا ہوا تھا اس کے بعد آغا خاں خواجہ سرا تھا جو آگرہ کا گورنر تھا یہ بھی اسی طرح ہتھنی پر بیٹھا ہوا تھا اس کے ساتھ چار ہزار گھڑ سوار اور بہت سے پیدل سپاہی تھے ... اس کے بعد بادشاہ کے جلوس، کثیر تعداد میں گھڑ سوار اور پیدل سپاہی تھے بادشاہ سونے کے بنے ہوئے ہودے میں تھا جو ایک ہاتھی کی پشت پر رکھا تھا، جس میں اس کے ساتھ اس کا بڑا لڑکا مراد بخش (؟) بیٹھا ہوا تھا ... جو بادشاہ کے

مگس رانی کر رہا تھا۔ ۔ ۔ اس کے چاروں طرف امراء گھوڑوں پر سوار
تھے ... اس کے بعد تیس ہاتھی تھے جو بادشاہ کے نقارے، نفیریاں
اور موسیقی لئے ہوئے تھے "

پانچواں باب

۱۔ تفصیل کے لئے دیکھئے، راقم الحروف کا مضمون "مسلمان حکمرانوں کے خطابات"
المعارف، فروری ۱۹۸۰ء ص۔ ۳۳ — ۴۴

۲۔ خلیفہ رسول اللہ سے ابتدائی اسلامی معاشرے کی سادگی کا اندازہ ہوتا ہے کہ ان کیلئے رسولؐ کی ذات ہدایت کا سرچشمہ تھی اور مسلمان حکمران ان کا نائب بن کر ان کی خدمت کرتا تھا خلیفہ سے اس وقت، جانشینِ رسول اللہؐ کا مطلب نکلتا تھا۔

۳۔ امیر المومنین، کا خطاب بھی نیا نہیں تھا، سعد بن ابی وقاصؓ کو فوج کے کمانڈر ہونیکی حیثیت سے امیر المومنین کہا جاتا تھا حضرت عمرؓ کے بعد یہ خطاب مسلمان حکمرانوں میں رائج ہُوا۔

۴۔ خلیفہ کو "امام" کے خطاب سے بھی پکارا جاتا تھا۔ اگرچہ بعد میں شیعہ تصور میں امام کا مطلب بالکل بدل گیا، یہ تینوں خطاب، تین تصورات کی نمائندگی کرتے تھے۔
خلیفہ، جانشین رسول اللہؐ: امیر المومنین جنگی و انتظامی معاملات کی سربراہی۔ اور امام، مذہبی و دینی امور میں راہنمائی کو ظاہر کرتا ہے۔

۵۔ ابتدائی خود مختار مسلمان حکمران مثلاً طاہری، صفاری سامانی اور ابتدائی غزنوی حکمرانوں نے اس خطاب کو اختیار کیا،

۶۔ مسلمان حکمرانوں کے خطابات ص۔ ۳۸ — ۳۹

۷۔ "دولہ" کے معنی ریاست اور سلطنت کے ہیں اس خطاب سے سیاسی طاقت کا اظہار ہوتا تھا، عباسی خلافت کی کمزوری کے دنوں میں

یہ سیاسی طاقت اس کے وزیر یا خود مختار صوبائی عاملوں و حکمرانوں سے ہاتھ آگئی اس لیئے انہوں نے "دولہ" والے خطابات اختیار کیئے۔

۸۔ مسلمان حکمرانوں کے خطابات، ص ۳۹

۹۔ ایضاً ۔ ص ۔ ۴۰

۱۰۔ ایضاً ص ۔ ۴۰

۱۱۔ Vambery, A.:
A History of Bokhara. London 1873. Repr. New York 1973, p.167.

۱۲۔ خاں کا لفظ 'کاغان (عربی خاقان) سے نکلا ہوا ہے، یہ ترک غز، اور توغز اُوغز حکمرانوں کا خطاب تھا حوالے کیلئے دیکھیئے:

Al-Biruni: The Chronology of Ancient Nations, tr. by Sachau, C.E. Frankfurt 1967, p.109.

ہندوستان میں سلاطینِ دہلی اور مغل بادشاہ، خاں کا خطاب اپنے امراء کو دیا کرتے تھے۔

عرش آشیان اکبر سے زمانے تک خان سے خطاب یا اصل نام میں لفظ "خان" سے اضافہ کی مثالیں کم ہی ملتی ہیں اس وقت تک شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والے "مرزا" کا لفظ نام سے پہلے یا نام کے بعد لگاتے تھے۔ اور کاغذات میں اسی طرح لکھا جاتا تھا دوسرے امراء کے مقابلہ میں یہ ایک امتیاز سمجھا جاتا تھا ہندوستان میں پٹھانوں کے اقتدار کے خاتمہ کے بعد بھی بعض لوگ بطور تفاخر اپنے نام کیساتھ "خان" کا لفظ استعمال کرتے رہے، جس سے ساتھ بادشاہی منصب بھی منسلک رہتا تھا، اکبر نے اپنے بیشتر مقرب آدمیوں کو "خان" کا خطاب دیکر ان کو دوسروں پر امتیاز بخشا اور حکم دے دیا کہ پٹھان بجز اس کے کہ بادشاہ کی طرف سے ان کو "خان" کا خطاب دیا جائے اپنے نام کیساتھ یہ لفظ استعمال نہ کریں دربارِ اکبری میں شیخ فیضی، شیخ ابوالفضل، اور امیر غازہ وغیرہ صاحبانِ فضل و کمال موجود تھے مگر ان کو بھی باوجود

اس اعتماد اور قرب سے "خان" کا خطاب نہیں ملتا تھا... بعد میں
خاص طور سے صاحبقران ثانی شاہجہاں بادشاہ کے عہد میں "خان" کے خطاب
کا بہت رواج ہوگیا تھا"

خانی خاں، I، ص۔ ۲۵۴ سے ۲۵۵

۱۳۔ میرزا، ایرانی خطاب "میرزادہ" (پیدائشی شہزادہ) سے نکلا ہے۔

۱۴۔ بابر نامہ ص۔ ۳۴۴

۱۵۔ Ghani,
A.M.: A History of Persian Language and Literature at the Mughal Court. Allahabad 1929, i, pp.4, 146-48.

"دین" پر ختم ہونے والے خطاب پر مزید تفصیل کیلئے دیکھئے:

Ibn Khaldun: Mugaddimah (tr. by F.Roaenthal). New York 1958, i, p.469. Kramera, J.H.: Le noms musalmans composes avec Din. In: Acta Orientalia. 5. 1926-27, pp.53-67, Dietrich, A.: Zu den mit ad-din zusammenge-setzen islamischen personennamen. In· ZDMG 110. 1960, pp.43-54.

۱۶۔ توزک، I، ص۔ ۳

۱۷۔ صاحب قران امیر تیمور کا خطاب تھا۔ شاہجہاں نے اپنی فتوحات کی
خوشی میں امیر تیمور کی روایات کی پابندی کرتے ہوئے یہ خطاب اختیار کیا

۱۸۔ صالح I ص ۲۵۹ .

۱۹۔ کاظم، ص۔ ۳۶۷

۲۰۔ نجیب اشرف ندوی: مقدمہ رقعات عالمگیری، اعظم گڑھ (؟)
ص۔ ۱۹

۲۱۔ "سلطان" کا لفظ قرآن شریف میں دلیل یا طاقت کے معنوں میں آیا ہے
حدیث میں بھی انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اس لئے یہ خطاب ابتدا میں
حکمرانوں اور وزیروں نے اختیار کیا، جعفر برمکی، عہدِ عباسیہ کے مشہور

وزیر کو، سلطان کہا جاتا تھا۔ محمود غزنوی اگرچہ خود کو سلطان کہتا تھا مگر یہ خطاب اسے خلیفہ کی جانب سے نہیں ملا تھا۔ خلیفہ نے سب سے پہلے یہ خطاب سلجوقی حکمران کو دیا، (تفصیل سے لئے دیکھیے۔ مسلمان حکمرانوں کے خطابات ص۔ ۱۲) مغل بادشاہوں نے یہ خطاب، شہزادوں کو دینا شروع کیا جو آخری عہد میں "سلاطین" ہوگیا۔

۲۲۔ مستعد خاں۔ ص ۲۱۳

۲۳۔ حضرت مریم کی طرح پاکیزہ، اور پرہیزگار، نیکیوں والی۔

۲۴۔ اپنے وقت مریم۔ حضرت مریم کی طرح پاکیزہ

۲۵۔ ملکہ صبا کیطرح پُر وقار۔

۲۶۔ اس پر راقم الحروف کا مضمون دیکھیے: The titles of the Mughal Nobility. In: JPHS. July, 1980.

۲۷۔ توزک: I ، ص۔ ۱۸۷ — ۱۸۸

۲۸۔ ایضاً۔ I ، ص۔ ۱۴۴

۲۹۔ مآثر الامراء، I ، ص ۲۴۳

۳۰۔ ایضاً III ، ص۔ ۱۷

۳۰۔ ایضاً I ، ص، ۳۰۶

۳۲۔ ایضاً۔ II ۔ ص۔ ۷۰۶ — ۷۰۷

۳۳۔ توزک، I ص۔ ۱۱۱

۳۴۔ بابرنامہ، ص۔ ۵۳۷

۳۵۔ تورۂ چنگیزی، یا قانون چنگیزی، مغل بادشاہ ہمیشہ اس پر فخر کرتے تھے کہ وہ تورۂ چنگیزی پر عمل کرتے ہیں، درحقیقت دربار اور محفل میں نشست و برخاست اور آداب کے سلسلہ میں تورۂ چنگیزی پر عمل ہوتا رہا یا شاہی خاندان میں شادی بیاہ کی رسموں میں یا سماجی و معاشرتی معاملات میں۔

۳۶- مآثر الأمراء، I ص ۱۷۶۶

۳۷- آئین - I - ص - ۲۳۲

بدایونی، II ص ۱۷۰

توزک، I ص - ۲۶۰ - ۲۷۸

۳۸- تفصیل کیلئے دیکھئے: مآثر الأمراء III ص - ۳۰۲ - ۳۰۴

اکبرنامہ، III - ص - ۳۸۲

۳۹- مآثر الأمراء - I - ص - ۳۸۰

اکبرنامہ - III ص - ۳۸۳

۴۰- مآثر الأمراء، III - ص ۴۳۱

۴۱- ایضاً - II - ص ۲۱۰

P.Saran: The Provincial Government of the Mughals (1526-1558). Allahabad 1941, pp.144, 146.

۴۲- اکبرنامہ - III - ص ۲۲۷

بدایونی - II - ۳۱۰

مآثر الأمراء II ص - ۶۲۵

توزک - I - ص - ۱۵

۴۳- آئین - I - ص - ۱۱۳ - ۱۱۵

۴۴- ایضاً - I - ص - ۲۶۳ - ۲۶۴

معتمد، ص - ۳۰۸ - ۳۱۱

لاہوری، II ص - ۳۵۱

۴۵- توزک، II ص - ۹۸ - ۹۹

۴۶- آئین، I ص ۲۳۵

چھٹا باب

۱۔ بابرنامہ۔ ص۔ ۵۲۲

۲۔ توزک I ۔ص۔ ۴۳

Irvine, W.: The Army of the Indian Mughals. London 1903, p.34.

۳۔ توزک II ۔ ص۔ ۲۲۸

خافی خاں I ۔ص۔ ۳۰ ۔ ۴۳

Irvine, p.30. Sharma, S.R.: Mughal Government and Administration. Bombay 1951, pp.115-16.

۴۔ قدیم ایران میں مچھلی شاہی علامت ہوا کرتی تھی کہا جاتا ہے کہ اسے خسرو پرویز (۵۹۱ ـــ ۶۲۸ء) نے شروع کیا تھا۔

یہ ایک جھنڈے کی شکل میں ہوا کرتی تھی یعنی ایک لمبی لکڑی کے ڈنڈے پر تقریباً چار فٹ لمبی مچھلی ہوتی تھی۔

۵۔ Letters of the Emperor Aurangzeb. tr. by Joseph Earles. Calcutta 1788, p.15.

۶۔ بابرنامہ، ص۔ ۳۷۲ Elliot & Dowson, v, p.364.

۷۔ Sharma, S.R., pp.115-16. Irvine, W., p.33.

انعام کے طور پر خلعت بخشنا ایک قدیم ایرانی روایت تھی۔

حوالے کیلئے دیکھئے: Huart, C.: Ancient Peraia and Iranian Civilization. tr. by R. Dobie. London 1927, p.148.

مزید تفصیلات کیلئے دیکھئے (2) EI میں مقالہ خلعت

۸۔ سرپیچ سنہری کپڑے کی پٹی ہوتی تھی جو دو سے لیکر ڈھائی کیوبٹ
فٹ لمبی ہوتی تھی، یہ پگڑی سامنے کے حصہ میں سونے کے تاروں سے
سلی ہوتی تھی اور اس پر قیمتی موتی، وجواہرات جڑے ہوتے تھے

۹۔ Tavernier, p.18 Irvine, p.29

۱۰۔ توزک۔ II ۔ص۔ ۱۹۱۔

۱۱۔ ایضاً۔ ص۔ ۹۷ ،

بشرما۔ ایس۔آر۔ص۔ ۹۹

۱۲۔ ملبوس خاص سے انعام کیلئے دیکھئے،

منوچی، II ، ص۔ ۴۶۹

"یہ اس کی علامت تھی کہ وہ اس سے اسی قدر محبت کرتا ہے جیسے کہ خود سے"

ٹامس رو، ص۔ ۳۳۴۔

۱۳۔ اکبرنامہ II ۔ ص۔ ۱۷۴ - ۱۷۵

۱۴۔ سرکار، ص۔ ۸۵

۱۵۔ "مرحوم (شاہجہاں) بادشاہ نے ایک صادق خاں کے لڑکے کو دیا تھا لیکن جب وہ جوان ہوا، اور بلوغت کو پہونچا تو اسے اس کے پہننے سے منع کر دیا" حوالے کے لئے دیکھئے:

Letters of the Emperor Aurangzeb, p.22.

۱۶۔ ایضاً۔ ص۔ ۲۰۹

۱۷۔ توزک II ۔ص۔ ۳۷۸

۱۸۔ ایضاً۔ص۔ ۱۶ — ۲۵

۱۹۔ قواعدِ سلطنتِ شاہجہانی۔ص۔ ۴۸

ٹامس رو ۔ص ۔ ۳۴۴ — ۳۴۵

۲۰۔ Athar Ali: The Mughal Nobility under Aurangzeb. London 1966, p.142.

۲۱۔ توزک II ۔ ص۔ ۱ ۔ ۲

Letters of the Emperor Aurangzeb, p.19.

" اگلی رات کو جو زمرد کی انگوٹھی خان بہادر چین کو دی گئی تھی وہ سادہ تھی، اب میں نے ایک ایسی انگوٹھی کا نمونہ اس کو دینے کے لئے تیار کیا ہے، جس پر اس کا خطاب، چین قلیچ خان بہادر کھدا ہے "

۲۲ توزک، I - ص - ۱۰۳

صالح - I ص - ۳۱۰

۲۳ - ایضاً - II - ص - ۳۱۱

۲۴ - توزک، I ص - ۳۳۹ - ۳۴۰

II - ص - ۲۷ - ۳۷ - ۷۰

۲۵ - قواعد سلطنت شاہجہانی - ص - ۴۵

Bayazid Bayat: Memoirs of Baizid (Bayazid). In: Allahabad University Studies, vi, part i, 1930, p.146. Monserrate, p.64. Cf. Tod, J., i, p.254.

راجپوت حکمرانوں میں یہ دستور تھا کہ وہ اپنے باورچی خانہ سے پسندیدہ امراء کو کھانا بھیجا کرتے تھے، یہ کھانا " دونہ " کہلاتا تھا

۲۶ - توزک - I - ص - ۳۱۷، II ص - ۹۹

۲۷ - ایضاً - I - ص - ۳۷۷، II - ص - ۳۰

لاہوری، I - ص - ۱۴۲ - ۳۴۱

صالح - II - ص - ۸۸ - ۸۹

جہانگیر نے توزک، I - ص - ۳۷۶ میں محمد نائی کے متعلق لکھا ہے کہ اس نے بانسری پر ایک دھن، اس کے نام پر سنائی اس پر اس نے حکم دیا کہ: " محمد نائی کو روپوں سے تولا جائے، تول میں چھ ہزار تین سو روپیہ اس کے ہم وزن ہوئے، میں نے یہ روپیہ اور ایک ہاتھی ہودے سمیت عنایت کرکے مکرر حکم دیا کہ وہ اس ہاتھی پر سوار ہوکر اور روپوں کو اپنے

اطراف و جوانب میں رکھ کر نچھاور کرتا ہوا اپنے گھر جائے "،
یہ ایک قدیم ایرانی رسم تھی کہ بادشاہ خوشی میں، کسی کا منہ موتیوں، یا قوتوں
یا سونے کے سکوں سے بھروا تے تھے،
حوالے کیلئے دیکھئے: Huart, C., p.148.

۲۸ - اکبرنامہ، III - ص - ۸۳۱
صالح، II - ص - ۴۱۱

۲۹ - خافی خاں، II ص - ۱۰۷ - راجپوتوں میں اسی قسم کی رسم "نچھاوری"
کہلاتی تھی حوالے کیلئے دیکھئے:

Tod, J., i, p.491.

۳۰ - تزک، I - ص - ۱۰۵ - ۱۲۱ - ۱۳۹ - ۱۹۱ - ۳۶۲ - ۴۲۵ -
۴۳۵

۳۱ - ایضاً - ص - ۸۱

۳۲ - صالح - II - ص - ۴۰۱
لاہوری II - ص ۳۵۴ - ۳۹۴ - ۳۹۵

۳۳ - آئین - I - ص - ۱۹۷

۳۴ - Monserrate, p.155.

۳۵ - اکبرنامہ - III - ص - ۲۵۷ - ۲۵۸

۳۶ - ایضاً - III - ص - ۱۹۲

۳۷ - تزک - I - ص - ۱۶۰ - ۱۷۲ - ۱۸۳

۳۸ - ایضاً - ص - ۲۷۹ - ۴۴۰ - II ص - ۸

۳۹ - صالح، I، ص - ۲۸۹
لاہوری، II - ۳۵۴ - ۳۹۴ - ۴۰۰

۴۰ - اکبرنامہ، III - ص - ۲۶۲

۴۱- بدایونی . II - ص - ۳۲۴

۴۲- توزک ، I ص - ۷۵ ، ۷۷ ، ۲۰۴

۴۳- صالح ، I - ص - ۴۲۱

لاہوری ، II - ص - ۳۶۳ - ۳۷۲ - ۳۸۹ - ۶۳۲

Elliot & Dowson, vii, p.264.

ساتواں باب

۱۔ آئین۔ I۔ ۲۵۲۔

۲۔ تاراچند: Society and State in the Mughal Period, Lahore 1978. ص۔ ۶۹

۳۔ Ogilby: ص۔ ۱۵۰۔

۴۔ توزک: I (انگریزی) II۔ ص۔ ۳۔

۵۔ مآثرالامراء: I (اردو ترجمہ) ایوب قادری۔ لاہور ۱۹۶۸ء ص ۱۰

۶۔ ایضاً: ۲۹۔ ۳۱۔

۷۔ ایضاً: II ص۔ ۴۴۴ ۔ ۴۴۵

۸۔ ایضاً: I۔ ص۔ ۱۳۶

۹۔ معتمد خاں: اقبال نامۂ جہانگیری (اردو ترجمہ) کراچی (؟) ص۔ ۴۲

۱۰۔ مآثر: I۔ ۲۴۱

۱۱۔ ایضاً: II۔ ۵۳۱

۱۲۔ ایضاً۔ ص ۔ ۶۰۸

۱۳۔ ایضاً: I۔ ص۔ ۲۹۷

۱۴۔ F. Pelsaert: Jahangir's India. Cambridge 1925. ص۔ ۶

۱۵۔ معتمد خاں: ص۔ ۴۶

۱۶۔ مآثر: III ۔ ۲۹۹ ۔ ۳۰۰

۱۷۔ توزک: I۔ ص۔ ۸۳

۱۸۔ مآثر: II۔ ص ۔ ۴۰۷ ۔ ۴۰۸

۱۹ Mandelslo ۔ص۔ ۳۸ – ۳۹

۲۰۔ William Foster: English Factories in India. Oxford. ص ۔ ۲۵۹

۲۱۔ ماثر: III ۔ ۶۷۹

۲۲۔ ماثر: I ۵۵۱

۲۳۔ ایضاً ۔ ۷۱۱

۲۴ ۔ ایضاً: ۷۴۸ ۔۔ ۷۵۰

۲۵ ۔ توزک ۔ I ۔ ۲۰۸ .

۲۶ ۔ یوسف میرک : تاریخ مظہر شاہجہانی ۔حیدرآباد سندھ ،۱۹۶۲ء
ص ۱۵۴ – ۱۶۱

۲۷۔ توزک ۔ II ۔ص۔ ۱۰

۲۸ ۔ رقعاتِ عالمگیری : (اُردو ترجمہ) نفیس اکیڈیمی کراچی سنہ ۱۹۷۰ء ص ۲۴۴

۲۹ ۔ برنیر : ص۰ ۲۷۰ – ۲۷۱

۳۰۔ ماثر : I ص ۱۸۴

۳۱۔ ایضاً ۔ ۱۷۴

۳۲۔ ٹامس رو : ص ۔ ۸۱

۳۳۔ ماثر: II ۔ ۱۳ ۔ ۱۴ ۔ ۶۹۸

۳۴۔ ایضاً : ۳۷۳

۳۵ ۔ ایضاً : I ۔ ۶۷۲

۳۶ ۔ توزک ۔ I ۔ص ۔ ۲۶۶

۳۷۔ ایضاً : ۵۱۴

۳۸۔ کیمرج ہسٹری آف انڈیا ۔ IV ۔ص ۔ ۱۷۴

۳۹ ۔ عبدالباقی نہوندی: I ۔ ص ۔ ۶۷۸

۴۰۔ بدایونی : I (انگریزی) ص۔ ۳۶۲
۴۱۔ برنیر: ۲۱۴
۴۲۔ ماثر : I۔ص۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶
۴۳۔ ایضاً : ۱۳۷
۴۴۔ برنیر ۔ ۲۱۴ ۔ ۲۱۵ ۔ ۳۷۰
۴۵۔ اطہر علی ۔ص۔ ۱۳۶
۴۶۔ توزک I۔ ۲۷۵
۴۷۔ ایضاً : ۲۸۲
۴۸۔ برنیر ۔ ۲۱۱ ۔ ۲۱۲
۴۹۔ ہاکنس : ص۔ ۱۰۴
۵۰۔ ماثر : I ۔ ص ۳۱۹
۵۱۔ توزک۔ II۔ص۔ ۱۷۱
۵۲۔ ماثر : I۔ ۱۷۵
۵۳۔ ایضاً : ۱۶۳
۵۴۔ ایضاً III۔ص۔ ۳۷۰
۵۵۔ ایضاً، II۔ص۔ ۱۶۸
۵۶۔ ہاکنس : ص۔ ۱۰۵
۵۷۔ Prince ۔ص۔ ۴۱
۵۸۔ ماثر : II۔ ص۔ ۸۰۷ ۔ ۸۰۸
۵۹۔ ایضاً ۔ I ۔ ۱۶۳
۶۰۔ Mandelslo ص۔ ۳۵ ۔ ۳۶
۶۱۔ ایضاً : ص ۔ ۳۵
۶۲۔ برنیر : ص۔ ۳

۶۳- ایضاً : ۲۵۲

۶۴- Pelsaert : ص - ۴۷

۶۵- Manrique : ص - ۲۰۵

۶۶- ایضاً : ص - ۳۰۹

۶۷- ٹامس رو : ص : ۱۶۹ — ۱۷۰

۶۸- ماثر : I - ۲۳۲

۶۹- رو : ص — ۹۱

۷۰- Pelsaert - ۵۴

۷۱- برنیئر - ۲۱۳ — ۲۱۴

۷۲- ایضاً : ص — ۳۷۰ — ۳۷۱

۷۳- ایضاً : ۲۴۶ - ۲۴۷

۷۴- ص - ۶۶ - ۶۷

۷۵- ایضاً : ۵۶

۷۶- ایضاً : ۶۷

۷۷- برنیئر : ۲۴۷ — ۲۴۸

۷۸- Pelsaert - ۶۴

۷۹- ایضاً ص — ۶۵

۸۰- ایضاً ۶۶

۸۱- بینی پرشاد History of Jahangir, Madras 1922,
ص - ۲۲ - (نوٹ)

۸۲- ماثر - I - ص — ۱۱۶

۸۳- ایضاً - II - ۱۷۲

۸۴- Pelsaert ۶۸

۸۵- ماثر: II - ص - ۳۲۳

۸۶- ایضاً: I- ۷۱۱

۸۷- ایضاً: II ۷۰۵

۸۸- ایضاً: I ۶۲۳

۸۹- ایضاً: ۱۸۳

۹۰- برشیر: ص- ۳۵۶

۹۱- ماثر: II -ص، ۶۳۹-۶۴۰

۹۲- ماثر: I -ص- ۱۲۷- ۱۲۸

۹۳- ایضاً: ص۔ ۵۱۱ - ۵۱۲

۹۴- ایضاً: II ص - ۲۱۱

۹۵- ایضاً: I ص- ۷۹۸

۹۶ ایضاً: ص - ۵۷۶

۹۷- ایضاً: ص- ۳۵۷

آٹھواں باب

۱- De Laet, p.90.

۲- Pelsaert, 62, 63.

۳- ایضاً: ۶۲

۴- ایضاً: ۶۰ - ۶۱

۵- The Cambridge Economic History of India. Csmbridge 1982. p.461.

۶- ایضاً: ۴۶۲

۷- ایضاً: ۴۶۲

۸- ایضاً: ۴۶۱ - ۴۶۲

۹- ایضاً: ۴۶۱

۱۰- ایضاً: ۴۶۰

۱۱- Pelsaert ۳۵

۱۲- کیمبرج اکنامکس ہسٹری: ۴۶۰

۱۳- De Laet ۸۱

۱۴- Pelsaert ۴۷

۱۵- کیمبرج اکنامکس ہسٹری: ۴۶۳

کتابیات

ابتدائی ماخذ

ابوالفضل علامی : آئینِ اکبری مرتب : ایچ ۔ بلاخ مَن ،
کلکتہ ، ۱۸۶۷ء ۱۸۷۷ء
اردو ترجمہ مولوی محمد فدا علی طالب ، حیدر آباد دکن
۱۹۳۸ء اشاعت دوم ۔ لاہور (؟)
انگریزی ترجمہ :
H.Blochmann and H.S.Jarret. Calcutta 1868-1894. (Bibl.Ind.)

—— اکبرنامہ ۔ مرتب آغا احمد علی و عبدالرحیم
کلکتہ ۱۸۷۳ء ۱۸۸۶ء
انگریزی ترجمہ :
H.Baveridge.
Vol.1-3. Calcutta 1910. (Bibl. Ind.)

اسد بیگ : حالات اسد بیگ
MS. B.M. OR. 1891.

اورنگ زیب عالمگیر : رقعات عالمگیری ۔ کانپور ۱۸۸۶ء
—— رقعاتِ عالمگیری ۔ مرتب : سید نجیب اشرف ندوی
اعظم گڑھ ، ۱۹۳۰ء اردو ترجمہ شمس بریلوی
کراچی ۱۹۶۷ء
انگریزی ترجمہ ،
Letters of the Emperor Aurangzeb. Joseph Earlea. Calcutta 1788.

بابر ، ظہیر الدین : بابر نامہ (ترکی متن) مرتب ۔ اے ۔ ایس ۔ بیوریج ، ...

لندن - لائیڈن ۱۹۰۵ء

فارسی ترجمہ: عبدالرحیم خانِ خاناں - بمبئی ۱۸۹۰ء

انگریزی ترجمہ۔

A.N.Beveridge. London
1922-Repr. London 1969.

بدایونی ، عبدالقادر : منتخب التواریخ - مرتبہ احمد علی

(۳ جلدیں) کلکتہ ، ۱۸۶۸ء ((Bibl.Ind.)

اردو ترجمہ : احتشام الدین مرادآبادی لکھنؤ ۱۸۸۹ء

اشاعت دوم ، مترجم ، محمود احمد فاروقی ، کراچی ۱۹۶۶ء

بختاور خاں - مرآۃ عالم -

MS.B.M. Add. 6757.

برہمن رائے چندرا ، چہار چمن برہمن MS.B.M.Add. 116, 863

قواعد سلطنتِ شاہجہانی کلکتہ ۱۷۹۵ء

بایزید ، بیات تذکرہ ہمایوں واکبر مرتب : ہدایت حسین کلکتہ ۱۹۴۱ء

انگریزی ترجمہ۔

Engl. tr. of chapters i-iii
by B.P. Saksena as: Memoirs of Baizid. In: Allahabad University Studies. Vol, vi, part, i. 1930 pp.71-148.

جہانگیر نورالدین : توزک جہانگیری مرتب سید احمد خاں

علی گڑھ ۱۸۶۴ء

اردو ترجمہ اعجاز الحق قدوسی لاہور ۱۹۶۸ء

انگریزی ترجمہ۔

A.Rogers and H.Beveridge. Vol. 1-2. London 1909-1914.

جوہر آفتابچی تذکرۃ الواقعات

اُردو ترجمہ : احمد الدین احمد کراچی ۱۹۵۱ء -

MS.B.M.Add. 16, 711. Eng.translation: Charles

Stewart: Privat Memoirs of the Moghul Emperor Humayun. London 1832.

خافی خاں ۔ منتخب اللباب (۳ جلدیں) مرتب کبیر الدین احمد ۔ کلکتہ ۱۸۶۹ء

اردو ترجمہ ، محمود احمد فاروقی ۔ کراچی ۱۹۶۳ء

خوندمیر ۔ قانونِ ہمایوں ، مرتب ، ہدایت حسین کلکتہ ۱۹۴۰ء

شہنواز خاں صمصام الدولہ : مآثر الامراء (۳ جلدیں) کلکتہ ۱۸۸۸ء ۱۸۹۱ء

اُردو ترجمہ ۔ ایوب قادری ۔ لاہور ۱۹۶۸ء ۱۹۶۹ء

Eng. translation: H. Beveridge. Calcutta 1911.

صالح کنبوہ ، عمل صالح ۔ (۲ جلدیں) مرتب غلام یزدانی کلکتہ ۱۹۱۲ء

اُردو ترجمہ ۔ ناصر حسین زیدی ۔ لاہور ۱۹[illegible]ء

عاقل خاں رازی : واقعات عالمگیری مرتب عبد اللہ چغتائی ۔ لاہور [illegible])

عبد الصمد : انشاء ابو الفضل ۔ کانپور ۱۸۷۲ء

علی محمد خاں : مرآۃ احمدی مرتب ۔ نواب علی

بڑودہ ۱۹۲۷-۲۸ء ، ۱۹۳۰ء

MS.B.M.Add. 26238. عنایت اللہ خاں ۔ احکام عالمگیری

انگریزی ترجمہ ۔

J.Sarkar as: Anecdotes of Aurangzib. Calcutta 1912.

MS.Ethe' 373. B.M. کلماتِ طیبات

(Bibl. Ind.) غلام حسین سلیم زیدپوری : ریاض السلاطین کلکتہ ۱۸۹۰ء

MS. B.M. Or. کامگار حسینی : مآثر جہانگیری

کاظم محمد : عالمگیر نامہ ۔ مرتب خادم حسین عبد الحیٔ

(Bibl. Ind.) کلکتہ ۱۸۶۹ء

گلبدن بیگم : ہمایوں نامہ ۔ مرتب اے ۔ ایس ۔ بیوریج لندن ۱۹۰۲ء

لاہوری ، عبد الحمید : بادشاہ نامہ ۔ مرتب کبیر الدین (۲ جلدیں)

کلکتہ ۱۸۶۶ء ، ۱۸۷۲ء (Bibl.Ind.)

مرزا امین قزوینی : بادشاہ نامہ MS.B.M.Or.173

محسن فانی ۔ دبستانِ مذاہب ۔ کانپور ، ۱۹۰۴ء

انگریزی ترجمہ

David Shes and Anthony Troyer as: The Dabistan or School of Manners. Vol. 1-2. Paris 1843.

محمد قاسم فرشتہ : گلشن ابراہیمی لکھنؤ ۱۸۶۵ء

اُردو ترجمہ: خواجہ عبدالحئی لاہور ۱۹۶۲ء

مستعد خاں : مآثر عالمگیری ۔ کلکتہ، ۱۸۷۰ء ۱۸۷۳ء

اُردو ترجمہ فدا علی طالب حیدر آباد دکن ۱۹۳۲ء

معتمد خاں ؛ اقبال نامۂ جہانگیری

مرتب ، عبدالحئی واحمد علی کلکتہ ۱۸۶۵ء (Bibl. Ind.)

نجف علی خاں : شرح آئینِ اکبری MS.B.M.Or 1667

نہوندی ۔ ملا عبد الباقی مآثرِ رحیمی مرتب ۔ ہدایت حسین ،

کلکتہ ۱۹۱۰ء۔۳۱ء (Bibl.Ind.)

نظام الدین احمد: طبقات اکبری مرتب ۔ بی ۔ ڈی

(۳ جلدیں) کلکتہ، ۱۹۱۳ء

انگریزی ترجمہ (Bibl. Ind). B B.De. Calcutta 1936.

نظام الملک سیاست نامہ ۔ طہران (؟)

نعمت اللہ خوجہ : تاریخ خاں جہانی ڈھاکہ ۱۹۶۰ء

اردو ترجمہ ، محمد بشیر حسین ، لاہور ۱۹۶۸ء

یوسف میرک : تاریخ مظہر شاہجہانی : حیدرآباد سندھ ۱۹۶۲ء

Payne, C.H.: Jahangir and the Jesuits. London 1930.

Peter Mundy: The travels of Peter Mundy in Europe

and Asia (1608-1677). Ed. by Richard C.Temple. London 1914. (Vol.ii Travels in Asia 1628-1634; H.Soc).

Pietro della Valle: Viaggi de P. della Valle divisi in tre parti, cioe la Turchia, la Persia, e l' India. Roma 1650. Engl. tr. by G.Harves. Ed. by Edward Grey. London 1892. (H.Soc.) Repr. New York 1964.

Ralph Fitch: Narrative. Ed. by J.H. Ryley as: Ralph Fitch, England's Pioneer in India and Burma. London 1899.

Roe, Thomas: The Embassy of Sir Thomas Roe to the court of the Great Moghul (1615-1619). Ed. by William Foster.

London 1899. Repr. Nendeln 1967.

Sen, S.: Indian Travels of Thevenot and Carreri. Delhi 1949. (Indian Records Series).

Sidi Ali Rs'is: Mir'at al-Mamalik. Translated from Turkish by Vambery, A. as: The Travels and Adventures of the Turkish Admiral Sidi Ali Reis in India, Afghanistan, Central Asia, and persia, during the years 1553-1556. London 1899. Tavernier, J.B.: Travels in India by Jean Baptist Tavernier, Baron of Aubornne. Vol.1-2. London 1889. Repr. London 1925. Terry E.: A Voyage to East India. London 1655.

Thevenot, J.de: The travels of Monsieur de Thevenot into the Levant. The third containing the Relation of Indostan, the New Moghul, and other people and Countries of the Indies. London 1687.

سفرنامے

Bernier, F.: Travels in the Moghul Empire A.D. 1636-1668. London 1914.

Brockman, H.D.: Voyages to Disaster, The Life of Framcisco Pelsaert. Sydney 1963.

Du Jarric, P.:Akbar and the Jesuits. London 1926. (Broadway travellers).

Foster William: The Journal of John Jourdain (1608-1617).

Cambridge 1905. (H.Soc.)

Early Travels in India (1583-1619). Oxford 1921. Repr. Delhi n.d. Fryer, J.: John Fryer's East India and Persia: being nine years' travels (1672-1681). With notes and introduction by William Crooke. Vol.1-3. London 1909. Repr.London 1912.

Hawkins, W. Captain: Hawkins Voyages during the reigns of Henry VIII, Queen Elizabeth, and James I. London 1878. (H.Soc.) Repr. New York 1970.

Laet, J.De.: The Empire of the Great Moghul. Bombay 1928.

Mandelslo, J.A.: The Voyages and travels of J.Albert de Mandelslo. London 1669.

Manrique, F.S.: Travels of F.S. Manrique (1629-1643). Oxford 1927. (Vol. ii is about India).
Manucci,N.:Storia do Mogor or Moghal India (1653-1703) Vol.1-4.London 1907-8.(The Indian Text Series).
Monserrate, A.S.J.: The Commentary of Father Monserrate S.J. on his Journey to the Court of Akbar. London 1922.

Narain, B.: A Contemporary Dutch Chronicle of Mughal India. Calcutta. 1957.

Ogilby, J.: Asia, the first part, an accurate description of Persia ... the vast Empire of the Mogols. London 1672-3. Ovington, J.: A Voyage to Suratt in the year 1689. London 1696.

Hughes, T.P.: A Dictionary of Islam. London 1885. Repr. London 1927.

Ibn Khaldun.: Muqaddima. Engl. tr. by F. Rosenthal. New York 1968.

Jaraizbhoy, R.H.: Oriental influence in Western Art. Bombay 1965.

Al-Juwaini, Ata Malik.: Jahan Gusha. Engl. tr. by J.A. Boyle as: The History of the World Conquerer. Vol.1-2 Manchester 1968.

Mawardi, Abu'l-Hasan 'Ali.: Ahkam al-Sultaniyya. Urdu tr. by S.M. Ibrahim. Karachi 1965.

Olmstead, A.T.: History of the Persian Empire. Chicago 1966.

Al-Sabi, Hilal.: Rusum dar al-Khilafa. Baghdad 1964.

Spuler, B.: Iran in fruh-islamischer Zeit. Wiesbaden 1952.

Storey, C.A.: Persian Literature. London 1927-39. Repr. London 1970. (Vol. i. pp.433-650).

Sykes, P.: A History of Persia. Vol.1-2. London 1930.

Walser, G.: Audienz beim Persischen Grosskonig. Zurich 1965.
Die Volkerschaften auf dem Relief von Persepolis. Berlin 1966.

Watt, W.M.: The Majesty that was Islam. London 1974.

Clavijo, R.: The Embassy of Ruy Conzaez de Clavijo to the Court of Timour. Engl. tr. by C.R.M. Markham. London 1859. Repr. New York 1970.

Doerfer, G.: Turkische und mongolische Elemente in Neupersischen. Bd. 1-4. Wiesbaden 1963-75.

Dilger K.: Untersuchungen zur Geschichte des Osmanischen Hofzeremoniells im 15. und 16. Jahrhundert. Munchen 1967.

The Encyclopaedia of Islam, 1st edition Leiden & London 1913-34. 2nd edition Leiden & London 1960 seq.

Frye, R.N.: Bukhara, The Medieval Achievement. Norman 1965.

The Charisma of Kingship in Ancient Iran. In: Iranica Antiqua. Vol. iv.1964, pp. 36-54.

Gestures of Deference to Royalty in Ancient Iran. Ibid. Vol. ix. 1972, pp.102-7.

Gibb, H.A.R.: Studies in the civilization of Islam, Ed. by Stanford J. Shaw and William R. Polk. London 1962. Repr. London 1969.

Ghirshman, R.: Iran. Harmondsworth 1954.

Goitein, S.D.: Studies in Islamic History and Institutions. Leiden 1963.

Howorth, H.H.: History of the Mongols. Vol. 1-4. London 1888. Repr. New York 1966.

Huart, C.: Ancient Persia and Iranian Civilization. Engl. tr. by R. Dobie. London 1927.

Suleiman, H.: Miniatures of Babur Nama. Tashkent 1970.

Tripathi, R.P.: Rise and Fall of the Mughal Empire. Allahabad 1959.
Some Aspects of Muslim Administration. Allahabad 1936.
Repr. Allahabad 1956.

Yasin, M.: A Social History of Islamic India (1605-1748). Lakhnow 1958.

Yazdani, G.: Jahanara. in: JPHS. 2. 1912, pp.152-69.

عموی کتابیات

Altheim, F.: Geschichte der Hunnen. Berlin 1959.

Arnat, P.: The Byzantinea and their world. London 1973.

Arnold, T.W.: The Caliphate. Oxford 1924.

Balfour, E.: The Cyclopaedia of Indian and of Eastern and Southern Asia. London 1885. Repr. Graz 1967.

Barthold W.: Turkestan down to the Mongol Invasion.
3rd edition. London 1968.

Becker, C.H.: Islamstudien. Leipzig 1924. Nachdruck.
Hildesheim 1967. (Bd.1).

Bosworth, C.E.: The Ghaznavids. their empire in Afghanistan and Eastern Iran (994-1040). Edinburgh 1963.

Browne, E.G.: A literary History of Persia. Vol. 1-4. (1.2:) London 1902-6, (3.4:) Cambridge 1920-4. Re-issued Cambridge 1928.

Busse, H.: Chalif und Grosskonig. Die Buyiden im Iraq (945-1055). Wiesbaden 1969.

Qureshi, I.H.: Administration of the Mughul Empire. Karachi 1966.
The Muslim Community of the Indo-Pakistan sub-continent. The Hague 1962.

Reddi, D.V.S.: Medicine at the Moghul court. In: JIH 17. 1938, pp.165-74; 19. 1940, pp.56-63.

Saksena, B.P.: History of Shah Jahan of Dihli. Allahabad 1932.
Sarkar, J. Studies in Mughal India. Calcutta 1933.
Fall of the Mughal Empire. Calcutta 1949.
History of Aurangzib. Calcutta 1921.
Mughal Administration. Calcutta 1952.
Anecdotes of Aurangzib. Calcutta 1912.

Sayed Ahmad.: Athar al-Sanadid. Karachi 1966.

Sharma, S.R.: Mughal Government and Administration. Bombay 1951.
Mughal Empire in India. Bombay 1934.
Religious Policy of the Mughal Emperors. Oxford 1940.
Jahangir's religious policy. In: Indian Culture. 4. 1937-38, pp.305-323.

Sharif, Jaffar.: Qanoon-e-Islam. Engl. tr. by G.A. Herkiot. London 1832.

Smith V.A.: Akbar the Great Moghul (1542-1605). Oxford 1912.
Akbar's "House of worship". In: JRAS 1917, pp.50-62.

Stanley, C.: Indian Drawings (Thirty Moghul Paintings of the school of Jahangir). London 1922.

Jaffar, S.M.: The Mughal Empire (from Babar to Aurangzeb). Peshawar 1936.

Khosla, R.P.: The Mughal kingship. In: JBORS. 13 1927, pp.250-257.

Lane, Poole, S.: The Coins of the Mughal Emperors of Hindustan. London 1892.

Latif S.M.: Lahore, its history, architectural remains and antiquities. Lahore 1892.
Agra, Historical and Descriptive. Calcutta 1896.

Mathur, N.L.: Red Fort and Mughal Life. Delhi 1964.

Moin-ud-din, Muhammad.: History of the Taj. Agra 1905.

Mubarak Ali.: The Mughal Encampment. In: JPHS October 1975, pp.225-32.

Mujeeb, M.: The Indian Muslims. London 1967.

Najib Ashraf, Nadwi.: Muqadima Ruqqa'at-i-'Alamgiri. Azamgarh n.d.

Parasad, Beni.: History of Jahangir. Oxford 1922.
The Mughal government, with special reference to the reign of Jahangir. In: JIH 1. 1921-2, pp.92-125, 265-75.
The accession of Shah Jehan. In: JIH 1922, pp.1-19.

Patkar, M.M.: Moghul patronage to Sanskrit learning. In: Poona Orientalist. 3. 1938, pp.164-75.

Qanungo, K.R.: Some sidelights on the character and court life of Shah Jehan. In: JIH 1929, pp.45-52.

Chughtai, M.A.: An unpublished contemporary history of Aurangzeb's accession in verse. In: Proc. 6th All India Oriental Conference. 1930, pp.25-28.

Fanshawe, H.C.: Delhi, Past and Present. London 1908.

Faruki, Z.: Aurangzib and his Time. Bombay 1935.

Felix F.: Mughal Farmans, Parwanas and sanads issued in favour of the Jesuits missionaries. In: JPHS 5. 1916, pp.1-32.
Mughal seals. In: JPHS 5. 1916, pp. 100-123.

Fergusson. J.: History of Architecture in all countries. London 1865.

Ghani, M.A.: A History of Persian Language and Literature at the Mughal court. Vol. 1-4. Allahabad 1929.

Haig, W.: The Cambridge History of India. Vol.IV (Mughul Period). Delhi 1963.

Hambly, G.: Cities of Moghul India. London 1968.

Hasan Ali Mir (Mrs.).: Observations on the Muasalman of India. London 1832.

Havell, E.B.: A Handbook of Agra and the Taj. Calcutta 1924.
The Taj and its Designers. Calcutta 1903.

Hearn, H.C.: The seven cities of Delhi. London 1906.

Ibn Haaan.: The Central Structure of the Mughal Empire. London 1936.

Irvine, W.: The Army of the Indian Moghals. London 1903.

Azad, Muhammad.: Darbar-i-Akbari. Lahore 1939.

Beale, T.W.: An Oriental Biographical Dictionary. London 1894. Repr. New York 1965.

Benerji, S.K.: Emperor Humayun's marriage with Hamida Banu, September 1541. In: JUPHS 7-i. 1934, pp.36-41.
The birth of Akbar, the Prince, October 15, 1542 A.D. In: Proc. 3rd Indian History Congress. 1939, pp.1002-1012.
Social reforms of Akbar. In: IHQ 29. 1953, pp.50-55.
Kingship and Nobility in Humayun's time. In: JUPHS 14. 1941, pp. 25-38.

Beveridge, H.: A letter from the Emperor Babur to his son Kamran. In: JASB NS. 15. 1919, pp. 329-334.
Salima Sultan Begam. In: JASB NS. 2. 1906, pp. 509-10.

Binyon, Lawrence.: The Court Painters of the Grand Mughals. Oxford 1921.
Asiatic Art in the British Museum. Paris & Brussela 1925.

Blochet E.: Mussalman Paintings. Engl. tr. by Binyon C.M. London 1929.

Brown Percy.: Indian Painting under the Mughals. Oxford 1924.
Indian Architecture (Islamic Period). Bombay 1968.

Chandra, S.: parties and Politics at the Mughal Court. Aligarh 1959.

Chopra, P.N.: Some Aspects of Society and Culture during the Mughal Age (1526-1707). Agra 1963.

برصغیر کی تاریخ پر جدید تحقیقات

Abdul Aziz.: Thrones, Tents and the Furniture used by the Indian Mughals. Lahore n.d.
The Imperial Treasury of the Indian Mughals. Lahore n.d.
Arms and Jewellery of the Indian Mughals. Lahore 1946.
The Imperial Libarary of the Moghuls. Lahore 1966.

Ahmad, A.: Studies in Islamic culture in the Indian environment. Oxford 1964.

Ahmad Bashir.: Akbar, the Great Mughul. Lahore 1967.

Ahmad, Hafiz Shama-ud-din.: Zibunnisa Begam and Diwan-i-Mukhfi. In: JBORS 13. 1927, pp.42-53.

Ahmad, N.L.: Some feasts and festivals at the court of Shah Jahan. In: IHRC 3rd. Proc. 1939, pp.1133-38.

Ansari, M.A.: Amusements and games of the Great Mughals. In: IC 35. 1961, pp. 21-31.
Court Ceremonies of the Great Mughals. In: IC 35. 1961. i-iv, pp.183-197.

Archer W.A.: Indische Miniaturen. Recklinghausen 1960.

Ashraf Husain.: A Guide to Fathpur Sikri. Delhi 1937.

Athar Ali.: The Mughal Nobility under Aurangzeb. London 1966.